وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝

اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا
(یعنی) انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین (کے ساتھ) اور یہ کتنے اچھے ساتھی ہیں! (النساء:۶۹)

قرآن و حدیث کی روشنی میں ترغیب اعمالِ صالحات کیلئے قیمتی نصیحتیں و نادر واقعات

کنزالعارفین

از

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی چرتھاولی حفظہ اللہ
خلیفہ و مجاز حضرت حاذق الامتؒ پرنامبٹ (خلیفہ و مجاز حضرت مسیح الامتؒ جلال آبادی) بانی و مہتمم دارالعلوم محمدیہ و خانقاہ رحیمی بنگلور

ترتیب
مولانا حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی
ناظم تعلیمات دارالعلوم محمدیہ بنکلور کرناٹک

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	کنزالعارفین
از	:	حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی
مرتب	:	مولوی حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی
کتابت و تزئین	:	مولانا فہیم احمد قاسمی سرسی سیتامڑھی حبان گرافکس بنگلور
باہتمام	:	جناب حماد مصطفیٰ شیروانی صاحب
تعداد	:	گیارہ سو عدد
قیمت	:	
سن اشاعت	:	۲۰۱۶ء
ناشر	:	مدینہ بکڈپو جامع مسجد دہلی۔6

مرتب کا مکمل پتہ

RAHEEMI SHIFA KHANA
#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)
Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
1	انتساب اور ثواب	12
2	حروفِ دلدار	13
	صلوٰۃ وسلام	14
	درود شریف کی فضیلت	15
	دعا کا طریقہ	16
	رحمت وکرم کی دعا	17
	ہر مرض کی دوا ہے صل علیٰ محمد	18
	دلائل الخیرات کے مولف	18
	ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے درود شریف کی اجازت حاصل کی	19
	خواب میں حضور ﷺ کی زیارت	20
	باطن منور ہو جاتا ہے	22

حُبِّ رسول اللہ ﷺ	24
آداب واکرام	25
عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم	26
حضور ﷺ کے بارے میں قریش کا اعتراف	27
حضور ﷺ کی تابعداری اور اطاعت	28
تختۂ دار پر بھی حضور ﷺ سے عشق	29
حصولِ نسبت کے رہنما اصول	30
عیسیٰ علیہ السلام پیٹ میں تسبیح پڑھتے تھے	39
اذکار میں صوفیائے کرام کا طریقہ	40
اولیاء کی صحبت کا حکم	43
صحبت کے موثر ہونے کی دوسری دلیل	43
صحبت کے موثر ہونے کی تیسری دلیل	43
صحبت کے موثر ہونے کی چوتھی دلیل	44
معیار السلوک	45
صاحب تصنیف صوفیاء کرام کا مختصر ذکر خیر	50
حضرت خواجہ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ	50
حضرت خواجہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ	50
حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	51
شیخ محی الدین ابن عربی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ	51
شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ	52
شیخ فرید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ	54

صوفیاء کرام کے ملفوظات	55
حلقۂ مریدین میں ''مرشد کامل کی محبت'' کے انداز	58
جاہ ومنصب کو ٹھوکر مارنیوالا خوش نصیب	61
اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب عالیہ	63
وہ صوفی کہلانے کا حقدار نہیں	65
حضرت خواجہ عبداللہ بن محمد مرتعشؒ	66
اخلاص فی العمل	67
ایک کمزور دلیل پر ایک مستحکم دلیل	68
شیخ عبدالرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خوبیاں	71
شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے ارشادات	75
جہان فانی	77
دوراندیشی	77
درس فنا	77
عاقبت اندیشی	77
دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے	78
صوفیاء کرام کا وجود ہمیشہ باعث رحمت ہے	82
صوفیاء کرام کی بابت روشن حقائق	84
صوفیاء کرام جنکا تعلق سلاطین یا امراء سے تھا	86
خواجہ ابراہیم بن ادہم	86
خواجہ ابواسحاق گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ	86
خواجہ ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ	87

خواجہ ابواحمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ	87
سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ	87
تصوف کی حقیقت	88
انفاق مال سے نفس ٹوٹتا ہے	88
صوفیاء کرام کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے	89
صوفیائے کرام اور ان کے ارشادات کی خوبیاں	91
صوفیائے کرام اور عوامی رابطہ	95
دنیا کی محبت اور اس کا علاج	101
چلہ کشی اور نفلی عبادات کی بہ نسبت فرائض کی اہمیت	102
ارشادات گرامی حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی	104
سبحان اللہ کیا تھے کیا ہو گئے!	106
شدّتِ انہماک کی بدولت	108
حدیث جبریل علیہ السلام تصوف کا ثبوت	110
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	112
علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا موازنہ	113
طریقت شریعت کی جان ہے	114
شریعت جس کو رد کردے وہ خالص کفر ہے	115
صوفیائے کرام شریعت کا صحیح نمونہ ہیں	116
تصوف سلطان العارفین شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں	118
جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام	121
طریقت مکمل طور پر شریعت کے تابع ہو	125

تصوف عقیدۂ توحید کے مطابق	126
تصوف کا امتیازی پہلو فنا اور بقاء	127
تصوف کا طرۂ امتیاز صحو یعنی ہوشمندی ہے	128
جنید بغدادی مشائخ الاسلام اور ائمہ الہدیٰ ہیں	130
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	132
مولوی اور صوفی - شریعت اور طریقت	136
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	143
احساس کی دولت	146
ناقابل انکار سچائیاں جن سے کوئی زمانہ خالی نہیں	147
شیخ تاج العارفین ابوالوفا رحمۃ اللہ علیہ	147
شیخ ابا عبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ	148
سیدی شیخ علی بن وہب رحمۃ اللہ علیہ	149
شیخ موسیٰ زوئی رحمۃ اللہ علیہ	149
شیخ احمد بن ابی الحسن رفاعی رحمۃ اللہ علیہ	150
اولیاء کے انداز ہیں نرالے	151
دو بزرگوں کا مکالمہ	151
حکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے	152
حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا ابلیس کو جواب	153
ان کے لئے موت زندگی ہے	154
ضروری کاموں کی فکر کریں	156
ہٹے کٹے سائل کو بھیک نہ دو	157

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عبرت انگیز واقعہ	158
ہمارے بندے بن جاؤ	160
دل کی چبھن	161
حمد شریف	162
نعتِ پاک	163
مختصر مختصر تین اجزاء	164
دنیا میں اجنبی چیزیں	164
سخت ناپسندیدہ چیزیں	164
سات قیمتی کلمات	165
بنگال کے صوفیاء کرام	166
خواجہ بایزید بسطامیؒ کی چلہ گاہ (دکھنی بنگلہ دیش)	167
صوفیائے کرام کی اصطلاحات	169
کوہِ قاف سے مراد؟	170
عالم برزخ کہاں ہے	173
ذکر جاری ہونا	179
اپنی زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھ	182
خواب میں حق تعالیٰ کی زیارت	182
پرہیزگاری میں کمی	183
خواجہ ابوالعباس نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ	184
سمجھ سمجھ کر جو نہ سمجھے	186
مرشد کامل کی جوتیوں کی قدردانی	188

موت کے لمحات میں مسکراہٹ	190
اولیاء کرام کے مشہور ناموں کی وجہ تسمیہ	192
حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا	192
حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ	192
حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ	193
دینار کو دینار کہنے کی وجہ:	193
حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بناری رحمۃ اللہ علیہ	193
حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ	194
شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	195
ندامت کے آنسو	197
علم تصوف 'قال' نہیں ہے 'حال' ہے	200
ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	203
اصلاحی مکتوبات	207
قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ	213
مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کے مدرسہ میں مدرس	214
چودہ سال تک ایک ہی بستر	215
اجازت وخلافت	216
حضرت شاہ عبدالرحیم کا وصال	217
حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے عبدالقادر کی عقیدت	219
شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اکرام	220
صوفیائے متقدمین میں ایک مقتدر شخصیت حضرت مخدوم سید راستی رحمۃ اللہ علیہ	221

اے نفس تجھے دنیا سے محبت ہے!	225
اہل ریاضت کے مخصوص خصائل	230
یہ بڑا گہرا سمندر ہے	233
جب صوفیاء کرام مخلوق خدا کی راحت رسانی کے مظہر تھے	234
خواجہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت	235
غذا تخم ہے اور افعال تخم کے پودے	236
ارشاد اتحضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ	238
حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ	240
سید القوم خادمہم	242
عارفین الٰہی کے حال واقوال	244
عشق کی چوٹ جب دل پر پڑتی ہے	248
مدینۃ المنورہ کی مٹی اور پھل عشاق کیلئے مانندِ مشک وعنبر	250
روئے اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے درجۂ احسان حاصل ہوجاتا ہے	253
صوفیائے کرام کی توبہ اور دلوں کی تونگری	256
فرزند حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ	260
خواجہ ابونصر ابی جعفر ہروی رحمۃ اللہ علیہ	263
ارشادات خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	266
محبت کے انداز	267
مرید صادق کی زندگی کے آٹھ مراحل	268
نفس کی حقیقت، ایک مثال	270
تزکیہ کی کوشش!	272

خشوع اور خضوع کی حقیقت	274
وصول الی اللہ کا طریقہ	280
زبان اور نظر کی حفاظت	280
فوائد و نتائج	281
کیا موحّدین میں سے کوئی جہنم میں رہے گا؟	283
حدیث شفاعت کی تشریح میں حضرت گنگوہیؒ کا عجیب ملفوظ	285
آخری بات	287

☆☆☆

کنزالعارفین کا
انتساب
اور
ثواب

بحمد اللہ تعالیٰ کنزالعارفین کا انتساب اور ثواب میں اپنے بزرگ نانا جان حضرت منشی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام ممنون کر رہا ہوں۔ جن کی شفقت اور دعائے سحرگاہی میری تربیت کا ذریعہ بنی۔ اللہ تعالیٰ حضرت نانا جان رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور نانی اماں کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین!

ادنیٰ نواسہ
محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

حروفِ دلدارؔ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد

کنز العارفین اولیائے کاملین، مشائخ عظام اور اہل اللہ کے واقعات اور ارشادات پر مشتمل نادر مجموعہ ہے جو درحقیقت سالکین، عارفین، مشائخ اور علمائے کرام کے لئے ایک عظیم خزانہ ہے، جس میں دنیا سے بے رغبتی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے نادر واقعات، اقوال وارشادات جمع کئے گئے ہیں، میرے والد میرے شیخ حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی دامت برکاتہم نے ان واقعات کو جمع کرتے ہوئے خوب آنسو بہائے ہیں، کیوں کہ اس کے عناوین ہی ایسے دلپزیر ہیں کہ ان کہ پڑھتے ہوئے بے اختیار آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑتا ہے اسی مناسبت سے میں نے اس کتاب کا نام کنزالعارفین رکھا ہے۔ جس کو حضرتِ والا نے بہت پسند فرمایا اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس مجموعہ کو نافع بنائے اور مطالعہ کرنے والوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اور میرے لئے توشۂ آخرت بنائے۔
آمین ثم آمین یارب العلمین

طالب دعا

محمد عثمان حبان دلدارؔ قاسمی

خانقاہ رحیمی احاطہ دارالعلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

۵ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق ۷ جنوری ۲۰۱۴ء بروز منگل بعد نماز مغرب

صلوٰۃ وسلام

فخر دوعالم سرور کائنات ﷺ کے اعزاز واکرام، عظمت وشان کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ اللہ جل شانہ خود حضور پرنور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔ اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ سعادت عطا ہو کہ جو کام اللہ رب العزت خود کرتا ہے انہیں بھی اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے چنانچہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ ''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ پر اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو''۔ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

مفسرین کرام نے اللہ کے درود بھیجنے سے حضور پرنور ﷺ پر رحمتیں نازل فرمانا آپ ﷺ کو مقام محمود، مقام شفاعت پر پہنچانا مراد لیا ہے۔ ملائکہ کا درود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مراتب عظمیٰ کو بلند تر کرنے کی دعا ہے اور آپ ﷺ کی امت کے لئے اللہ سے طلب مغفرت کی۔

اس سے بڑی سعادت اور اس سعادت سے زیادہ کسی عمل کا انعام نہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی تصور کیا جاسکتا ہے بندہ کا ذات مقدسہ ﷺ پر درود بھیجنا بیک وقت باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وحدت مطلقہ کا صدق دل سے اعتراف ہے اور حضور اقدس ﷺ کی رحمت بے پایاں سے مسلسل فیض یاب ہونے اور فیض یاب رہنے کی دعا ہے

کہ آپ ﷺ ہی خاتم المرسلین ہیں سرور کائنات ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم نہ صرف زبان سے درود پڑھنے پر مبنی ہے بلکہ اس کے جلو میں حضور اقدس ﷺ کی اتباع آپ ﷺ کے ساتھ لامتناہی محبت اور سرور کائنات ﷺ کے اوصاف جمیلہ کی تعریف، توصیف اور ذکر سب ہی شامل ہے اور سب ہی باعث ہزار رحمت ہے، یہ ایمان کامل کا اعلان، ہادی برحق ﷺ کی نظر کرم پر ایقان اور ان ﷺ کے متبعین کے عظمت شان کو صدق دل سے قبول کرنے اور نذرانہ عقیدت پیش کرنے کا بیش بہا وسیلہ ہے۔

درود شریف کی فضیلت

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْماً.

درود شریف کی فضیلت کے متعلق چند احادیث کا ذکر تازگی ایمان کا موجب ہوگا۔

فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ نزدیک وہ شخص ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجتا ہو۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں آپ ﷺ یہ بتائیں کہ میں اپنے اعمال اور اولاد میں سے اس کیلئے کتنا وقت مقرر کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر تو چاہے اگر زیادہ کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا، میں نے عرض کیا آدھا وقت مقرر کردوں فرمایا جس قدر تو چاہے اگر زیادہ کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا دو تہائی وقت مقرر کردوں، آپ ﷺ نے فرمایا جس قدر تو چاہے اگر زیادہ کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اپنی دعا کا سارا وقت مقرر کردوں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کفایت کرے گا اور تیرے دین و دنیا کے مقاصد پورا کرے گا اور تیرے گناہ دور کئے جائیں گے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنا گناہوں کے ہونے اور اس سے پاک کرنے میں آگ کو سرد پانی سے بجھانے سے زیادہ موثر اور کارآمد ہے اور حضور اقدس ﷺ پر سلام پیش کرنا غلاموں کو آزاد کرنے سے کہیں زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تک تم نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجو گے تب تک تمہاری دعا آسمان اور زمین کے درمیان لٹکی رہے گی ذرا بھی اوپر نہیں چڑھے گی۔ (ترمذی شریف)

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر دعا بارگاہ الٰہی تک پہنچنے سے رکی رہتی ہے یہاں تک کہ (دعا کرنے والا) رسول اللہ ﷺ پر آپ ﷺ کی آل) پر درود بھیجتا ہے۔

دعا کا طریقہ

اسی لئے تو بزرگوں نے دعا کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ شروع اور آخر میں درود شریف پڑھ کر دعا مانگنی چاہئے۔ شیخ ابو سلمان دارانی (عبد الرحمٰن شامی متوفی ۲۱۵ھ) نے فرمایا جب تم اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کی دعا مانگو تو اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجو پھر جو چاہتے ہو دعا مانگو اور آخر میں پھر درود وسلام بھیجو۔ اسلئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ حسب وعدہ اپنے کرم سے ان دونوں درودوں کو تو قبول فرمائیں گے ہی اور یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ ان کے درمیان کی دعا چھوڑ دیں اور قبول نہ فرمائیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ سبحانہ اور ملائکہ اس پر ستر مرتبہ درود بھیجتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو شخص مجھ پر ہزار بار درود بھیجے، نہ مرے گا جب تک اپنی جگہ جنت میں نہ دیکھ لے۔ (زاد السعید)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں سرکار دوعالم ﷺ کے حضور میں تھا پس ایک آدمی آیا اور سلام کیا حضور ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور خندہ پیشانی کا اظہار فرمایا، پس جس وقت اس نے اپنی ضرورت پوری کر لی اٹھ کھڑا ہوا بس سرور کائنات حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے (صدیق اکبر سے) فرمایا کہ یہ وہ آدمی ہے۔ جس کو روزانہ ساری زمین والوں کے برابر بلندی دی جاتی ہے۔ میں نے عرض کی یہ کیسے؟ فرمایا آپ ﷺ نے کہ جب بھی یہ شخص صبح کرتا ہے تو مجھ پر ایسا درود پڑھتا ہے جو ساری مخلوق کے درجہ کے برابر ہے۔

رحمت وکرم کی دعا

فضائل درود کے متعلق یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ درود شریف رحمت وکرم کی دعا ہے جو اگرچہ حضور سرور کائنات ﷺ کے لئے کی جاتی ہے لیکن اس کے صدقے میں خود اس کے پڑھنے والے کو رحمتوں سے نوازا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے اور اس محبت پر شاہد جو اسے اپنے حبیب ﷺ سے ہے۔

ظاہر ہے کہ درود شریف کے ہر پڑھنے والے کی دعاء، تمنا اپنے لئے الگ الگ ہوتی ہے جو بسا اوقات درود شریف کے ورد سے پوری ہوتی ہے۔ اس لئے درود شریف کے جس قدر فضائل بھی لکھے جائیں وہ کم ہوں گے بایں ہمہ خود احادیث مبارکہ میں درود شریف کے بے شمار فضائل آئے ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ان فضائل کو جو احادیث مبارکہ یا روایات میں مذکور ہیں اختصار کیساتھ ایک جامع انداز سے مدارج نبوت میں بیان کئے ہیں۔ شائقین کیلئے ان کی یہ عبارت درج ذیل ہے۔

ہر مرض کی دوا ہے صل علیٰ محمد ﷺ

تکلیفوں کا دور ہونا بیماریوں سے شفا پانا، خوف وخطر کا جاتا رہنا، تہمتوں سے برات وپاک کرنا، دشمن پر فتح پانا، رضائے الٰہی اور عفت کا حاصل ہونا، مال میں زیادتی اور پاکیزگی پیدا ہونا، طہارت ذات، صفائے قلب اور فارغ البالی کا ہونا اور تمام امور میں برکتوں کا حاصل ہونا حتی کہ اموال واسباب اور اولاد در اولاد چار پشتوں تک میں برکتیں نازل ہوتی ہیں یہ سب درود کے فوائد ہیں۔

یہی نہیں بلکہ قیامت کی ہولناکیوں سے نجات پانا، دنیا کی ہلاکتوں سے چھٹکارا پانا، زمانے کی تنگیوں سے خلاصی پانا، بھولی ہوئی چیزوں کا یاد آنا، فقر واحتیاج کا جاتا رہنا، پل صراط سے گزرتے ہوئے ایک نور کا تاباں ہونا اور اس حال میں ثابت قدم رہنا پلک جھپکنے میں صراط سے گزر جانا مسلمانوں کی محبت دل میں جاگزیں ہونا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت دل میں مستحکم ہونا روز قیامت حضور ﷺ کا اس سے مصافحہ کرنا خواب میں حضور ﷺ کے جمال کا دیدار ملائکہ کی محبت اور ان کا مرحبا کہنا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جواب سلام کے حصول کا شرف حاصل ہونا یہ سب درود سلام ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ (مدارج نبوت)

دلائل الخیرات کے مؤلف

ایک شیدائی رسول کریم ﷺ جو دلائل الخیرات کے مولف ہیں کی ایک نصیحت بھی یاد رہے وہ ایک حدیث مبارکہ کا یوں ذکر کرتے ہیں: فرمایا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کہ نزدیک ترین لوگوں میں مجھ سے وہ ہوگا جو کثرت سے درود پڑھتا تھا مجھ پر پس جب محبت حضرت محمد ﷺ کی متمکن ہو جاتی ہے نفس کے اندر تو صورت

پاکر آپ ﷺ کی عین بصیرت سے دم بھر بھی غائب نہیں ہوتی اور کچھ شک نہیں کہ درود بھیجنا حضرت محمد ﷺ وآلہ واصحابہ وسلم پر جب خلوص دل سے ہوتو بلند ہوتی ہیں اور چمکتی ہیں روشنیاں اس کے باطن میں، پس درودخوان کانفس ایک آئینہ ہوجاتا ہے ۔ واسطے رسول پاک ﷺ حضرت رسول اللہ ﷺ کے کہ وہ صورت اس آئینہ سے غائب نہیں ہوتی اور یہی علم حقیقی ہے جس میں کچھ شک نہیں ۔ (حاشیہ دلائل الخیرات فارسی)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے درود شریف کی اجازت حاصل کی

روایت ہے کہ جب آیت مبارکہ: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا. نازل ہوئی تو ایک صحابی حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اللہ جل شانہ نے ہمیں درود پڑھنے کا حکم دیا ہے پس ارشاد فرمایئے کہ ہم کس طرح آپ پر درود پڑھیں ۔ حضور اقدس ﷺ نے سکوت فرمایا اور یہاں تک کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ وہ شخص سوال ہی نہ کرتا پھر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

ترجمہ: ''اے اللہ درود بھیج (حضرت محمد ﷺ) پر اور حضرت محمد ﷺ کی آل پر جیسا کہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر بے شک تو ہی تعریف کا مستحق اور بڑی بزرگی والا ہے''۔ ''اے اللہ برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جیسا کہ برکت نازل فرمائی تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر بے شک تو ہی تعریف کا مستحق بڑی بزرگی والا ہے''۔

احادیث میں اور بھی درود آئے ہیں جو حضور ﷺ نے ذرا توقف کے بعد فرمایا۔ اس قدرے خاموشی سے متعلق ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ حضور اقدس ﷺ پر وحی نازل ہوئی اسی اہمیت کے باعث نماز میں یہی درود پڑھا جاتا ہے۔

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ زاد السعید میں تحریر فرماتے ہیں کہ سب سے لذیذ تر اور شریں تر خاصیت درود شریف کی یہ ہیکہ اس کی بدولت عشاق کو خواب میں حضور پرنور ﷺ کی دولت زیارت میسر ہوتی ہے بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شب جمعہ میں دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیۃ الکرسی اور گیارہ بار قل ہواللہ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے انشاءاللہ تعالیٰ تین جمعہ نہ گزرنے پائیں کہ زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے: ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ'' (زادالسعید، ص:۱۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور درود شریف بھی منقول ہے موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں بعد الحمد کے ۲۵ بار قل ہواللہ اور بعد سلام یہ درود شریف ہزار مرتبہ پڑھے، دولت زیارت نصیب ہو وہ یہ ہے: ''صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ''.

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات کو دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد آیۃ الکرسی اور پندرہ بار سورہ اخلاص

(قل ہواللہ) پڑھے اور نماز ختم کرنے کے بعد ایک ہزار بار درود شریف پڑھے تو انشاءاللہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک وہ شخص حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھے گا، درود شریف یہ ہے: ''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّی''.

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنج مرادآبادی کا ایک درود مجھے ان کے بزرگ مرید نے عطا فرمایا جو زیارت کے لئے خاص ہے۔

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعِزَّتِہٖ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَکَ''.

''اے اللہ! درود بھیج ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ اور ان کی اولاد پر اپنے تمام معلومات کی گنتی کے برابر''۔

حضرت شاہ صاحب نے انہیں بعد نماز عشاء گیارہ سو بار یہ درود شریف پڑھنے کی تاکید فرمائی تھی۔

میرے ایک اور محترم دوست وکرم فرما نے حضرت مولانا عین القضاہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ درود شریف عطا فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الْاَمِیْنِ الْکَرِیْمِ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَحِیْمٌ.

''اے اللہ! برکتیں نازل فرما ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ پر جو نبی امی لقب امانت والے کرم فرمانے والے اور مومنوں کے ساتھ بالخصوص بڑی شفقت ورحمت فرمانے والے ہیں''۔

ایک بزرگ جو درود تاج بڑے خلوص اور ذوق وشوق سے پڑھنے کے عادی تھے ان کو مدینۃ النبی ﷺ میں خصوصی انداز سے طلب فرمایا گیا جب وہ حاضر ہوئے اور اسی ذوق وشوق سے گنبد خضرا کے سایہ میں درود تاج پیش کیا تو عالم بیدار میں ان کو عالم انوار میں لایا گیا پھر لطف دیدار اور ہم کلامی سے نوازا گیا اور حکم ہوا کہ اس درود کے ساتھ (شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ) کی یہ رباعی:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ، کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ، صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

بھی پڑھا کرو اس روز سے ان کا یہی ورد تھا درود تاج عام ہے البتہ احقر ان واجب الادب، واجب التعظیم بزرگ کا شکر گزار ہے کہ اس کو انہوں نے اس کے پڑھنے کی اجازت عطا فرمائی۔

مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کوئی بھی درود شریف پڑھیں ہر درود موجب زیارت ہوسکتا ہے شرط صرف اخلاص ومحبت ہے یوں حضور ﷺ ہیں کبھی کسی پر اس طرح بھی لطف وکرم فرماتے ہیں کہ اس کا اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا۔

ایک مختصر درود: '' وَصَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّی''. (زاد السعید)

باطن منور ہوجاتا ہے

حضرت قبلہ استاد محترم احمد عبدالصمد فاروقی چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس درود پاک کا ورد باطن کو منور کرتا ہے۔ اب ایک مختصر ترین درود پاک 'صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ' یہ درود شریف درود خضری کے نام سے مشہور ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہی درود شریف تھا اور یہی درود شریف نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ ہمیشہ لکھا جاتا ہے۔

بچوں کو تعلیم دی جائے کہ ایک بار بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر کلمہ طیبہ '' لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' پڑھیں اور پھر یہ درود شریف پڑھیں تاکہ تمام رحمتیں ان کا نصیبہ ہوں۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ اس درود شریف میں کوئی نقطہ نہیں ہے اور اس کے الفاظ کی تعداد کلمہ طیبہ کے الفاظ کی تعداد کے برابر ہے۔

یہاں ایک اور گراں قدر ہدیہ جو مکہ معظّمہ میں مجھے وہاں ایک بزرگ حافظ قبلہ محمد صدیق الیمنی رحمۃ اللہ علیہ نے عطا فرمایا تھا نذر احباب ہے یہ ایک مختصر ترین سلام ہے۔لیکن بڑے فضائل وکرم کا موجب ہے:

صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلَیْکَ یَا نَبِیَ اللّٰہُ جب بھی روضہ مبارکہ پر حاضری نصیب ہوتو کھڑے ہوکر یہ سلام ستر بار پڑھیں اور آخر میں ایک بار کہیں قَدْ ضَاقَتْ حِیْلَتِیْ فَادْرِکْنِیْ (اے آقا ﷺ میری سب تدبیریں بیکار گئیں اب آپ ہی توجہ فرمائیے) انشاءاللہ تعالیٰ یہ سلام آپ کی تقدیر بنانے کیلئے کافی ہے۔

میرے (محمد ادریس حبان رحیمی) استاد محترم حضرت مولانا رفیق احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مہتمم مدرسہ کاشف العلوم چرتھاول نے مجھے اور میرے ہم جماعت طلباء کو ایک درود شریف تلقین فرمایا تھا بحمداللہ تعالیٰ پچاس سال سے میں اس کا ورد رکھتا ہوں۔

درود پاک یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَّا ھُوَ اَھْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ . اس درود شریف کو ایک بار پڑھنے والے کے لئے ستر فرشتے ایک ہزار دن تک نیکیاں لکھتے ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۵۴، حدیث ۱۷۳۰۵)

نیز ایک روایت ہے کہ ایک بار پڑھنے کا ثواب فرشتہ ستر ہزار سال تک اس کا ثواب لکھتا رہتا ہے اور کبھی نہیں تھکتا۔

سلام اس ماہِ کامل ﷺ پر کہ پرتو چار ہیں جس کے
ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ وحیدر رضی اللہ عنہ یار جس کے
(خوشی محمد ناظر)

مل کے جب اہل زمین صلی علی پڑھتے ہیں
عرش سے ان کو ملائک کا سلام آتا ہے
(کرم حیدر)

حُبِّ رسول اللہ ﷺ

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو دنیا میں تمام جہانوں اور زمانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ارشاد خداوندی ہے: ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ''. آپ ﷺ ساری دنیا کے لئے رحمت تھے آج کے دور کے لئے بھی رحمت ہیں اور ابدالآباد تک رحمت رہیں گے اور زمانہ آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر فلاح و بہبود حاصل کرتا رہے گا۔

وہ ﷺ ماضی کے لئے رحمت وہ ﷺ حال کی رحمت وہ ﷺ نہی وامر کی رحمت وہ ﷺ استقبال کی رحمت حضور ﷺ نے زمانہ کی تاریک راہوں میں شستگی اور امن وآشتی کے ایسے چراغ روشن کئے جو انسانی اذہان کو علم وایقان کی روشنی بخشتے رہیں گے آپ ﷺ نے دنیا سے کفر، ظلم، جبر، جور نا انصافی اور ہر قسم کی بدی کا قلع قمع کر کے انسان کو سیدھا اور حق کا راستہ دکھایا اور ظلمت شب میں ایسی شمعیں فروزاں کیں جو آخرت تک دنیا کو سیدھی راہ دکھاتی رہیں گی۔ اسی لئے آپ ﷺ کو نہ صرف امت مسلمہ بلکہ تمام امن پسند اقوام عزت واحترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا: ''وَرَفَعْنَا لَکَ

ذِکْرَک "۔ ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کر دیا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ آج تک جتنا کچھ آپ ﷺ کے بارے میں لکھا گیا ہے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کے لئے اس کا عشر عشیر بھی نہیں لکھا گیا۔ یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

آداب و اکرام

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جس کا جتنا بڑا رتبہ ہوتا ہے اور جس کی ذات سے ہمیں انس اور لگاؤ ہوتا ہے، اس کا نام نہیں لیتے بلکہ دوسرے بڑے بڑے القاب سے مخاطب کرتے ہیں مثلاً ظل سبحانی، شہنشاہ معظم، عالی جاہ، عالی قدر وغیرہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو کلام مجید میں نام لے کر مخاطب نہیں کیا بلکہ جہاں دوسرے انبیاء کو آدم، موسیٰ اور عیسیٰ کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ مگر جب حضور کو پکارا ہے تو یا ایہا النبی، یا ایہا المزمل، یٰسین، اور طٰہٰ کہہ کر احترام سے پکارا ہے تو پھر آپ ﷺ کے غلاموں کے لئے لازمی ہے کہ آپ ﷺ کا نام لیتے وقت انتہائی ادب واحترام کو ملحوظ رکھیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی بے احتیاطی سے محبوب ﷺ کا محبّ ناراض ہو جائے۔ ہمارے نعت گو شعراء کو خاص طور پر احتیاط برتنی چاہیئے کہ وہ نعت لکھتے ہوئے تیرا تجھے، تم اور تمہارا جیسے الفاظ کی بجائے آپ ﷺ کا لفظ استعمال کریں۔

یہ بڑا نازک مقام ہے عزت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں یوں کہا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات وصفات کتنی عظیم ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کا ادب واحترام کتنا ملحوظ رکھتے تھے اس کا اظہار ان شواہد سے ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے مال و دولت باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں"۔

آپ ﷺ کی محبت ہر صاحب ایمان کے لئے باعث نجات اور وجہ فخر ومباہات اور جزو ایمان ہے۔ آپ ﷺ کی محبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اس قدر اتری ہوئی تھی جس کی مثال ملنا محال ہے۔ آپ ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "ہم حضور ﷺ کی مجلس میں ایسے بیٹھے ہوتے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ سر ہلانے سے اڑ جانے کا احتمال ہو۔ (بخاری شریف)

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسی سلسلہ میں قرآن کریم میں نازل فرمایا گیا، "حضور ﷺ کی تعظیم اور توقیر کرو"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ (بخاری شریف)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے کون واقف نہیں وہ ہر وقت حضور ﷺ کی محبت اپنے دل وجان میں بسائے رکھتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ میدان جنگ میں کفار سے لڑتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ یہ خبر جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے فرط عقیدت سے اپنا ایک دانت توڑ دیا۔ پھر دل میں خیال آیا کہ شاید حضور ﷺ کا یہ دانت شہید نہ ہوا ہو کوئی دوسرا ہوا ہو گا اور پھر دل میں خیال گزرا کہ شاید یہ بھی نہ ہو کوئی اور ہو۔

اسی طرح جوش محبت میں تمام دانت توڑ دیئے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے تمام عمر اس شبہ میں خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں حضور ﷺ نے خربوزہ کھایا تھا یا نہیں۔

حضور ﷺ کے بارے میں قریش کا اعتراف

تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ عروہ بن مسعود قریش کا ایلچی تھا۔ ایک مرتبہ وہ قریش کا کوئی پیغام لے کر آیا۔ اس نے حضور ﷺ کی مجلس میں صحابہ کے حسن عقیدت اور صدق واخلاص کا ایسا منظر دیکھا جو اس سے پیشتر کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ قریش کے پاس واپس گیا تو انہیں بتایا کہ ''میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں اور ان کے درباری آداب بھی دیکھے ہیں لیکن بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے اصحاب ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسی محمد ﷺ کے اصحاب کرتے ہیں۔ اگر ان کا تھوک ان کے ہاتھ پر پڑ جائے تو وہ اس کو تبرک جان کر اپنے چہرہ اور جسم پر ملتے ہیں کوئی بات محمد ﷺ کی زبان سے نکلتی ہے تو سب اس کو پورا کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ وضو کرتے ہیں تو غسالہ کا پانی لینے کے لئے اس طرح کوشش کرتے ہیں کہ گویا لڑ پڑیں گے۔ محمد ﷺ کے سامنے بولتے ہیں تو نیچی آواز سے۔ تعظیم اور جلالت شان کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ سے آنکھ نہیں ملاتے اور اے قریش محمد ﷺ نے کوئی بے جا بات نہیں کی جو کچھ وہ کہتے ہیں مناسب ہے مان لو۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ پھر زمانہ نے دیکھا کہ ایک دن تمام اہل عرب نے آپ ﷺ کے سامنے سر جھکا دیا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے انہی اوصاف کی بنا پر کہا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

حضور ﷺ کی تابعداری اور اطاعت

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں حضور ﷺ کی اطاعت اور تابعداری پر بڑا زور دیا ہے۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر پوری طرح کاربند نہیں ہوں گے اس وقت تک نہ ہمارا ایمان مکمل ہوگا اور نہ دین اور دنیا میں ہمیں کامیابی وکامرانی حاصل ہوگی۔ قرآن مجید کی سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو شخص بھی اللہ اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا وہ آخرت میں انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین کے ساتھ ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے نوازا ہے۔ اس باب میں مندرجہ ذیل آیات ہمارے لئے اطاعت رسول ﷺ کے بارے میں مشعل راہ ہیں۔

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی۔ اے پیغمبر ﷺ لوگوں سے کہہ دو اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (آل عمران)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ یا وہ میری اتباع سے روگردانی نہ کرتے۔

حب رسول ﷺ کا سب سے بڑا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت دل سے کی جائے اور اسی میں امت کی کامیابی وکامرانی کا راز مضمر ہے۔

اطاعت رسول ﷺ اور حب رسول اللہ ﷺ لازم وملزوم ہیں اور یہ باب اتنا طویل اور لذیذ اور ایمان افروز ہے کہ ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ اس مضمون کا اختتام ایک عظیم تاریخی واقعہ پر کیا جاتا ہے۔

تختۂ دار پر بھی حضور ﷺ سے عشق

۴ ہجری ماہ صفر میں کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے لہٰذا چند لوگ ہمارے ساتھ کردیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرماتے ہوئے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جن میں حضرت مرثدؓ، حضرت خالدؓ، حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت عاصمؓ، حضرت ثابتؓ حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم شامل تھے ان کے ہمراہ روانہ کردی۔

یہ ایک منافقین کا گروہ تھا جو اس بہانے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر قتل کردیتا تھا اور کچھ غلام بنا کر فروخت کردیتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حرم کے باہر مقام تنعیم میں اپنے غلام نسطاس کے ہاتھوں قتل کرایا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قتل کا تماشا دیکھنے کیلئے بہت سے لوگ جمع تھے جن میں ابوسفیان بھی شامل تھا۔ ابوسفیان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر پوچھا اے زید! کیا تم اس بات کو پسند کروگے کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے اور تمہاری جگہ محمد ﷺ کو قتل کردیا جائے۔ سچے عاشق رسول ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ واللہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم آزاد ہوں اور محمد ﷺ کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ اس جواب پر ابوسفیان اور اسکے ہمراہی بہت جھلائے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قتل کرڈالا اور انہوں نے بڑی پامردی سے جام شہادت نوش کرکے اپنے خون سے تاریخ کے صفحات کو رنگین کردیا اور ابدالآباد زندہ ہوگئے۔ قرآن مجید میں ایسی ہی جلیل القدر ہستیوں کیلئے کہا گیا ''جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں تم کو اس کا شعور نہیں''۔ سبحان اللہ کیا مقام ہے ہمارے آقا مدنی سرورکونین ﷺ کا۔ (محمد ادریس حبان رحیمی) ☆☆☆

حصولِ نسبت کے رہنما اصول

پہلے وقتوں میں مشائخ عظام اپنے تربیت یافتہ سالکین کو دعوت وارشاد کے منصب پر فائز کرتے تھے، تو ان کو کچھ وصیتیں کیا کرتے تھے اور ان پر ساری زندگی کاربند رہنے کا عہد لیا کرتے تھے تاکہ وہ اپنی باقی زندگی میں نسبت کے اس نور کی حفاظت کرسکیں۔ اہلِ ارشاد اور مقتدی حضرات کی رہنمائی کے لئے مولانا عبدالوہاب شعرانی کے وہ عہود جو انہوں نے اپنے مشائخ سے کئے اور اپنی کتاب ''کتاب البحر المورود فی المواثیق والعہود'' میں درج کئے ہیں، یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ یہاں کے فقراء کو چاہئے کہ ان عہدوں کو پڑھیں اور ان پر گامزن رہنے کا عہد کریں تاکہ اکابر سے ایک نسبت قائم ہوسکے۔ یہاں پر وہ عہد درج کئے جارہے ہیں جو ان حضرات کے مناسب حال ہیں۔

(۱) اپنے آپ کو ہر مسلمان سے کم سمجھیں:

اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان سے اپنے آپ کو کم سمجھیں اگرچہ کوئی مسلمان بدحالی میں کیسا ہی انتہا کو پہنچ گیا ہو مگر ہم اپنے نفس کو اس سے کم ہی سمجھیں، تمام سلف صالحین کا یہی مذاق تھا۔

(۲) اگر ہم کو اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش ہو تو اپنے نفس کو بلاؤں اور تکالیف کے لئے آمادہ کرلیں:

اگر ہمارا نفس اللہ والوں کے گروہ میں شامل ہونے کی خواہش کرے تو اس کو تکالیف اور بلاؤں کے برداشت کرنے کے لئے پختگی کے ساتھ آمادہ کرلیں۔ نیز اس بات کے لئے بھی کہ ہمارے اوپر آشنا و نا آشنا ہر ایک کی طرف سے مخالفت کثرت سے ہوگی۔ کیونکہ یہ باتیں ہر اس شخص کو پیش آتی ہیں جس کو اللہ تعالیٰ منتخب اور برگزیدہ فرمانا چاہتے ہیں۔

(۳) جب مقامات سلوک میں ترقی کرنے لگیں تو پہلے سے زیادہ شیطان سے ڈرتے رہیں اور بچتے رہیں۔ کیونکہ بندہ جب دربارِ خداوندی میں قرب حاصل کرلیتا ہے تو اس کی دشمنی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

(۴) کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے حق تعالیٰ کا کوئی حق ادا کردیا: پیدا اس نے کیا، ہوش وحواس، عقل وتمیز، بینائی شنوائی، ہاتھ پیر، غذا وغیرہ سب اسی کی دی ہوئی ہیں جن کے سہارے ہم کچھ ٹوٹے پھوٹے اعمال کرلیتے ہیں، پھر حق کس چیز سے ادا کیا:

جاں دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۵) جملہ افعال میں توحید خالص کا استحضار رہے: اپنے اقوال اور اعمال و افعال میں توحید خالص کا استحضار رہے۔ مثلاً کبھی یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز میری ہے یا جیسے ہماری مرضی، ہاں مجازاً یا بھولے سے ایسی بات ہوجائے تو مضائقہ نہیں۔ حق تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ: ''وَاعْبُدُو اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا'' خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، اس میں اللہ تعالیٰ نے شَيْئًا ارشاد فرمایا، کسی شے کو متعین نہیں فرمایا۔ حقیقتاً ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے انتظام کے

تحت لوگوں کو اس کا قبضہ دیا ہوا ہے۔ اگر کسی نے آپ کی ملک والی چیز بغیر اجازت کے لے لی یا چوری کرلی تو یہ نہ سوچیں کہ اس نے میری چیز لے لی، اب میں اس کا مواخذہ کرتا ہوں بلکہ یہ سوچیں کہ اس نے بادشاہ کے انتظام میں خلل ڈالا ہے، لہٰذا میں قانونِ شریعت کی وجہ سے اس کا مواخذہ کرتا ہوں۔

(۶) اپنے اعمال پر اس لحاظ سے ثواب طلب نہ کریں کہ یہ ہمارے کئے ہوئے کام ہیں۔ بلکہ صرف خدا کے فضل واحسان پر نظر کرکے ثواب طلب کیا کریں۔

(۷) اپنے آپ کو سرداری کیلئے آگے نہ بڑھائیں: کسی بھی امر میں اپنے آپ کو سردار اور ذمہ دار بنا کر آگے نہ بڑھائیں مثلاً امامت، امارت اور تدریس وغیرہ میں اپنے بھائیوں کے تابع بننے کی کوشش کریں، نہ کہ ان سے سبقت لے جانے کی، مگر اس صورت میں کہ وہ خود ہمیں آگے بڑھائیں یا ہماری پیش قدمی سے دوسروں سے بلا ومصیبت دور ہوتی ہو یا انہیں نیک کاموں کی رغبت ہوتی ہو تو پھر مضائقہ نہیں۔ کیونکہ نیک کاموں میں سبقت کرنے کا حکم دیا گیا۔ سید احمد رفاعی کا قول ہے کہ ہمیشہ دُم بن کر رہو، سر بن کر نہ رہو، کیونکہ سب سے پہلے مار ہمیشہ سر پر پڑا کرتی ہے۔

(۸) کسی منصب کی تمنا یا کوشش نہ کریں:

کسی منصب یا ذمہ داری کی تمنا نہ کریں اور نہ اپنی طرف سے اس کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر نظر رکھیں اور صبر کریں۔ یہاں تک کہ خود ان سے اسے قبول کرنے کی درخواست نہ کی جائے، کیونکہ اگر اپنی کوشش سے کوئی منصب حاصل کروگے تو تمہیں اس منصب کے حوالے کردیا جائے گا اور اگر بغیر کوشش کے کوئی ذمہ داری ملے گی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت کی جائے گی۔

(۹) ہمیشہ یہ اعتقاد رکھیں کہ حق تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔

(۱۰) تنگی کی صورت میں اللہ سے ایسے ہی راضی رہیں جیسے فراخی کی صورت میں۔

(۱۱) اپنے دل کو دنیا میں مشغول نہ کریں۔

(۱۲) دنیا اور اس کی لذت سے بے رغبتی اختیار کریں۔

(۱۳) دنیا کی چیز پر مزاحمت نہ کریں۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ کی محبت کو دنیا کی محبتوں پر غالب رکھیں۔

(۱۵) جس شخص کی عادت لڑائی، جھگڑے کی ہو، اس سے مناظرہ نہ کریں۔

(۱۶) اپنے نصیحت کرنیوالے دوستوں کو حکمت وتدبیر کے طریقے بتائیں۔

اپنے دوستوں کو جو وعظ ونصیحت پر مقرر ہیں۔ ان کو نصیحت میں سیاست اور تدبیر کے طریقے بتلاتے رہا کریں۔ کیونکہ بہت سے نصیحت کرنے والے بغیر سیاست اور تدبیر سے نصیحت کرتے ہیں تو اس سے بڑے فتنے پیدا ہوجاتے ہیں جو اس گناہ سے بھی زیادہ شدید ہوتے ہیں جس کیلئے انہوں نے نصیحت کی تھی۔ شیخ محی الدین عربی فرمایا کرتے تھے کہ نصیحت کرنے کی شرط یہ ہے کہ نصیحت سے پہلے ایسی تمہید اٹھائی جائے جس سے دوسرا شخص خود بخود اس کام کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجائے۔

(۱۷) خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کرکے قصہ ختم کردینا چاہئے۔

(۱۸) مخالفین سے حسنِ سلوک کا مظاہرہ کریں۔

(۱۹) گنہگاروں سے نرمی کریں۔

(۲۰) گنہگاروں سے صرف اللہ کے واسطے نفرت وبغض کیا کریں۔

(۲۱) اپنے دوستوں کو مقاماتِ عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں:

اپنے متعلق اور مریدین کو مقاماتِ عالیہ حاصل کرنے کی ہدایت کرتے رہیں اور ان کو نقصان وپستی کی حالت میں تباہ وبرباد ہوتا نہ چھوڑیں کیونکہ ان کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا اور آج کل اس بات پر بہت کم عمل کیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ یا تو ناواقفیت ہے یا یہ کہ مریدین کو مہمل خیال کیا جاتا ہے اور یہ دوسری صورت

پہلی سے بھی زیادہ قابل مواخذہ ہے کہ اگر یہ مہمل ہیں تو پھر پیری مریدی کا بازار گرم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

آج کے دور میں اگر کوئی ایسا شیخ مل جائے جو روک ٹوک اور نصیحت کرنے والا ہو تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ اس کا حلقہ مضبوطی سے تھام لینا چاہئے۔ یاد رکھیں سر پر ہاتھ پھیرنے والے ہزاروں ملتے ہیں مگر کہنے سننے والے بہت کم ملتے ہیں۔

(۲۲) اپنے متعلقین کو اولیاء اللہ کے آداب بتاتے رہیں۔

(۲۳) سلف صالحین سے جو آداب منقول ہیں ان پر عمل کریں۔

(۲۴) اپنے فیض اور توجہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں اور جائز گفتگو میں شامل کردیں۔

(۲۵) جس شخص کی حالت بدل جائے اس پر ہنسیں نہیں۔

ہر ذاکر، شاغل، عابد، زاہد اور متقی کو اس بات پر ہمیشہ ڈرنا چاہئے کہ مبادا دین کی جو دولت اسکے پاس ہے وہ زائل نہ ہوجائے، ذکر اللہ کرنے والا خدا کا جلیس اور اس کا ہم نشیں ہوتا ہے اور ہر شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی کے لائق نہیں ہوا کرتا۔

(۲۶) عبادات شرعیہ پر اجرت نہ لیں۔

فقراء کو چاہئے کہ جو کوئی دینی امور سرانجام دیتے ہیں جیسے مسجد کی خدمت، درس وتدریس، امامت، خطابت، اذان اور قرآن پاک کا پڑھانا اور جو عبادات شرعیہ ہیں ان کی تنخواہ نہ لیا کریں۔ ہاں اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو تو وظیفہ لے لیا کریں، لیکن نیت درست رکھیں کہ جو کچھ خدمت کررہے ہیں اس کو محض اللہ کی رضا کیلئے سرانجام دیں اور جو وظیفہ ملے اس کو عطیہ خداوندی سمجھیں۔ اپنی اس نیت میں سچے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر کسی وقت وظیفہ نہ ملے تو کام کو ٹھپ کرکے نہ بیٹھ

جائیں یا وظیفہ کی کمی کی شکایت طلباء وعوام میں نہ کرتے رہیں۔ اگر کسی سے یہ بات سرزد ہوتی ہے تو وہ جان لے کہ وہ اس مقام کے لوگوں میں سے نہیں ہے۔

(۲۷) کفار ظالموں اور فاسقوں کے ہدیا قبول نہ کریں۔

(۲۸) جو شخص اپنے ہدیہ کو بہت قیمتی سمجھتا ہے اس کا ہدایہ قبول نہ کریں۔

(۲۹) شادی بیاہ اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات میں شرکت نہ کریں۔

(۳۰) گھوم پھر کر بیچنے والے اور راستوں کی دکانوں کا کھانا نہ کھائیں۔

(۳۱) اپنے نفس اور اہل وعیال پر زیادہ توسع نہ کریں:

اپنے نفس پر اور اہل وعیال اور خدام و متعلقین پر کھلانے پلانے میں زیادہ توسع نہ کیا کریں بلکہ میانہ روی اختیار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اس ارشاد پر عمل ہو: ''وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا'' (الفرقان:٦٧) (اور وہ نیک بندے ایسے ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ حد سے تجاوز کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان ٹھیک اندازہ پر ہوتا ہے)۔

(۳۲) کھانے پینے کی ہر چیز کے استعمال کے وقت اپنے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھیں۔

(۳۳) سنن شرعیہ کو سستی اور کاہلی سے کبھی ترک نہ کریں۔

(۳۴) اپنے دوستوں کو ضرورت سے زیادہ نہ سونے دیا کریں۔

(۳۵) بے وضو نہ سوئیں۔

(۳۶) بغیر باطنی طہارت کے نہ سوئیں۔

(۳۷) رات کے آخری پہر نہ سویا کریں۔

(۳۸) جس شخص کا علم نفس ہی میں رکھا ہو اس سے تہذیب اخلاق کی امید نہ رکھیں۔

(۳۹) خدام مسجد اور موذن وغیرہ سے دشمنی نہ کریں۔

(۴۰) مسلمانوں سے قطع تعلق میں جلدی نہ کریں۔

(۴۱) مخالفین سے بھلائی کرتے رہیں۔

(۴۲) جب کوئی ظالم ہم پر ظلم کرے تو اپنے آپ کو اس سے زیادہ کا مستحق جانیں۔

(۴۳) اللہ تبارک وتعالیٰ مخلوق کے سامنے ہمارے عیوب ظاہر کردیں تو ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر بجالائیں۔

(۴۴) اپنے آپ کو ان لوگوں کی باتوں کا جواب دینے میں مشغول نہ کریں، جو ہماری آبروزیری اور تنقیص کرتے ہیں۔

(۴۵) امت محمدیہ کے تمام آدمیوں کی خطاء کو اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی خاطر معاف کردیا کریں۔

(۴۶) جو ہم پر ظلم کرے اس کے لئے بددعا کبھی نہ کریں۔

(۴۷) کچھ لوگوں میں عداوت ہو تو ہر دو کے ساتھ خیر خواہی کریں۔

(۴۸) اپنے دوستوں کو قیل وقال کی مجلسوں میں نہ بیٹھنے دیں۔

(۴۹) اپنے دوستوں کو ایسے شخص کی غیبت بھی نہ کرنے دیں جس نے ان کے حق میں ظلم کیا ہے۔

(۵۰) کسی کا راز ظاہر نہ کریں۔

(۵۱) دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کریں۔

(۵۲) کسی کی پوشیدہ حالت کا تجسس نہ کریں۔

(۵۳) اگر کوئی ہم سے کسی کے بارے میں رائے لے تو بس اتنا ہی کہیں کہ ہم سے اچھا ہے، پوری حالت کسی اور سے دریافت کرو۔

(۵۴) جب کسی مسلمان پر کوئی طعن کیا جائے تو اسکی طرف سے جواب دیں۔

(۵۵) جو باتیں ہم نے کسی عالم سے سیکھی ہیں ان پر خود عمل کریں اگرچہ وہ عمل نہ کرتا ہو۔

(۵۶) علماء کا دفاع کریں:

علمائے حق اور صوفیائے عظام پر اگر کوئی طعن واعتراض کرے تو اپنی ہمت اور کوشش کے مطابق ان کا دفاع کریں اور جو لوگ ان کی تنقید وتنقیص کریں ان کی بات پر ہرگز کان نہ دھریں۔ ان پر وہی اعتراض کرتا ہے جو ان کے مراتب کو سمجھنے سے قاصر ہے اور ان کو مطعون کرنے والے کا نور قلب بجھ جاتا ہے۔

(۵۷) اپنے دوستوں میں علماء ظاہر کو ذاکرین کی تعظیم کا امر کریں۔

(۵۸) اہلِ فضل واہل علم کو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں اگرچہ ان کو ہمارا کھڑا ہونا ناگوار ہو، کیونکہ ہمارے ذمہ ان کی تعظیم ضروری ہے اور ان کو اپنی تعظیم سے نفرت لازم ہے اور یہ کھڑا ہونا ہر حال میں مستحب ہے، خواہ وہ عالم اپنے علم پر عمل کرنیوالا ہو یا نہ ہو۔

(۵۹) حرفت کرنے والوں میں سے جو کوئی ہم سے مرید ہو تو ہم اس کو اسی پیشے پر قائم رہنے کا حکم دیں۔

(۶۰) اپنے دوستوں کو دھوکا دہی سے بچنے کی نصیحت کریں۔

(۶۱) حق دار کے مطالبہ سے پہلے اس کا حق ادا کر دیا کریں۔

(۶۲) اگر نیک لوگ ہمارے سامنے کوئی ایسا واقعہ بیان کریں جو عقلاً ناممکن ہو تو اگر خلافِ شریعت نہ ہو تو انکار نہ کریں۔

(۶۳) ہم کسی دینی کام میں مشغول ہوں پھر کوئی اور شخص اس کام کو انجام دینا چاہئے اور وہ اس کا اہل بھی ہو تو ہم خوشی سے وہ کام چھوڑ دیں۔

(۶۴) کسی شخص کے سامنے اپنی تعریف کبھی نہ کریں مگر یہ کہ شرعی ضرورت ہو۔

(۶۵) اعمالِ مستحبہ کو ایسے موقع پر اعلانیہ کیا کریں جہاں امید ہو کہ لوگ ہماری اتباع کریں گے۔

(۶۶) بڑے درجے کے لوگوں کے پاس نشست وبرخاست زیادہ نہ کریں۔

(۶۷) علماء وصالحین کو عمدہ کپڑے پہنتے اور لذیذ غذائیں کھاتے دیکھ کر جلدی سے ان پر اعتراض نہ کیا کریں۔

(۶۸) جب اپنے شیخ کو اس کے درجہ سے گرا ہوا دیکھیں تو شیخ سے اپنی عقیدت کو نہ بدلیں۔

(۶۹) ہر نعمت اور مصیبت کو دونوں رخ سے دیکھا کریں۔

(۷۰) دنیا سے تصرف وکرامت کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے طالب ہرگز نہ ہوں۔

(۷۱) شریعت کی آسانیوں پر بھی بعض اوقات شوق سے عمل کیا کریں۔

(۷۲) جو کوئی ہم سے آشنائی پیدا کرے اس کو طریق فقراء کا شوق اور ذکر اللہ کی ترغیب دیں۔

(۷۳) اللہ کے بندوں کو باہم ایک دوسرے کا محبوب بنا دیں، لہٰذا ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ دو شخصوں کے درمیان بھی دشمنی اور کینہ ہرگز باقی نہ رہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک کے سامنے دوسرے کی خوبیاں بیان کیا کریں اور ایک دوسرے کے متعلق یہ خبر دیا کریں کہ وہ تو مجلسوں میں تمہاری خوبیاں ظاہر کرتا ہے۔ نیز لوگوں کو اس کی تاکید کریں کہ باہم ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کریں۔

☆☆☆

عیسیٰ علیہ السلام پیٹ میں تسبیح پڑھتے تھے

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تنہا ہوتی تو ہم دونوں باتیں کرتے ،اور جب کوئی آدمی آ کر مجھ سے بات کرنے لگتا تو عیسیٰ علیہ السلام میرے پیٹ میں تسبیح پڑھتے تھے جسے میں سنتی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

اللہ اکبر! یہ کیفیت مخصوصہ ہے جو حضرت مریم علیہا السلام اور سیدنا حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو عطا فرمائی گئی تھی صالحین کے اور بھی ایسے واقعات ہیں جو عام حاملہ عورتوں اور بچوں سے بالکل ممتاز ہیں۔ بہر حال یہ کیفیت ہر آدمی کی نہیں ہوسکتی۔ البتہ جس پر اللہ رب العزت کا خاص فضل و کرم ہو اسی کو اس قسم کی نعمتیں میسر آتی ہیں۔ پیٹ میں تسبیح پڑھنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بھی ہوسکتا ہے۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

اذکار میں صوفیائے کرام کا طریقہ

تقریباً ہزار سال سے زیادہ مدت سے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صالح ترین طبقہ نے جن کا کسی غلط یا غیر واقعی بات پر اتفاق کر لینا عقلاً و نقلاً محال ہے اس پر اتفاق کیا ہے کہ نور یقین و نسبت احسانی حاصل کرنے کے لئے صوفیاء کرام کا یہ طریقہ یعنی اذکار میں کچھ قیود و شرائط بڑھا کر ان کی تاثیر کو بڑھانے کا طریقہ اصولاً صحیح اور نتیجۃً کامیاب ہے۔ کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ مشاہیر اولیائے امت مثلاً خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ، شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوالحسن شاذنی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، اور پھر ہمارے اس دوسرے ہزارے کی گذشتہ تین صدیوں میں خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، اور ان کے خلفاء اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، پھر تیرہویں چودھویں صدی کے اکابر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ،

حضرت محدث جلیل خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اور ان سب حضرات کے خلفاء جن میں حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت اقدس رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور پیر طریقت حضرت مولانا اسرار الحق صاحب اعظم گڑھی حضرت مولانا حافظ عبد الستار نانکوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حافظ جمیل احمد نانکوی رحمۃ اللہ علیہ اور موجودہ وقت کے قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ، قلندر زماں حضرت الحاج محمد مصطفیٰ کامل صاحب رشیدی اعرابی، حاذق الامت حضرت مولانا حکیم زکی الدین احمد صاحب پرنامبٹ تمل ناڈو رحمۃ اللہ علیہ گذشتہ ہزار سال کی مدت میں ان حضرات جیسے سینکڑوں افراد ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اس نسبت کے حامل بلکہ اس راہ کے امام اور داعی ہوئے ہیں ان میں سے ایک ایک کی صحبت تربیت سے اللہ تعالیٰ کے ہزاروں لاکھوں بندوں کو یہ دولت حاصل ہوئی ہے، جو شخص ان سلسلوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان بزرگوں کو جو کچھ حاصل ہوا اسی راہ سے حاصل ہوا تھا اور انہوں نے اسی طریقہ پر دعوت وتبلیغ کا کام بھی کیا انہیں کی کوششوں سے ہم تک دین پہنچا اور ہدایت ملی، پس جس طریقہ نے امت محمدیہ میں اتنے کاملین اور اس قدر اصحاب احسان ویقین پیدا کئے ہوں اس کے صحیح اور کامیاب اور مقبول ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور امت کے خواص کی اتنی بڑی جماعت کا کسی خلاف شرع امر پر اجماع کر لینا عقلاً محال ہے، اس بات کی تائید حدیث پاک: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَةِ سے بھی ہوتی ہے، کہ میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہیں ہوگی، اور اس جماعت کے کسی فرد کی نیت پر بھی حملہ نہیں کر سکتے، قلم زبان کی اور زبان قلم کی شاہد ہیں کہ ہم کو ان مشائخ کی صحبت سے کہ جن کا سلسلۂ صحبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے باطن میں فقہ اور عقائد کے علاوہ ایک خاص حالت

پیدا ہوئی اور یہ فقہ اور عقائد تو ان کی صحبت سے پہلے بھی دل میں جلوہ گر تھے اور اس خاص حالت سے (یعنی حصول نسبت سے) خدا اور اس کے دوستوں سے موانست، اعمال صالحہ اور توفیق حسنات اور اعتقادات حقہ میں اور مضبوطی پیدا ہوگی اور یہ حالت ایک کمال ہے جو دیگر تمام کمالات کا سبب ہے۔

سینکڑوں مشائخ ایسے گذرے ہیں جو بیک وقت ائمہ تصوف وسلوک بھی تھے اور ائمہ حدیث وفقہ وتفسیر بھی تھے اور ان میں سے بعض مجدد بھی تھے، مصلحین بھی تھے اور مجاہد بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ مشائخ تصوف بھی تھے، محدثین میں حضرت حسن بصری، فضیل بن عیاض، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک وغیرہ، مفسرین میں امام المفسرین ابن جریر طبری، ابن کثیر، صاحب روح المعانی آلوسی، اور جلالین وغیرہ۔ اور آج تک ساری امت ان کی علو مرتبت، زہد وتقویٰ، اور ان کے علمی واصلاحی، کارناموں کی معترف چلی آرہی ہے، نیز انہی حضرات کے ذریعہ ہم تک دین کے اکثر علوم پہنچے ہیں۔

دیکھئے صحیح بخاری ومسلم ودیگر کتب صحاح وحدیث میں کتنے ایسے روایت ہیں جو ائمہ تصوف وسلوک بھی تھے، اسی طرح ائمہ تفسیر جن کی کتب تفسیر سے آج تک اکابر علماء مستفید ہوتے چلے آرہے ہیں، ان میں اکثر ائمہ تصوف وسلوک بھی تھے اور اسی طرح بقیہ علوم کا بھی یہی حال ہے ان سب اکابر کا اس امر پر مجتمع ہوجانا دلیل ہے تصوف وسلوک کی عدم بدعیت کی، اور یہ سوچنا کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ سارے اکابر نعوذ باللہ ایک باطل امر پر متفق ہوگئے ہوں خود قول بدیع ہے اور اس سوچ کا باطل ہونا بدیہی اور اس کا فساد ظاہر وبین ہے۔

اور اگر (خدانخواستہ) فرض بھی کر لیا جائے تو پھر ان احادیث کا کیا حکم ہوگا جن کے ایسے حضرات راوی ہیں اور شاید ہی کوئی سند ان حضرات سے خالی ہو اور اسی

طرح بقیہ علوم کا کیا حکم ہوگا؟ یا اللہ ہمیں حق کو سمجھ کر اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل سمجھ کر ٹھکرانے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں سیدھے راستہ پر چلا ان لوگوں کا راستہ جن پر تیری نعمتیں اتریں.....(الخ)

اولیاء کی صحبت کا حکم

اولیاء کی صحبت اختیار کرنے کا حکم خود حق تعالیٰ نے دیا ہے ارشاد ہے کہ:

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ، حتیٰ کہ اپنے حبیب ﷺ کو اپنے مخلصین اور یاد کرنے والوں کے ساتھ جم کر بیٹھنے کا حکم فرمایا: (تاکہ حضور پرنور ﷺ کی صحبت سے ان کو کمالات وترقیات نصیب ہوں)

صحبت کے موثر ہونے کی دوسری دلیل

صحبت کے اثر کو حضور اقدس ؐ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ: **اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَعَ مَنْ یخال.** یعنی آدمی وہ دین اور راستہ اختیار کرتا ہے جو اسکے دوست کا ہوتا ہے پس دیکھو کہ کس کے ساتھ دوستی اور صحبت رکھتا ہے۔ (مشکوٰۃ از ترمذی)

صحبت کے موثر ہونے کی تیسری دلیل

اور بخاری شریف کی ایک حدیث کا اس طرح مضمون ہے کہ صالح ہم نشین کی مثال عطر فروش کی سی ہے کہ عطر نہ بھی دے گا تب بھی اس کو خوشبو سے بہرہ یابی ضرور ہوگی، اور بدہم نشین ایسا ہے جیسے لوہار کہ اگر بدن اور کپڑے کو آگ نہ جلائے گی، تب بھی دھوئیں کی بدبو دماغ کو ضرور پریشان کردے گی۔

صحبت کے موثر ہونے کی چوتھی دلیل

بخاری ومسلم کی دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ: "**کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ**".

یعنی ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے ماں باپ اس کو یہودی کر لیتے ہیں یا عیسائی کر لیتے ہیں یا مجوسی کر لیتے ہیں۔

دیکھیں اس میں صحبت کی کتنی زبردست تاثیر بیان فرمائی گئی کہ وہ انسان کی فطری استعداد تک کو بدل کر رکھ دیتی ہے، یہ تو عام صحبت کا حال ہے، پھر مشائخ کی صحبتوں کا کیا پوچھنا جب کہ وہ اثر لینے اور اثر دینے یعنی توجہ اور ہمت والی شرائط اور آداب کے ساتھ ہوں۔

جن اعلیٰ درجہ کی ایمانی واحسانی اور حُبی کیفیات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری امت پر فضیلت ہے وہ صحبت نبویؐ ہی کی تو تاثیر تھی، صحابی کے معنی ہی صحبت یافتہ حبیب خدا ﷺ کے ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کی صحبت سے انوار نبوت کو اپنے سینوں میں حاصل کیا، کیوں کہ علم نبوت کے نقوش تو اب بھی کتابوں میں سے لیے جاسکتے ہیں لیکن انوار نبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا، نور کا محل تو مؤمن کا قلب ہی ہوسکتا ہے اللہ پاک کے ارشاد:

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ (الایۃ)(النور: ۳۵)

میں اسی کی طرف اشارہ ہے شوق ہو تو اس کی تفسیر دیکھ لو۔

☆☆☆

معیارالسلوک

(۱) جس وقت سردی میں سرد پانی جسم پر بوقت غسل پڑے یا حاکم کے سامنے پیشی مقدمہ کی ہوتی ہو یا مجمع عام میں گفتگو کرتا ہو، بیماری سے تکلیف شدید ہو یا بہت خوشی کا موقع ہو یا جس وقت طبیعت میں غصہ زیادہ ہو یا اپنی اہلیہ کے ساتھ وقت خاص ہو یا بھوک کی تکلیف زیادہ ہو، ان سب حالتوں میں ذکر قلبی کو دیکھے، اگر ذاکر پائے تو شکر کرے، اگر غافل پائے تو ندامت افسوس کرے۔

وقت تکلیف وخوشی دل کا خیال
ہے کدھر تو دیکھ مردِ خوش خصال
نفس وشیطان قال کو کہتے ہیں حال
تو کسوٹی پر لگایہ حال وقال

(۲) نہ گفتگو اتنی زیادہ کرے کہ سامعین پریشان اور دل تیرا حیران ہو، نہ ایسی خاموشی اختیار کرے کہ آنے والے تجھ سے بیزار ہوں ۔ نہ مالداروں اور دنیاداروں کے پاس اتنا بیٹھ کہ دل تیرا مردار ہو۔ نہ اتنا دور بھاگ کہ دروازۂ ہدایت بند ہو کر وہ تجھ سے فرار ہو۔ خیر اوسط میں ہے۔

خیر کے اندر کرے جو کوئی کام
خیر اس میں ہو ضروری لا کلام
خیر ہے اوسط میں اسے مردِ خدا
ہے یہ فرمودہ محمد مصطفیٰ

(۳) شب کو نہ اس قدر جاگ کہ دماغ اور اعضاء تیرے بیکار ہوں اور نہ اس قدر سو کہ دنیا وعقبیٰ تیرے برباد ہوں۔

سو تو اول شب میں جگ آخر میں تو
حکم ہے رب کا قلیلاً نصفہ

(۴) نہ کسی پر طعن کر، نہ کسی کی غیبت کر، نہ کسی کو اپنے سے برا سمجھ، نہ اپنے کو کسی کے مقابلے میں اچھا جان، نہ کسی کا دل دکھا، یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اور ارشاد وطلبِ خدا کے خلاف ہیں۔ نیز دنیاداروں کے نزدیک بھی مذموم ہیں۔

(۵) مزار متبرکہ اولیاء اللہ پر باادب اور باوضو حاضر ہو اور ان کی روح مبارک سے فیض حاصل کر اور ان کی ذات بابرکات کے توسل سے خدا تعالیٰ کی جناب میں فتوحاتِ دارین کی دعا کر۔

طواف اور سجدہ زندہ اولیاء کرام یا ان کی قبروں پر کرنا حرام ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جو پیر طریقت ہیں، فرماتے ہیں کہ جب کسی قبر کی زیارت کرو، تو نہ اس پر ہاتھ رکھو اور نہ اس کو بوسہ دو، یہ یہودیوں کی خصلت ہے۔

(۶) شریعت نسخہ ہے، طریقت دوا ہے، حقیقت پرہیز ہے، معرفت شفا ہے۔

(۷) شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے، حقیقت خلوص ہے، معرفت دیدار ہے۔

(۸) شریعت مشعل رہنما ہے، طریقت راستہ چلنا ہے، حقیقت مقام مقصود تک پہنچنا ہے اور معرفت صاحب مکان سے ملنا ہے۔

(۹) شریعت مثل جسم کے ہے، طریقت مثل جان کے ہے، شریعت عمل ہے اور طریقت اس میں خلوص ہے۔

(۱۰) ہر شخص اپنا کف نگل جانے اور اپنے فضلہ کو دیکھ کر اتنا متنفر نہیں ہوتا جتنا کہ دوسرے کے تھوکنے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے اعمال خراب سے اتنی بیزاری نہیں ہوتی جس قدر دوسروں کے برے اعمال سے ہوتی ہے۔ یہی بے انصافی اور نفس کا دھوکہ ہے اس سے بچو۔

(۱۱) جب تک صوفی اپنے کو کافر فرنگ اور کتے خسیس سے بدتر نہ جانے گا، معرفت حق اس پر حرام ہے اور کیا حال ہو اس شخص کا جو اپنے کو بزرگان دین کے برابر جانے۔

(۱۲) سلوک صوفیا سے یہ مقصود نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ کریں اور الوان وانوار کا معائنہ کریں۔ یہ باتیں خود لہو ولعب میں داخل ہیں۔

(۱۳) جس دل میں محبت مال وجاہ ہے، وہ دل لائق نزول رحمت نہیں۔

(۱۴) جس نے خدا کو پہچانا اس نے اولیاء کو جانا اور جس نے اولیاء کو پہچانا اس نے خدا کو جانا۔

(۱۵) جس نے پہنچنے کا خیال کرلیا وہ نہ پہنچا اور جس نے اپنے کو دور جانا وہ قریب ہوا۔

(۱۶) ادراک سے عاجز ہونا ادراک ہے اور جہالت کا اقرار کرنا معرفت ہے۔

(۱۷) شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی۔

(۱۸) کام کا دارومدار دل پر ہے، اگر دل غیر سے گرفتار ہے تو خراب ابتر ہے۔ صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کچھ نہیں ہوتا اور بلا اعمال صالح بدنی جن کا شریعت نے حکم دیا ہے، دعویٰ سلامتی دل کرنا باطل ہے۔

(۱۹) علم وعمل شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص کا حاصل ہونا صوفیاء پر منحصر ہے کہ جو علم وعمل کی روح ہے۔

(۲۰) ''یاد کرو'' طریقت میں ہے۔ ''یادداشت'' حقیقت میں ہے۔

(۲۱) تواضع دولت مندوں کے لئے اچھی ہے اور استغنائی فقراء کو زیبا ہے۔

(۲۲) دل کی سلامتی نسیاں ماسویٰ اللہ بغیر نہیں ہوسکتی۔

ہوتا ہے قلب سلیم بعد فنا
متفق ہیں اس میں جملہ اولیاء

(۲۳) تمام سعادتوں کا سرمایہ سنت کی تابعداری ہے اور تمام فسادوں کی جڑ شریعت کی مخالفت ہے۔

(۲۴) فقراء کی خاکروبی دولت مندوں کی صدرنشینی سے بہتر ہے۔

(۲۵) جو مرنے سے پہلے نہ مرا، اسی پر ماتم پرسی ہے اور جو مرنے سے پہلے مرگیا اس کا مرنا اس کیلئے باعث خوشی اور دوسروں کیلئے غم ہے، کیونکہ خیر کا ذریعہ چلا گیا۔

(۲۶) منازل سلوک صرف اس لئے ہیں کہ ایمان حقیقی نصیب ہوجائے۔

(۲۷) طریقہ نقشبندیہ سہروردیہ قادریہ چشتیہ کا مدار دو اصول پر ہے، ایک شریعت کی پیروی استقامت کیساتھ، دوسرے شیخ طریقت کی محبت اور اخلاص میں استقامت۔

(۲۸) اللہ تعالیٰ وراء الوراء ہے اور جو کچھ دید ودانش اور شہود ومکاشفہ میں آئے اس کا غیر ہے، اس راہ کے جوز وموز پر بچوں کی طرح فریفتہ نہ ہونا چاہئے۔

(۲۹) جب تک خاتمہ خیر نہ ہو کسی مبشر والہام یا کشف وکرامت یا حال پر مطمئن نہ ہو اور ہمیشہ گریہ وزاری اور بے قراری رہے۔

(۳۰) جب تک حیرت اور جہالت میں نہ پہنچے فنا نصیب نہیں ہوتی، جس فنا کو فنا جانا جاتا ہے یہ خود فنا ہے۔

(۳۱) فقراء کی محبت دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے۔

(۳۲) انسان جامع جمیع موجودات ہے، اس لئے جمیع موجودات سے اس کا تعلق ہے۔ اگر یہ تعلقات اشیاء میں پھنس گیا تو یقیناً وہ راہ حق بھول کر بہت دور گمراہی میں جا پڑا اور اگر عالم ارواح اور سماء وصفات کی طرف مخاطب ہو گیا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔

(۳۳) انسان آئینہ کامل ہے، اگر یہ اپنے آئینہ کا رخ جہان کی طرف رکھے تو اس میں عکس خراب پڑ کر نہایت مکدر و بدنما ہو جائے گا اور اگر آئینہ کا رخ حق کی طرف کر لے تو سب سے زیادہ مصفی اور خوشنما ہو جائے گا۔

☆☆☆

صاحب تصنیف صوفیاء کرام کا مختصر ذکر خیر

حضرت خواجہ ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ ابوسعید خراز (متوفی ۲۸۷ھ) کو مشائخ لسان تصوف (تصوف کی زبان) بھی کہتے ہیں۔ آپ نے علم تصوف میں چار سو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کتاب پر جس کا نام کتاب السر (راز کی کتاب) ہے بعض علماء نے اختلاف کیا اور کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ مجموعی طور پر اکثر مشائخ اور معاصرین نے آپ کی شخصیت اور علوم و معارف کی بڑی قدر کی ہے۔ آپ مقبول مشائخ اور یگانہ روزگار تھے۔ آپ خواجہ محمد بن منصور طوسی کے مرید تھے۔ آپ نے ذوالنون مصری ابوعبداللہ تستری، سری سقطی، بشر حافی، جنید بغدادی وغیرہ کی صحبت پائی ہے۔

حضرت خواجہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حسین بن منصور حلاج (شیخ فرید الدین عطار کے مطابق شہادت ۲۸۹ھ) بہ عہد خلیفہ معتضد، انہی کے مطابق آپ ایک عجیب و غریب ہستی تھے۔ آپ بے حد سوز گداز، درد و اشتیاق میں مست، شوریدہ سر، عاشق صادق

پاکباز اور ہر وقت جدوجہد عظیم میں رہتے تھے۔آپ صاحب ریاضت وکرامت، بلند ہمت اور رفیع القدر تھے۔آپ کی کئی تصانیف ہیں جو مشکل مضامین سے بھری ہوئی ہیں۔حقائق ومعارف میں آپ کو جس قدر ذوق وشوق تھا اس زمانے میں ایک مثال ہے۔فرماتے ہیں کہ پچاس سال تک میں ہر نماز کے لئے غسل کرتا رہا۔اہل تصوف کے درمیان آپ کی شخصیت متنازع ہے۔کچھ لوگ مخالف اور معترض ہیں جب کہ کچھ لوگ قدرداں اور آپ کے کمال کے قابل ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ علی بن عثمان المعروف داتا گنج بخش لاہوری (متوفی ۴۶۵ھ) مشہور صاحب تصنیف صوفی ہیں۔آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔آپ کو پیر علی حصری بھی کہتے ہیں۔حصر غزنی کے قریب ایک قصبہ ہے جہاں آپ کے آباء واجداد سکونت پذیر تھے۔جب سلطان محمود غزنی نے ہندوستان فتح کیا لاہور میں آپ کی تشریف آوری ہوی اور آپ کے قدم کی برکت سے اس علاقے میں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔آپ شیخ ابوالفضل محمد بن حسین ختلی کے مرید تھے۔اور وہ ابوالحسن حصری کے، وہ خواجہ شبلی کے اور وہ خواجہ جنید بغدادی قدس سرہ کے مرید تھے۔صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ عالم بھی تھے اور عارف بھی اور بے شمار مشائخ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔کشف المحجوب آپ کی شاہکار تصنیف ہے۔اس کتاب میں آپ نے اس فن کی مشہور ومعروف کتابوں سے حقائق ومعارف جمع کئے ہیں۔

شیخ محی الدین ابن عربی ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبر: (متوفی ۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ بعمر ۷۸ برس، جائے ولادت قصبہ مرسیہ اندلس مدفن کوہ تاستون جو صالحہ کے نام سے

مشہور ہے دمشق سے باہر) مشہور ومعروف صوفی اور کثیر التصانیف صاحب قلم ہیں۔آپ نے جس قدر حقائق ومعارف ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحات مکیہ'' میں بیان کئے ہیں کسی اور بزرگ کی کتاب میں نہیں ملتے اور نہ کسی بزرگ نے اپنی زبان سے اس قسم کے معانی بیان کئے ہیں۔خواجہ پارسا قدس سرہ فرماتے ہیں: ''فصوص'' جان ہے اور ''فتوحات'' دل۔امام عبداللہ یافعی فرماتے ہیں کہ کہ شیخ اکبر کے اشعار بے حد ادق ولطیف ہیں اور کلمات نہایت نادر وعجیب ہیں۔آپ کی تصانیف ۵۰۰ سے زائد شمار کی جاتی ہیں۔جس میں ۲۵۰ کتابوں کے نام خود شیخ اکبر نے اپنے ایک رسالہ میں درج کئے ہیں۔یہ صرف تصوف کی کتابیں ہیں، باقی اس کے علاوہ ہیں۔اس رسالے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میرے ان کتابوں کے لکھنے کا سبب فقط تصنیف وتالیف نہ تھا بلکہ مجھے ان کے لکھنے کا، حق سبحانہ وتعالیٰ سے حکم ہوا ہے یہ درست ہے کہ چند کتابیں میں نے اپنے آپ کو مشغول رکھنے کے لئے لکھیں لیکن اکثر کتابوں کے لکھنے کے لئے میں مامور من اللہ تھا۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

شیخ فریدالدین عطارؒ (شہادت ۶۲۷ھ بعمر ۱۱۴ سال) ہر میدان میں آپ کے بڑھ چڑھ کر کمالات ہیں۔آپ کے کلام کو اہل سلوک کا تازیانہ کہا گیا ہے۔شریعت، طریقت اور حقیقت میں آپ یگانہ اور شوق ونیاز اور سوز وگداز میں آپ شمع زمانہ تھے۔شاعری آپ کا شیوہ نہیں ہے بلکہ آپ کے غیبی وارادت ہیں۔جس قدر اسرار توحید وحقائق اور ازداق ومواجید آپ کی تصانیف میں ہیں اس قسم کے طائفہ کسی شخص کی کتابوں میں نہیں ملتے چنانچہ تذکرہ دولت شاہی میں لکھا ہے کہ انہوں نے بے شمار اکابر ومشائخ کی صحبت پائی اور اہل طریقت کی چار سو کتابوں کا مطالعہ کیا

ہے۔آخر حال میں آپ مرتبہ فنا کو پہنچ کر معتکف ہوگئے۔بچپن میں آپ پر حضرت شیخ قطب الدین حیدر کی نظر قبولیت تھی۔آپ کے والد بھی ان کے مرید تھے چنانچہ آپ نے دوران جوانی میں ''حیدری نامہ'' نظم میں لکھا۔آپ کی توبہ کا واقعہ بہت مشہور ومعروف ہے۔اس واقعہ کے بعد ۱۷ سال تک آپ اہل اللہ کے حالات جمع کرتے رہے۔چنانچہ اہل طریقت میں سے کسی بزرگ نے یہ کام نہ کیا اور کسی نے اس قدر حقائق ومعارف بیان نہیں کئے۔آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔''مثنوی'' کے علاوہ آپ نے چالیس ہزار اشعار کہے ہیں۔ان میں بارہ ہزار رباعیات ہیں۔ طریقت کی کتابوں میں ''تذکرۃ الاولیاء'' اور ''اخوان الصفا'' مشہور ہیں۔نظم میں ''اسرار نامہ، مصیبت نامہ، اشتر نامہ، وصیت نامہ، مختار نامہ، بلبل نامہ، وصل نامہ پسر نامہ، بخل نامہ، حیدر نامہ، بند نامہ، جواہر لذات اور منطق الطیر'' کو شہرت حاصل ہوئی۔ان کے علاوہ چالیس اور رسالے آپ سے منسوب ہیں جن کے مجموعی اشعار ایک لاکھ ہوں گے۔صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ کے صرف ابیات بیس ہزار سے زائد ہیں۔بعض اہل اللہ نے ان کی بہت اچھی شرح لکھی ہے۔مثلاً:

اے روئے درکشیدہ بہ بازار آمدہ — اے محبوب تو منہ چھپا کر بازار میں آیا
خلقے بہ ایں طلسم گرفتار آمدہ — تو ساری خلقت تیرے اس جادو میں (پرکشش اثرات سے پر ماحول میں) گرفتار ہوگئی

تشریح: محبوب حقیقی اپنے چہرے کو یعنی نورِ ذات کو تعینات کے پردے میں چھپا کر بازار ظہور میں آیا اور خلقت کثرت تعینات مختلفہ اور آثار متبائنہ (مختلف صورتوں) کی وجہ سے محبوب حقیقی سے بُعد، ہجر اور غفلت میں گرفتار ہوگئی ہے اور چونکہ پرتو جمال حق صور (جمع صورت) مختلفہ میں سرایت کئے ہوئے ہے اس لئے خلق بلائے عشق میں گرفتار ہوگئی، بعض عشق مجازی میں بعض عشق حقیقی میں۔

تو معنی وبیرون تو اسم است — تو ہی معنی ہے اور تیرا خارج (بیرون) تیرا اسم ہے
توئی گنج وہمہ عالم طلسم است — تو خزانہ ہے اور سارا جہان طلسم ہے

تشریح: صورت کے عاشق یعنی عشاق مجازی حقیقی سے دور جا پڑے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ کس کے عاشق ہیں اور ان کا دل ربا (دل جوئی کرنے والا، دل کو موہنے اور متاثر کرنے والا) کون ہے۔

میل خلق جملہ عالم تا ابد — تمام خلقت کی محبت کا مرجع ابد تک تو ہی ہے
گر شناسندت وگر نہ سوئے تست — خواہ وہ تجھے پہچانیں یا نہ پہچانیں ان کی توجہ کا مرکز تو ہے۔

اسی طرح پورے قصیدے کی شرح کی گئی ہے لیکن اختصار کی غرض سے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شیخ فرید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

شیخ فرید بن عبدالعزیزؒ آپ اپنے دادا سلطان التارکین حضرت شیخ حمیدالدین سوالیؒ کے مرید اور سجادہ نشین تھے اور ان کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی تھی۔کتاب ''سرور الصدور'' جو حضرت شیخ حمیدالدین سوالی کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔آپ کی تالیف کردہ ہے۔سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں آپ نے ناگور سے دہلی جا کر سکونت اختیار کی۔آپ کا مزار قدیم دہلی میں حضرت خواجہ قطب الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلی کے مزار کے درمیان واقع ہے۔(یعنی مہرولی اور چراغ دہلی، دہلی کے ان دو قدیم محلوں کے درمیان واقع ہے۔آپ کا گھر بھی وہیں تھا۔آپ کے مریدوں میں ضیا بخشی کو شہرت حاصل ہے۔ صاحب مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔

☆☆☆ (مراۃ الاسرار، ص: ۸۰۷)

صوفیاء کرام کے ملفوظات

شیخ ابوسعید الخیرؒ (متوفی ۴۴۰ھ) کی مجلس میں کسی شخص نے تذکرہ کیا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے اور فلاں ہوا میں اڑتا ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ سب بے کار ہے۔ مرد وہ ہے جو خلق کے درمیان رہے، کام کاج کرے، شادی کرے، بچوں کی پرورش کرے۔ لیکن اس کے باوجود ایک لحظہ بھی یادِ حق سے غافل نہ رہے۔

صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گورگانی دونوں طوس میں ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور تمام درویش سامنے کھڑے تھے۔ ایک درویش کے دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کس کا درجہ زیادہ بلند ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اس درویش کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو شخص دو بادشاہوں کو بیک وقت ایک ہی تخت پر بیٹھا دیکھنا چاہتا ہے دیکھ لے۔ اس درویش نے یہ سن کر ان دونوں بزرگوں کو غور سے دیکھا۔ حق تعالیٰ نے اس کی آنکھوں سے حجاب اٹھالیا اور شیخ ابوسعید کی بات کی تصدیق ہوگئی۔ اس درویش کے دل میں دوبارہ خیال پیدا ہوا کہ آیا حق تعالیٰ کے ملک میں ان دو بزرگوں سے کوئی بڑا بزرگ بھی موجود ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اس

درویش کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اس مختصر دنیا میں ہر روز ابوسعید (ابوالخیر) اور ابوالقاسم (گورگانی) جیسے ستر ہزار لوگ موجود ہوتے ہیں۔

شیخ ابوالفضل محمد بن حسین ختلی فرماتے ہیں: ایک دفعہ کسی جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع تھا۔ میرے شیخ خواجہ ابوالحسن حصری مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ میں نے اولیاء کرام کا ایک گروہ دیکھا جن میں سے ہر ایک تخت پر بیٹھا ہوا نظر آتا تھا لیکن میرے شیخ عالی مرتبت نے کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ ایک نوجوان آتا نظر آیا۔ جس نے ٹوٹا پھوٹا جوتا پاؤں میں ڈال رکھا تھا، ہاتھ میں ٹوٹا ہوا عصا تھا، سر ننگا، جسم نحیف اور تن سوختہ حال تھا۔ میرے شیخ عالی مرتبت والہانہ انداز میں اٹھے، ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور بلند جگہ پر بٹھایا۔ یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ بعد میں میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ وہ کون تھا۔ فرمایا اولیائے حق میں سے ایک ولی ہے جو ولایت کا تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے اور کرامات کی پروا نہیں کرتا، سبحان اللہ افرادِ کامل کا مرتبہ ایسا ہوتا ہے اور ان کو صاحب کمال کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

''آپ ختلان کے رہنے والے تھے جس کی نسبت سے آپ کے نام نامی میں ختلی کا اضافہ ہے۔ ختلان شہر بلخ سے آگے ہے۔ بعض کے نزدیک ختلان خراسان میں دشت گرد کے قریب واقع ہے۔ آپ کا وصال بیت الجن میں ہوا جو عقبہ کے علاقے میں دمشق کے قریب ایک قصبہ ہے۔ صاحب کشف المحجوب (سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری) فرماتے ہیں کہ ''آپ میرے پیر طریقت ہیں۔ آپ علم تفسیر، روایات و آیات کے زبردست عالم تھے۔ آپ ۶۰ سال تک گوشہ نشین رہے اور خلقت سے بھاگتے رہے۔ آپ نے عمر دراز پائی۔ میں نے آپ سے زیادہ مہیب (بارعب وجلال) کوئی شخص نہیں دیکھا۔ آپ خواجہ ابوالحسن حصری کے مرید تھے جو طبقہ پنجم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اسم گرامی علی بن ابراہیم

البصری ہے۔آپ کا وطن بصرہ تھا اور بغداد میں آ کر خواجہ شبلی کے مرید ہوئے۔ان کو شیخ عراق کہتے ہیں۔آپ علم توحید میں مخصوص تھے۔اس زمانے میں آپ کے برابر توحید وتفرید میں کوئی کلام نہیں کرتا تھا۔خواجہ شبلی کے لئے بھی آپ جیسا کوئی شاگرد نہیں تھا۔اگر چہ کلام سننے والے بہت تھے لیکن خواجہ ابوالحسن حصری شیخ شبلی کا شیشہ تھے۔(یعنی ان کے اندر شبلی کا عکس نظر آتا تھا جیسے استاد تھے ویسے شاگرد ہو گئے تھے۔خواجہ شبلی ان سے کہتے تھے کہ تو بھی میری طرح دیوانہ ہے اور میرے اور تمہارے درمیان ازلی محبت اور ذاتی مناسبت ہے۔ایک دفعہ میں شیخ ابوالفضل محمد بن حسین ختلی کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔میرے دل میں خیال آیا کہ جب سب کام تقدیر اور قسمت کے مطابق ہوتے ہیں تو آزاد آدمی کس لئے پیروں کی غلامی کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا۔جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھے معلوم ہے۔ہر کام کے لئے سبب کا ہونا ضروری ہے۔جب حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو سلطنت عطا کرے پہلے اسے توبہ نصیب کرتا ہے اور کسی بزرگ کی خدمت میں بھیج دیتا ہے حتی کہ یہ صحبت اس کے لئے سبب بن جاتی ہے۔اہل بصیرت کے لئے شیخ ابوالفضل محمد بن حسین ختلی کے کمالات اور کرامات یہی کافی ہیں کہ آپ کے پیر علی حصری قدس سرہ کے صاحب کشف المحجوب جیسے مرید تھے۔(مراۃ الاسرار ص:۴۷۹ تا ۴۸۱)

☆☆☆

حلقۂ مریدین میں

''مرشد کامل کی محبت'' کے انداز

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر کے مشہور خلیفہ حضرت جمال الدین بانسوی کے منجھلے صاحبزادے اور جانشین شیخ برہان الدین کے نامور صاحبزادے شیخ قطب الدین منور نے ابتدائے حال سے انتہائے سلوک تک سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی نظر شفقت میں پرورش پائی۔آپ پر سلطان المشائخ کی خاص توجہ تھی اور اس لحاظ سے آپ تمام احباب میں ممتاز تھے۔آپ کو اور شیخ نصیرالدین محمود (چراغ دہلی) کو سلطان المشائخ نے ایک ہی دن خلافت عطا فرمائی اور فرمایا کہ تم دونوں بھائی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو مبارک باد دو۔چنانچہ صاحب سیر الاولیاء نے اس کا تفصیلی ذکر بیان کیا ہے۔کہتے ہیں کہ قصبہ بانس میں چار قطب آپ ہی کے مقبرہ میں آرام فرماتے ہیں۔اول شیخ جمال الدین بانسویؒ، دوم شیخ احمد، سوم شیخ برہان الدین بانسوی (شیخ جمال الدین بانسوی کے جانشین اور منجھلے صاحبزادے) چہارم شیخ قطب الدین منور (جن کا ذکر

مندرجہ بالا سطور میں کیا جارہا ہے یعنی شیخ برہان الدین بانسوی کے نامور صاحبزادے اور شیخ جمال الدین بانسوی کے پوتے) شیخ قطب الدین منور کو اپنے مرشد کامل سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء سے بے حد محبت تھی جب کبھی آپ سلطان المشائخ کا نام لیتے تھے یا سنتے تھے تو آپ پر بے اختیار گریہ طاری ہوجاتا تھا۔کسی نے خوب کہا ہے:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد ☆ بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ترجمہ:عشق صرف دیدار سے نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ کبھی کبھی محبوب کے ذکر مبارک سے بھی عشق پیدا ہوجاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب تک مرید کو پیر کے ساتھ اتنا عشق ومحبت نہ ہو فیض کیسے حاصل ہو۔

شیخ برہان الدین غریب سلطان المشائخ سے اس درجہ اعتقاد ومحبت رکھتے تھے کہ جب تک شیخ حیات رہے آپ نے کبھی غیاث پورہ کی طرف پیٹھ نہ کی۔ صاحب سیرالاولیاء لکھتے ہیں کہ یہ بات یاران اعلیٰ میں سے کسی کو حاصل نہ تھی۔آپ دل دادگان عشق ومحبت کے لئے مرہم اور درماندگان دردِ عشق کے لئے دوا تھے۔

سلطان المشائخ کے دس نامور خلفاء میں ایک مولانا وجیہ الدین یوسف ثانی تھے۔شیخ برہان الدین غریب آپ ہی کی بدولت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔آپ کو سلطان المشائخ سے عجیب عشق تھا۔ایک دن آپ سرائے دھاری سے جو دہلی سے چھ سات کوس دور ہے حضرت سلطان المشائخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ چند قدم چلنے کے بعد آپ کے دل میں خیال آیا کہ پیری خدمت میں سر کے بل جانا چاہئے۔بس آپ نے غیاث پورہ کی جانب سر کے بل چلنا شروع کیا۔ چنانچہ صدق اعتقاد کی وجہ سے تیسری قلابازی کے بعد آپ نے

اپنے آپ کو سلطان المشائخ کے دروازے پر پایا۔سلطان المشائخ نے آپ کو چندیری بھیج دیا جہاں آپ رشد وہدایت کے کام میں لگے رہے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔

شیخ برہان الدین غریب کا شمار سلطان المشائخ کے نامور خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ دولت آباد چلے گئے۔ وہیں ۱۲/صفر ۷۳۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔سلطان المشائخ کے وصال کے بعد آپ محض چند برس حیات رہے۔آپ کے نامور خلفاء میں سب سے مشہور شیخ زین الدین ہیں جن کا دولت آباد میں عظیم الشان مقبرہ ہے۔ جس کے ایک گوشہ میں اورنگ زیب عالمگیر مدفون ہیں۔شیخ زین الدین اپنے پیر کامل شیخ برہان الدین غریب کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے اور ان کی بدولت سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ دکن میں بہت پھیل گیا۔شیخ برہان الدین غریب کے ایک دوسرے نامور مرید شیخ رکن الدین حماد ہیں جو کتاب شمائل الاتقیاء کے مصنف ہیں۔ شیخ برہان الدین غریب کے بڑے بھائی قاضی مستجب حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے مرید تھے۔مقامی لوگ انہیں زریں زربخش کے نام سے یاد کرتے تھے ان کا مزار بھی دولت آباد میں ہے۔شہر برہان پور بھی شیخ برہان الدین غریب کے ہی نام نامی پر آباد ہوا تھا۔

☆☆☆

جاہ ومنصب کوٹھوکر مارنیوالا خوش نصیب

شیخ فخرالدین زرّ ادی کا شمار سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے دس نامور خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کے مرید ہونے کا واقعہ سیر الاولیاء میں مذکور ہے۔ شیخ نصیرالدین محمود اودھی (چراغ دہلی) فرماتے ہیں کہ جب میں دہلی میں مولانا فخرالدین بانسوی سے تعلیم حاصل کرتا تھا تو شیخ فخرالدین زرّ ادی بھی ان کی خدمت میں فقہ کی کتاب ہدایہ پڑھتے تھے، وہ طلبا میں سب سے ممتاز اور باصلاحیت تھے لیکن جب سلطان المشائخ کا ذکر آتا تھا تو اہل تعصب کا سا رویہ اختیار کرتے تھے۔ یہ بات مجھے سخت بری معلوم ہوتی تھی۔ میں ان سے کہتا تھا کہ آپ نے اس بادشاہ عرفان کو نہیں دیکھا، غرض کہ ایک دن میں ان کو سلطان المشائخ کی خدمت میں لے گیا، قدم بوسی کے بعد آپ نے شیخ فخرالدین کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہدایہ، آپ نے پوچھا کہاں تک پڑھ چکے ہو، انہوں نے سبق کا مقام بتایا اور جو شبہہ ان کے دل میں رہ چکا تھا حضرت شیخ سے اس کا انکشاف چاہا، شیخ نے کمال فراست سے انکا اشکال معلوم کر کے تقریر شروع کی، اس گنجینۂ علوم کی لطافت تقریر اور حسن ادا کو دیکھ کر مولانا فخرالدین دنگ رہ گئے، اس کے بعد

انہوں نے آگے بڑھ کر میرے کان میں کہا کہ میں ابھی مرید ہونا چاہتا ہوں۔ سلطان المشائخ نے دریافت فرمایا کہ کیا کہتا ہے میں نے کہا: مرید ہونا چاہتا ہے۔ آپ نے تبسم کر کے فرمایا دوسری مجلس میں کروں گا۔ شیخ فخرالدین نے عرض کیا کہ اگر اس مجلس میں مرید نہ ہوا تو زندہ نہ رہ سکوں گا۔ سلطان المشائخ نے کمال مہربانی سے بیعت فرمایا۔ اس کے بعد شیخ فخرالدین نے دانش مندوں کے زمرہ سے نکل کر قیل وقال ترک کر دیا اور کاغذ اور کتابیں دوسروں کے حوالے کر دیں۔ غرور، دانشمندی اور طلب جاہ ومنزلت سے نکل کر درویشوں کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔ اور تمام قیود سے آزاد ہو گئے اور غیاث پورہ میں سکونت پذیر ہو کر سلطان المشائخ کے در کے سامنے بیٹھ گئے اور پانچ وقت نماز آپ کے ساتھ ادا کرنے لگے اور خلوت کے وقت شیخ کی مجلس میں شامل ہو کر فیوض حاصل کرنے لگے، حتی کہ جب تک سلطان المشائخ قید حیات میں رہے انہوں نے آستانہ سے سر نہ اٹھایا۔

عشق آں را مسلم است اے جان
کو نہد سر بر آستانہ دوست
(عشق اسے راست آتا ہے جو دوست کے آستانہ پر سر رکھ دے)

☆☆☆

اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب عالیہ

خواجہ حاتم بن اصم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بلوغ کے بعد ایک لحظہ بھی آپ نے مرافقت (رفاقت الٰہی) اور محاسبت (محاسبۂ نفس یعنی نفس کے ساتھ نیکیوں اور برائیوں کا حساب) کے بغیر نہیں کیا۔ آپ ایک قدم بھی بغیر صدق واخلاق کے نہ چلے۔ (مراۃ الاسرار ص:۳۱۲)

خواہ سری سقطی (مرشد کامل کا نام خواجہ معروف کرخی، نامور بھانجے خلیفہ اور جانشین کا نام خواجہ جنید بغدادی) سے چالیس سال تک آپ کا نفس گیہوں کی روٹی اور شہد طلب کرتا رہا لیکن آپ نے نفس کی خواہش پوری نہ کی۔ ۹۸ سال تک ایک دفعہ بھی زمین سے پہلو نہیں لگایا سوائے مرض الموت کے۔ اس کے باوجود آپ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال عجز کی وجہ سے دن میں کئی بار شیشہ دیکھتے تھے کہ کثرت گناہ سے کہیں منہ تو سیاہ نہیں ہوگیا۔ فرماتے ہیں کہ عارف کا کھانا بیمار کا کھانا ہو (یعنی محتاط، مختصر اور پرہیزی) اور جس کا سونا مارگزیدہ (سانپ کے کاٹے ہوئے کا) سونا ہو (عام طور پر سانپ کے کاٹے ہوئے کو سونے نہیں دیتے ہیں، اس لئے کہ اگر وہ سوگیا تو پھر ہمیشہ کے لئے سوگیا) اور جس کی زندگی غرق شدہ کی زندگی ہو (یعنی

دریا کی تہہ سے ابھر کر دوبارہ سطح آب پر آنا جس کو نصیب نہ ہو یعنی مردہ کی زندگی ہو یا اس شخص کی زندگی ہو جس سے خود وہ اور اس کے متعلقین مایوس ہو چکے ہیں۔

(مراۃ الاسرار ص:۳۲۲)

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں خواجہ احمد حرب کی مجلس میں شامل ہوا، آپ کے ایک کلمہ سے میرا دل روشن ہوگیا۔ (مراۃ الاسرار ص:۳۴۲)

خواجہ سہیل بن عبداللہ تستری جس روز ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے روزہ دار تھے۔ اور جس روز اس دنیا سے کوچ کیا اس وقت بھی روزہ دار تھے۔ (مراۃ الاسرار ص:۳۳۲)

خواجہ ابوسعید خرّاز موزہ کی بنائی کا پیشہ کرتے تھے۔ نفحات الانس کے مطابق ایک دن آپ موزہ سی کر پھر ادھیڑ رہے تھے، کسی نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ فرمایا اسے نفس کو مشغول کر رہا ہوں قبل اس کے کہ وہ مجھے مشغول کرے۔ خواجہ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ آپ نے سالہا سال موزے سینے کا کام کیا لیکن ایک لمحہ کے لئے حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوئے۔ (مراۃ الاسرار ص:۳۵۱)

خواجہ ابوبکر کتانی متوفی ۳۲۲ھ کو چراغ حرم بھی کہتے ہیں کیونکہ آپ تادم حیات مکہ معظّمہ میں مجاور رہے آپ شروع رات سے آخر رات تک نماز پڑھتے تھے اور ایک ختم قرآن کرتے۔ شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں کہ آپ نے طواف کعبہ میں بارہ ہزار ختم قرآن کئے تھے۔ آپ تیس سال تک حرم مکہ میں میزاب رحمت کے نیچے بیٹھے رہے اور تیس سالوں میں رات دن میں صرف ایک دفعہ وضو کرتے تھے۔ اور اس عرصے میں نیند نہ کرتے تھے۔ (مراۃ الاسرار ص:۳۹۳)

☆☆☆

وہ صوفی کہلانے کا حقدار نہیں

تصوف ایک جامع ومانع لفظ ہے جو فقر اور زہد سب پر حاوی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ زہد اور فقر کے علاوہ کچھ اور بھی اوصاف ہیں جب تک وہ نہ پائے جائیں صوفی صحیح معنوں میں صوفی کہلانے کا حق دار نہیں ہوسکتا اگر چہ وہ زاہد اور فقیر کیوں نہ ہو۔ (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، ''عوارف المعارف'')

تصوف کے معنی ہیں حقائق کا علم حاصل کرنا، مخلوق کے ہاتھ میں از قبیل نعائم واقتدار جو کچھ ہے اس سے یکسر روگرداں ہوجانا۔ (یعنی مخلوق کے قبضہ واختیار میں جو کچھ ہے اس سے یکسر مایوس ہوجانا)۔ (حضرت معروف کرخیؒ)

تصوف کے معنی ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف طیبہ کے ایوانوں میں داخل ہوجانا اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک صاف ہوجانا۔ (ابومحمد حریریؒ)

تصوف یہ ہے کہ حق تجھے تیرے وجود سے الگ کر کے ہلاک کردے اور پھر جو زندگی وہ تجھے دے۔ وہ صرف اسی کے لئے ہو۔ (حضرت جنید بغدادیؒ)

تصوف نام ہے نفس کو خیر اللہ میں مشغول ہونے سے باز رکھنے کا۔ (شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ)

حضرت خواجہ عبداللہ بن محمد مرتعشؒ

آپ مشائخ کے چوتھے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی کنیت ابومحمد ہے۔ آپ کا اصلی وطن نیشاپور ہے۔ آپ یگانہ مشائخ عراق تھے اور تمام مشائخ کے نزدیک معتبر اور مقبول تھے۔ آپ خواجہ ابوحفص حدّاد کے اصحاب میں سے تھے۔ (جو ابوعثمان حیری کے مرید تھے اور جو خواجہ بایزید بسطامی اور خواجہ احمد خضرویہ کے رفیق تھے) خواجہ جنید، خواجہ ابوعثمان حیری اور خواجہ ابوبکر شبلی کی صحبت بھی آپ نے پائی ہے۔ آپ کافی عرصہ تک خواجہ ابوحفص حداد کے ساتھ ہم سفر رہے اور ہر سال ہزار کوس سفر کرتے تھے۔ آپ سر اور پاؤں سے ننگے رہتے تھے اور کسی شہر میں دس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے۔ کسی نے آپ سے فرمایا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے وہ اپنی خواہش نفسانی کے خلاف چلتا ہے اور ایسا شخص اس سے زیادہ افضل ہے جو ہوا میں اڑے یا پانی پر چلے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں: میں نے ہرگز اپنے باطن خاص کو نہ دیکھا تاوقتیکہ اپنے ظاہر عام کو نہ دیکھا (یعنی ظاہری آداب بجالانے کے بعد باطنی کمال حاصل ہوا) آپ یہ بھی فرماتے ہیں: معاملات کو درست کرنا دو چیزوں سے ہوتا ہے: صبر اور اخلاق (اصل الفاظ یہ ہیں: ''صبر دروی واخلاص بروی'' یعنی صبر اس پر اور اخلاق اس میں) آپ فرماتے ہیں: تصوف حسن خلق ہے، یہ بھی فرمایا: تصوف ایسا حال ہے جو صوفی کو غیر کی گفتگو سے غائب کرتا ہے۔ آخر وقت میں آپ کے اصحاب نے وصیت چاہی: آپ نے فرمایا: کسی ایسے شخص کے پاس جاؤ جو مجھ سے بہتر ہے اور مجھے کسی ایسے شخص کے پاس چھوڑ دو جو تم سے بہتر ہو۔

آپ کی وفات بغداد کی مسجد شونیزیہ میں ۳۲۸ھ میں ہوئی۔ ☆☆☆

اخلاص فی العمل

علامہ اقبال تصوف کو ''اخلاص فی العمل'' قرار دیتے تھے۔
ان کا کہنا تھا کہ قرون اولیٰ میں تصوف کے یہی معنی تھے۔ وہ شریعت اور طریقت کی دوئی کے قائل نہ تھے۔ اوران کے نزدیک شریعت کو دل کی گہرائیوں سے قبول کرنے کا نام طریقت تھا۔ اس خیال کا اظہار انہوں نے تواتر سے اپنی نثری اور شعری تحریروں میں کیا:

علم حق غیر از شریعت، ہیچ نیست
(علم حق کی حقیقت شریعت کی پاسداری کے بغیر کچھ بھی نہیں)

اصل سنت جز محبت، ہیچ نیست
(سنت رسول اللہ ﷺ کی بجا آوری کی سعادت بغیر محبت رسولؐ کے ممکن نہیں)

باتو گویم سرِ اسلام است شرع
(کیا تمہیں اس راز سے آگاہ کروں کہ مذہب اسلام کی روح رواں شریعت ہے)

شرع آغاز است وانجام است شرع
(شریعت مذہب اسلام کی ابتداء بھی ہے اورانجام بھی) (بال جبرئیل)

ایک کمزور دلیل پر ایک مستحکم دلیل

ایک دفعہ غزنی میں خشک سالی ہوئی۔ سب لوگ شیخ محمد اجل شیرازیؒ کے گھر پر باران رحمت کے لئے دعا کی خاطر جمع ہوئے۔ شیخ گھر سے باہر تشریف لائے اور لوگ ان کے پیچھے ہوئے۔ ایک باغ کے قریب پہنچے شیخ باغ کے اندر چلے گئے۔ باغبان درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ شیخ نے اسے بیدار کر کے فرمایا کہ درخت خشک ہورہے ہیں، اٹھو اور انہیں پانی دو۔ اس نے جواب دیا کہ جب میرے درختوں کو پانی کی ضرورت ہوگی تو میں خود بخود انہیں پانی دیدوں گا۔ (آپ کی سفارش، تاکید، اصرار یا مشورہ کی مجھے ضرورت وحاجت نہیں) شیخ نے فرمایا۔ ''تو پھر تم ان لوگوں کو کیوں نہیں کہتے کہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ آخر ہم سب اللہ کے بندے ہی تو ہیں اور یہ زمین اس کا باغ ہے۔ جس وقت وہ قادر مطلق چاہے گا پانی برسادے گا۔ (مخلوق کو اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، مخلوق کی ذمہ داری تو اپنے خالق کی خوشنودی اوراطاعت وفرماں برادری میں لگے رہنا ہے، مخلوق کو کس وقت کیا ضرورت ہے اور نہیں ہے اس بات کا تعلق خالق کے منصب سے ہے، نہ کہ مخلوق کی فکر وتفکر سے) یہ کہہ کر آپ باغ سے باہر چلے گئے۔ اچانک آسمان پر بادوباراں شروع ہوا اور اس قدر بارش ہوئی کہ جس کی حد نہ رہی۔ (مراۃ الاسرار ص:۶۷۸)

باغبان نے کیا خوبصورت جواب دیا کہ میں باغ کا رکھوالا ہوں، باغ میں اُگے ہوئے درختوں کی ضرورتوں پر نظر رکھنا میرا کام ہے۔ جس وقت انہیں پانی دینے کی ضرورت پیش آئیگی بغیر کسی کے مشورے یا دخل اندازی کے میں اس کام کو انجام دے لوں گا۔ آپ ہمیں بتائیں کہ ہمارے معاملات میں بے جا مداخلت کی آخر ایسی کون سی ضرورت پیش آگئی جو اس بھیڑ بھاڑ کو لے کر آپ ہمارے پاس نہ

صرف یہ کہ تشریف لے آئے ہیں بلکہ بے وقت ہمیں نیند سے اٹھا کر تنبیہ کر رہے ہیں۔ جایئے آپ اپنا کام کیجئے اور اپنی عائد کردہ ذمہ داریوں کو پورا کیجئے۔ دوسروں کے کاموں میں بلاوجہ کی اصلاح اور ہدایت میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔

دراصل شیخ اجل شیرازی کے موقف کی تائید کرنے والا یہ جواب تھا اور اس موقع پر انہوں نے بھی جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بھی نہایت سادے اور حقیقت پسندانہ انداز میں عبرت وموعظت کے ایک بحر بیکراں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے کہ ''اگر ایسی ہی بات ہے تو اس خلقت کو جو میرے پیچھے چلی آئی ہے اور مشیت الٰہی میں مداخلت کیلئے میری دعا ومناجات کی امیدوار ہے کیوں نہیں اس موقع پر تم اس کو سمجھا دیتے ہو کہ مجھ ناقص ونااہل کا پیچھا چھوڑ دے اور جو کچھ بھی پردہ غیب سے ان کے حق میں ظاہر ہو رہا ہے اس پر صبر وشکر اختیار کرے۔ اسلئے کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ یہ زمین جس مالک حقیقی کا باغ ہے اس کے پتے پتے اور تنکے تنکے کو وہ خوب پہچانتا ہے، اپنے فضل وکرم سے جب چاہتا ہے اپنی رحمت کی بارش برسا دیتا ہے اور جب چاہتا ہے روک بھی دیتا ہے۔ ہم سب تو محض اس کے عاجز وفرماں بردار بندے ہیں جن کے پاس اس کی مرضی ومشیت پر راضی رہنے کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں۔

مقربین ومقبولین بارگاہ کا یہی طبقہ ہے (اور یہی ان کی سوچ اور ان کا طریقہ کار ہے) جو ہر زمانہ میں رہا ہے اور رہے گا، راضی بہ رضائے الٰہی رہنا جس کی صفت ہے اور اس خود سپردگی کا صدقہ ہے کہ اسے وہ کچھ حاصل ہے جس کا عام کم فہم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی ساتھ کم سے کم لفظوں میں ایک بڑے مضمون کو سمیٹنے اور سمجھانے کے لئے ایک نہایت پر حکمت تمثیل، جس کے متعدد پر بصیرت زاویوں اور پر اثر پہلوؤں کی تشریح کے لئے متعدد صفحات بھی ناکافی ہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سبھوں کو قلب سلیم اور قلب منیب عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرات یوسفینؒ نے فوج کی ملازمت ترک کر کے نامپلی جہاں آپ کے مزارات ہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ معتقدین میں ہر مذہب وملت کے لوگ آپ کے پاس جوق در جوق آنے لگے۔ ہر طرح کے ہزار ہا حاجت مند آپ کے پاس آتے اور بامراد واپس ہوتے۔ خلق خدا کو دوا اور دعا سے فائدہ پہنچاتے رہے۔ ایک عرصہ دراز بعد حضرت سید شاہ یوسف الدینؒ عارضہ بخار میں مبتلا ہو گئے اور آٹھ دس یوم بیمار رہ کر واصل بحق ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) خادمین ومعتقدین میں ایک کہرام مچ گیا۔ ہر ایک آنکھ اشکبار تھی۔ حضرت سید شاہ شریف الدینؒ آپ کی رحلت کے وقت موجود تھے۔ کچھ دیر بعد تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؒ کا وصال ہو گیا ہے۔ یہ سنتے ہی دل سے ایک آہ نکلی اور نہایت غمگین انداز میں فرمایا کہ آپ اس جہاں میں نہ رہیں اور میں رہوں؟ ایک بھائی تو دنیا سے چلا جائے اور دوسرا اسی دنیا میں رہے؟ پھر وہ وضو فرما کر کمرہ میں داخل ہوئے اور سفید چادر چہرہ پر ڈال کر لیٹ گئے اور اسی وقت آپ کی روح قفس عنصری سے آزاد ہو گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) خادمین نے دونوں برادران وطن وبرادران طریقت کو غسل دیا اور نماز جنازہ کے بعد اسی جگہ جہاں آپ دونوں سکونت پذیر تھے پہلو بہ پہلو سپرد خاک کیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق وہدایت فرمائے۔

یاد رکھئے:

مذکورہ بالا بزرگوں کے نام	:	حضرات یوسفینؒ
شیخ عالی مرتبت کا نام	:	شیخ کلیم اللہ ولی جہان آبادی
سلسلہ طریقت	:	سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ
آبائی وطن	:	ارض شام
مدفن	:	نامپلی، حیدرآباد (اے پی)

شیخ عبدالرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی خوبیاں

آپ سلسلۂ عالیہ چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے تھے۔آپ مغلیہ خاندان کے بادشاہ جہانگیراور شاہ جہاں کے ہم عصر تھے۔شہنشاہ اورنگ زیب کے چندایام بھی آپ نے دیکھے ہیں۔نسباً آپ قریشی ہاشمی علوی تھے اور آپ کے آبا واجداد کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔آپ کی بیعت حضرت شیخ حمید سے تھی جو شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ کے خاندان میں مشہور بزرگ گزرے ہیں۔روحانی طور پر حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ کی چشم عنایت رہی ہے جس کی وجہ سے آپ نے بڑے روحانی مقامات طے کئے۔ساتھ ہی ساتھ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ کی روحانیت سے بھی آپ نے بہت فیضان حاصل کیا اور حضرت اقدس کے زیر تربیت رہ کر بلند روحانی منازل پر پہنچے۔نظام باطنی کے تحت آپ شاہانہ مغلیہ کے معاملات کی دیکھ بھال اور حفاظت سلطنت اسلامیہ پر بھی مامور تھے۔ظاہری طور پر بھی آپ کو جہانگیر اور شاہ جہاں کے دربار میں آنے جانے کے مواقع حاصل تھے اور اکثر مجالس میں آپ کی شرکت رہتی تھی۔آپ شاہ ابوسعید کے بڑے دوست تھے جو حضرت عبد القدوس گنگوہیؒ سے تیسری پشت پر تھے اور اکابر مشائخ میں سے تھے۔یادرہے حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے نامور مشائخ میں سے ہیں۔آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ آپ کو بہت سارے سلاسل سے روحانی فیضان حاصل تھا اور آپ کی بدولت یہ سلاسل آج تک جاری ہیں۔یہاں تک کہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد ہندی کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہ بھی حضرت عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے خلیفہ تھے اور حضرت مجدد الف ثانیؒ فخریہ کہا کرتے تھے کہ مجھے پہلی خلافت سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ہی ہے۔(لطائفِ قدوسی)

شیخ عبدالرحمٰن چشتیؒ کی مشہور تالیف مراۃ الاسرار کی خوبیاں درج ذیل ہیں:

(۱) یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ جس میں اسلام کی گیارہ طویل صدیوں کے اولیاء کرام کے حالات، نظریات، منازل ومقامات اور ملفوظات بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔رسالہ قشیریہ اسلامی تاریخ کی صرف تین صدیوں کے اولیاء کرام پر مشتمل ہے۔کشف المحجوب چار صدیوں پر، تذکرۃ الاولیاء پانچ صدیوں پر اور نفحات الانس تقریباً سات صدیوں کے اولیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے لیکن مراۃ الاسرار نہ صرف تاریخ اسلام کی گیارہ صدیوں کے اولیاء اللہ کے حالاتِ زندگی اور باطنی احوال پر مشتمل ہے بلکہ مختلف ممالک، مختلف ادوار، مختلف اقوام اور مختلف قسم کے تہذیب وتمدن، عادات وخصائل، حسب ونسب، رنگ ونسل کے اولیاء اور مشائخ کی تعلیمات میں جو یکسانیت وحدتِ فکر، وحدت مقصد اور وحدت عمل کا جذبہ کارفرما رہا ہے۔وہ فاضل مصنف نے پورے طور پر واضح کردیا ہے۔

(۲) اس کتاب کے مولف نے مسلک تصوف کا مطالعہ براہ راست سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی روشنی میں کیا ہے اور تصوف کی ہر چیز کو قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق پایا ہے۔یہاں تک کہ صحابہ کرام، ائمہ اہل بیت، تابعین اور تبع تابعین کی تعلیمات میں بھی زبردست روحانی تربیت اور سلسلہ ہائے بیعت، رشد وہدایت، اذکار ومشاغل، اخذ فیضان اور قرب ومعرفت حق کے مختلف طرائق وکوائف پر تحقیق کر کے ثابت کردیا اور اعتراضات کو قطعی طور پر ختم کردیا ہے۔ساتھ ہی ساتھ یورپ کے غیر مسلم معترضین جن کو اصطلاح عام میں مستشرقین (Orientalists) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ان پر ثابت کردیا ہے کہ اسلامی تصوف کی اصلیت کے متعلق جو اعتراضات ان کے آباء واجداد نے کئے تھے وہ سب غلط اور بے بنیاد تھے کیونکہ ان کے یہ تمام نظریات ایک دوسرے کی خود تردید

کرتے ہیں۔ مثلاً یورپین مصنفین ومفکرین کا ایک نظریہ یہ تھا کہ تصوف عیسائیت کا مرہون منت ہے۔ دوسرا نظریہ یہ تھا کہ صوفیا کرام نے فلسفہ یونان سے استفادہ کیا۔ تیسرا نظریہ یہ تھا کہ تصوف ہندو فلسفہ روحانیت سے متاثر ہوا ہے چوتھا نظریہ یہ تھا یہ بدھ مذہب سے متاثر ہوا ہے۔ لیکن اس کتاب میں دنیا کے مختلف ممالک مختلف اقوام کے اولیائے کرام کی زندگیوں کے حالات، ان کے باطنی احوال اور منازل ومقامات کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اولیائے کرام دیگر مذاہب سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے دوسرے مذاہب کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کو متاثر کیا اور اپنی روحانی قوت کے ذریعے ان کو مسلمان بنا کر قرب حق کے ایسے بلند مقامات پر لے گئے جن کی گرد تک بھی فلسفہ یونان، عیسائی روحانیت اور ہندو یا بدھ فلسفہ روحانیت تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب دیگر مذہب کے روحانی پیشوا گرجتے ہوئے دھاڑتے اور چنگھاڑتے ہوئے صوفیاء کرام کے مقابلہ کے لئے نکلے تو دیکھ دیکھائی کے تمام میلوں میں انہوں نے منہ کی کھائی، ذلیل وخوار ہوکر اولیاء کرام کے قدموں میں گر کر معافی کے خواستگار ہوئے اور اسلام قبول کر کے بڑے بڑے مراتب کو پہنچے اور پھر مشائخ عظام کی طرح تبلیغ اسلام میں کمر بستہ ہوکر اپنے سابقہ بھائی بندوں کو دولت اسلام سے مشرف کیا۔ چنانچہ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ اس نے بیک جا ساری دنیا کے مختلف ممالک اور مختلف اقوام کے اولیاء کرام کے حالات پیش کر کے صوفیائے اسلام کے خلاف اس سب سے بڑے الزام کو خاک میں ملا دیا۔

(۳) گیارہ صدیوں کی اسلامی روحانی کی تاریخ پیش کر کے فاضل مصنف نے علماء ظواہر کے ان غلط الزامات اور تمام توہمات وخدشات کو غلط ثابت کر دیا ہے

کہ صوفیاء کرام کے مجالس سماع، عرائس، قبروں پر اجتماعات، نذر ونیاز کی رسومات کو کھول کر بیان کیا ہے اور ان کی حقیقت کو صاف صاف انداز میں بیان کر دیا ہے کہ صوفیاء کرام نے ہر صدی میں اسلام کی جو صورت پیش کی ہے وہ بعینہ وہی صورت ہے جو جناب رسالت مآب ﷺ نے پیش کی تھی۔ ان حضرات نے تن من دھن کی بازی لگا کر جس جوش وخروش اور ذوق وشوق سے کفر وشرک کی خفیف سے خفیف اقسام کا کھوج لگایا اور سنت نبوی کے ظاہری اور باطنی پہلو پر جس شدومد سے عمل پیرا ہوئے اسے دیکھ کر مخالفین بھی عش عش کرتے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ساری عمر خربوزہ اس لئے نہیں کھایا کہ معلوم نہیں سرور کائنات ﷺ نے کس طرح سے کاٹ کر کھایا تھا اور ممکن ہے غلط عمل سے ترک سنت کے گناہ کے مرتکب ہوجائیں۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے جب بارہ گاہ ایزادی میں دعویٰ کیا کہ ساری عمر شرک نہیں کیا تو حق تعالیٰ نے شرک کی خفیف ترین قسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم شب شیر بھول گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت جنید بغدادی کے پیٹ میں درد پیدا ہوا جو گرم دودھ پینے سے رفع ہوگیا۔ جب کسی دوست کے سامنے بیان کیا کہ گرم دودھ سے شفا ہوگئی ہے تو حق تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمایا کہ گرم دودھ سے نہیں بلکہ رحمت حق سے شفا ہوئی تھی۔ سلطان علاؤالدین خلجی ساری عمر کوشش کرتا رہا کہ ایک بار سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کی زیارت نصیب ہوجائے لیکن آپ نے اجازت نہ دی۔ پھر تنگ آکر بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ اب میرا پیمانہ صبر لبریز ہوچکا ہے اب بغیر اجازت حاضر خدمت ہوں گا۔ اس پر حضرت شیخ نے کہلا بھیجا کہ بحمد اللہ میرے گھر کے کئی دروازے ہیں۔ اگر تم ایک دروازے سے داخل ہوئے تو میں دوسرے دروازے سے نکل کر باہر چلا جاؤں گا۔ سلطان محمود غزنوی نے جب شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کو اپنے

پاس آنے کی دعوت دی تو آپ نے کہلا بھیجا کہ پیاسا کنویں کے پاس چل کر آتا ہے نہ کہ کنواں پیاسے کے پاس۔اس کے بعد بادشاہ نے خود ان کے در دولت پر جا کر حاضری دی۔مولانا سید محمد ذوقی شاہؒ کو جب ریاست حیدرآباد دکن کے وزیر اعظم مہاراجہ سری کشن پرشاد نے اپنے گھر پر آنے کی دعوت دی تو آپ نے اس کے خط کے پشت پر لکھ دیا کہ ہمارے ملنے کا وقت دس سے بارہ بجے تک ہے اس کے بعد مہاراجہ بہ نفس نفیس خدمت عالی میں حاضر ہوا اور وظائف طلب کئے۔

یہ ہے کمال ترک وتوکل اور دنیاوی دولت اور جاہ جلال سے اجتناب۔غرض کہ ماسوائے اللہ سے اجتناب اور حق تعالیٰ کے کمال خلوص میں تمام اولیاء کرام آنحضرت ﷺ کی زندگی کا نمونہ اور جیتی جاگتی تصویر تھے اور یہی وہ بات ہے کہ جس کی وجہ سے اسلام تند وتیز آندھیوں اور طوفانوں کے باوجود آج تک زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ورنہ علمائے سوء نے تو اتباع نبوی کے باطنی پہلو کو زندگی سے خارج کر کے اسلام کو بالکل مسخ کر دیا تھا اور ساری دنیا میں خود بھی مضحکہ خیز بنے ہیں اور اپنے اسلام کو بھی مضحکہ خیز بنایا ہے۔

اس کے برعکس اولیائے کرام کی زندگیوں میں وہ مقناطیسی اثرات ہیں کہ لوگ دور دور سے کھنچ کر ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور تسکین قلب حاصل کرتے ہیں۔

(اقتباس از مقدمہ ''مراۃ الاسرار'' تحقیق وترجمہ ومقدمہ مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری، ناشر مکتبہ جام نور ۴۲۲، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی)

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے ارشادات

ایک دن آپ نے مریدین سے فرمایا کونسی چیز سب سے بہتر ہے، سب مریدوں نے کہا اے شیخ! آپ ہی فرمائیں، آپ نے فرمایا وہ دل جس میں صرف اسی کی یاد ہو، آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ صوفی کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

جبہ ودستار اور مصلی سے صوفی نہیں بنتا نہ رسم وعادات سے صوفی ہوتا ہے، صوفی وہ ہے جو خود کچھ نہ ہو (یعنی مقام فنا تک پہنچ چکا ہو)

آپ سے دریافت کیا گیا کہ سالک کو کس طرح معلوم ہو کہ وہ بیدار ہے؟ فرمایا اس طرح کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو از سر تا پا اللہ تعالیٰ کی یاد سے باخبر رہے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ صدق کیا ہے؟ فرمایا کہ صدق یہ ہے کہ دل بات کہے یعنی جو دل میں ہو وہی کہے۔

اخلاص کے بارے میں جب آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا جو کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے وہ اخلاص ہے اور جو کچھ لوگوں کے لئے کیا جائے وہ ریا ہے، آپ فرماتے تھے کہ دلوں میں سب سے زیادہ روشن وہ دل ہے جس میں مخلوق کا گزر نہ رہے اور سب سے بہتر کام وہ ہے کہ اس میں مخلوق کا ڈر نہ ہو اور تمام نعمتوں سے حلال تر نعمت وہ ہے جو تمہاری اپنی کوشش سے حاصل ہو اور سب سے بہتر ساتھی وہ ہے کہ اس کی زندگانی خداوند تعالیٰ کے ساتھ بسر ہوتی ہو۔

پیار بانٹتے رہئے، غم سمیٹتے رہئے
یہ سبق ہم نے زندگی سے سیکھا ہے

(۱۵ر رمضان المبارک ۴۲۵ھ کو خرقان (ایران) میں آپ کی وفات ہوئی)

☆☆☆

جہان فانی

مال ودولت، عیش وعشرت، حسن وصورت، اُنس وپیار
کیا خوشی کیا زندگی کیا دوسری کیا ہے بہار
کس پہ ہم تکیہ کریں احمد اٹھائیں کس سے فیض
اس جہان فانی کی ہر شے ہے جب ناپائیدار

دوراندیشی

سامنا سخت سے سخت مراحل کا تجھے آئندہ ہے
کام بھلے کچھ کرلے انسان جب تک تویاں زندہ ہے
وقت نہ لوٹ کے آئے گا پھر پچتانے سے کیا حاصل
پھُر سے اڑ جائے گی اک دن، روح تو مثل پرندہ ہے

درس فنا

زندگی اک حقیقت فانی
بلبلہ جیسے ہو پانی
ایک دستور آنی اور جانی
بس ملی فرصتِ مہربانی

عاقبت اندیشی

شان وشوکت، آن بان
بیوی بچے، گھر دکان
کام آنے کے نہیں
دے ذرا عقبیٰ پہ دھیان

دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے

یہ واقعہ بھی ان واقعات کی طرح ہے جو مشرقی زبانوں کے علم وادب اور فنون لطیفہ کا حصہ رہے ہیں اور اپنے قارئین اور مخاطبین کو متاثر کرنے اور درس موعظت دینے کے لئے کسی نہ کسی انداز سے بیان کئے جاتے ہیں۔ اس وقت میں بھی ان روایتی اور تصوراتی واقعہ میں سے ایک واقعہ کو اپنے مخصوص اسلوب میں بیان کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔

ایک بادشاہ تھا، نہایت دانا بینا اور جہاں دیدہ اور اس کی مملکت میں ایک بہروپیا بھی تھا، نہایت ہوشیار اور نفسیاتی باریکیوں کو سمجھنے والا۔ بہروپیا طرح طرح کے سوانگ بھر کر علاقائی طور پر عوام وخواص کا دل بہلاتا اور حسب ضرورت تحصیل وصول کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال لیتا تھا۔ ایک دن بہروپیے کے جی میں سمائی کہ بادشاہ سے مراسم پیدا کئے جائیں اور کوئی بڑا انعام حاصل کیا جائے تاکہ عسرت اور تنگ دستی کا دور ختم ہو اور بال بچوں کے حق میں کشائش کے دروازے کھل سکیں۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کو بھی جب تاجداری اور اقبال مندی حاصل ہوتی ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ عام طور پر انہیں فہم وتدبر اور عقل

مندی بھی ودیعت کردی جاتی ہے ورنہ حکمرانی کی نزاکتوں کو سمجھنا اور اپنے منصب کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ان کے لئے مشکل ہوجائے۔ بہرحال بہروپئے نے اپنے کمالِ فن سے اپنی رسائی اور آمدورفت شاہی محلات کے دروازوں اور درباروں تک قائم کی۔ جب رسم وراہ پیدا ہوئی تو دھیرے دھیرے فن کے مظاہرے بھی پیش ہونے شروع ہوگئے لیکن اپنے مراحم خسروانہ کے باوجود بادشاہ نے اسے شروع میں ہی آگاہ کردیا کہ جس دن تم مجھے اپنے فن سے حیرت زدہ کردو گے اور بیوقوف بنالوگے میں تمہیں منہ مانگا انعام دے دوں گا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ جب جب وہ سوانگ رچا کر بادشاہ کے روبرو حاضر ہوتا اس کی اندرونی حقیقت اس سے چھپی نہ رہتی اور اپنی عاقلانہ طبیعت سے اس کے مکروفریب کو تاڑ لیتا۔ وہ شروع میں ہی ہر بار پہچان لیا جاتا اور نتیجے کے طور پر خاطر خواہ انعامات کی حصولیابی سے محروم رہ جاتا۔ بہروپئے نے ہمت نہ ہاری، اسے یقین تھا کہ مقصد کی لگن ایک دن ضرور اسے کامیابی سے ہمکنار کردے گی۔ چنانچہ ہوا بھی یہی۔

اچانک ایسا ہوا کہ بہروپیا بادشاہ کی نظروں سے غائب ہوگیا یہاں تک کہ اس بات کو عرصہ گزر گیا۔ شروع میں جب کبھی بادشاہ اس کے واقف کاروں سے پتہ چلاتا تو وہ بھی ادب کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کردیتے۔ یہاں تک کہ اس کا خیال بادشاہ کے ذہن سے محو ہوگیا۔

ایک دن بادشاہ کو اس کے معتمد اشخاص نے یہ اطلاع دی کہ راجدھانی کے اطراف میں فلاں پہاڑ کی ایک کھوہ میں ایک تارک الدنیا خدارسیدہ بزرگ تشریف رکھتے ہیں جن کے زیادہ تر اوقات عبادت، تنہائی اور مخلوق سے کنارہ کشی میں گزرتے ہیں۔ کچھ ایسی مقبولیت ان کو حاصل ہے کہ عوام وخواص گروہ در گروہ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کی نگاہ کرم کے منتظر نظر آتے ہیں۔ ان کی دعاء توجہ اور

جھاڑ پھونک سے مصیبت زدہ لوگوں کے مقاصد بھی پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ حضور سے بھی استدعا ہے کہ ایسی باکمال شخصیت سے رجوع فرما کر سلطنت کے فروغ واستحکام کے لئے دعا کی درخواست کریں۔ امراء وزراء کی بار بار یاد دہانیوں کے نتیجے میں بادشاہ کو بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ بالآخر حاضری کی صعوبت اختیار کی اور جیسا سنا تھا ماحول کو ویسا ہی پایا۔ ایک نورانی صورت اور درویشانہ وضع قطع والے بزرگ سے شرف ملاقات حاصل ہوئی۔ بادشاہ نے جبین نیاز جھکائی اور تنہائی میں بہت کچھ عرض معروف کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ دعاؤں اور توجہات کے صدق دل سے خواستگار ہوئے۔

یہ سب کچھ ہوچکا تو اچانک درویش نے پہلو بدلا اور اپنا مخصوص لبادہ اتار پھینکا اور مصنوعی ساز وسامان جو فقیرانہ وجاہت کے لئے جسم پر لادے ہوئے تھے پھینک دیا۔ پھر بادشاہ کے روبرو عرض کیا: حضور نے ضرور اس نیازمند کو پہچان لیا ہوگا۔ بادشاہ نے غور سے دیکھا تو بہروپئے کو اپنی اصل صورت میں ملاحظہ کرکے حیرت زدہ رہ گیا۔ بادشاہ نے کہا: واقعی میں نے اس نئی حکمت عملی سے بھرپور فنی مہارت کو اور اس سے متاثر اپنی حماقت کو تسلیم کیا، اب تو جو منہ مانگی رقم طلب کرے میں تجھے بخشنے کو تیار ہوں تاکہ تیری مراد اور میرا وعدہ پورا ہوجائے۔

اچانک بادشاہ اور اس کے مصاحبین نے دیکھا کہ نام نہاد درویش کی وضع قطع میں نظر آنے والے بہروپئے نے اپنا گریبان چاک کیا اور نہایت بے نیازی کے ساتھ بادشاہ سلامت سے رخ بدل کر یہ کہتا ہوا پہاڑ سے اتر کر جنگل کی پیچیدگیوں میں گم ہوگیا کہ ''شکر ہے اس مالک بے نیاز کا جس نے مجھے بے بضاعت کو اپنے دوستوں کی وضع قطع اور طور طریقے اختیار کرنے کی توفیق بخشی۔ اب جو کچھ بھی مجھے لینا دینا ہوگا ان ہی کے دست کرم سے لے لوں گا۔ مجھے اب یہ بات ہرگز زیب نہیں

دیتی کہ اب ''اپنے'' کو چھوڑ کر ''غیر'' کے آگے دست سوال دراز کروں بہروپیا زیر لب بڑبڑاتا ہوا نامعلوم سمت کی طرف چلا جارہا تھا۔ بادشاہ سلامت! میں نے رنگ برنگے سوانگ بھر کر آپ کو بیوقوف بنانے اور آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کی بہت زیادہ کوششیں کیں لیکن میں آپ کے حقیقی التفات اور اپنے گوہر مراد کو پانے میں ناکام رہا۔ اب آخری سوانگ جو میں نے رچا ہے اس کے رنگ کی پختگی اپنے بھرپور احساسات کے ساتھ ظاہر ہوچکی ہے جس کے اثر سے خود اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ اب یہ سوچنا آپ کے ایسے عقلمند آدمی کا کام ہے کہ میں نے کس گروہ کا بھیس اختیار کیا ہے اور اس کے آداب اور تقاضے کیا ہیں؟

جی ہاں واقعہ ختم ہوا لیکن احساسات کی لہر ختم نہیں ہوئی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایک پیشہ ور بہروپئے کو بھی زندگی بھر مسخرے پن کے سوانگ رچانے کے باوجود نہ صرف یہ کہ خرقہ درویشی اختیار کرنے کے بعد اسی رنگ میں رنگ جانے کا احساس شدت سے پیدا ہوا بلکہ اس آخری سوانگ نے مجاز سے حقیقت کا روپ اختیار کرلیا جس کے ابتدائی کمالات میں اسے ترک دنیا، قناعت وتوکل اور مخلوقات سے مایوسی و بے نیازی حاصل ہوگئی۔ یہ ایسا رنگ اور ایسا طریقہ تھا جس کے فیوض وبرکات نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔ اسکے دل سے حرص دنیا اور طمع دولت وثروت کا خیال ہی نکال پھینکا اور ایک حقیر مسخرے سے معارف وحقائق کا حامل وکامل بنادیا۔ کل تک جو کسی دنیاوی بادشاہ کی نظر عنایت کا محتاج تھا اپنے دوستوں کے اوضاع کے صدقے میں قدرت نے اسے دل کی بادشاہت عطا کردی۔

(سہ ماہی تزکیہ نفوس منگروا اعظم گڈھ)

☆☆☆

صوفیاء کرام کا وجود ہمیشہ باعث رحمت ہے

حضرت خواجہ خواجگان معین الدین سنجری چشتیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ بہترین عبادت کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

درماندگان را فریاد رسیدن ☆ بے سہارا لوگوں کی فریاد رسی کرنا
حاجت بے چارگاں را روا کردن ☆ بے بسوں کی حاجت روائی کرنا
دگر سنگان را سیر گردا نیدن ☆ اور بھوکوں کو کھانا کھلانا

اعلیٰ عبادت گزاری کے طور طریقے یہی سب ہیں۔ (حوالہ: سیر الاولیاء)

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو مرید کرنے کے بعد بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے پہلی نصیحت یہ کی تھی کہ ''حقدار کو اس کا حق دینا چاہئے''۔ غور کیجئے تو سماجی تعلقات میں ۹۸ فی صد جھگڑے اسی لئے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کا حق مار لیتا ہے۔

حضرت بابا فریدؒ کی تعلیم اپنے متوسلین کے حق میں ہے کہ 'دشمنوں کو خوش کرنا چاہئے'۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا: 'اگر کوئی ہمارے راستے میں کانٹے بچھاتا ہے اور ہم بھی جواب میں کانٹے بچھادیں تو ہر طرف کانٹے ہی کانٹے نظر آئیں گے، بہتر ہے کہ کوئی کانٹے بچھاتا ہے تو ہم پھول بچھائیں، اس کا شر خود ختم ہوجائے گا'۔

صوفیاء کرام کی تعلیم کی روشنی میں تصوف کا حاصل یہ ہے کہ دل میں نرمی پیدا ہو، عبادت میں دکھاوا نہ ہو، اخلاص ہو اور اپنے اعمال کی خود نگرانی نصیب ہو، اس بات پر کامل یقین حاصل ہو کہ رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوسکتا اس لئے روزی کمانے میں حرام اور ناجائز ذرائع اختیار نہ کرے، اسی کا نام توکل ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے مریدوں کو مال خرچ کرنے کی بھی تاکید کی ہے: ''مال ہو تو اسے خرچ کرے'' فرمایا کہ ''مال میں اگر کوئی راحت ہے تو اس کے جانے میں ہے آنے میں نہیں'' دراصل جمع کرنے کے معاملے میں سونا اور پتھر برابر ہیں اس لئے کہ سونا اگر خرچ نہیں ہو رہا ہے تو وہ بھی پتھر کی طرح بے فیض ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اگر کسی شخص کا ستارہ عروج پر ہے اور دولت آرہی ہے تو خوب خرچ کرے، کبھی نہیں گھٹے گی، اگر ستارہ زوال پر ہے اور دولت ہاتھ سے جارہی ہے تب بھی خوب خرچ کرے، کیوں کہ اسے تو جانا ہی ہے، بجائے اس کے کہ دوسروں کے ہاتھوں سے اور ہماری ناخوشی سے خرچ ہو، خود ہم ہی اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی کیوں نہ خرچ کردیں۔

عہد شاہ جہاں کے مشہور بزرگ حضرت محبّ اللہ الٰہ آبادی سے دارالشکوہ نے مشورہ طلب کیا ''کیا حکومت کے معاملات میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرق کرنا چاہئے'' جواب دیا ''ایک فرماں روا کیلئے یہ روا نہیں کہ مذہب کی بنیاد پر انسان کے درمیان کوئی فرق کرے اور نہ اس ضمن میں کسی انسان کا کافر اور مومن ہونا امتیاز بن سکتا ہے۔ الغرض سیاسیات وسماجیات کے مختلف پہلوؤں کے ضمن میں ایسی بہت ساری مثالیں صوفیاء کرام کے ملفوظات اور طریقہ کار سے پیش کی جاسکتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیاء کرام کا وجود معاشرہ میں اصلاح مفاسد کے لئے ہمیشہ باعث رحمت ثابت ہوا۔

☆☆☆

صوفیاء کرام کی بابت روشن حقائق

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم (فرزند ثالث اور جلیل القدر خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ) کے ایک خلیفہ شیخ حبیب اللہ بخاری (جن کا شمار مشائخ خراسان وماوراء النہر میں ہوتا تھا) ان کے متعلق شیخ مراد بن عبداللہ کے حوالہ سے صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ ان کے ۴/ ہزار خلفاء تھے۔ (اسی ایک بات سے اندازہ لگائیے کہ ہر خلیفہ کا حلقہ اثر کس قدر وسیع ہوگا اور ان سے مخلوق خدا کو کس قدر فیض پہنچا ہوگا)۔

(حوالہ: مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ، تلخیص وترجمہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی، ناشر: کتب خانہ الفرقان، ۳۱ گارڈن، مغربی لکھنو)

شیخ مراد بن عبد القزانی نے ذیل رشحات میں لکھا ہے کہ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم آیۃٌ من آیات اللہ تھے انہوں نے اپنے والد ماجد کی طرح تمام عالم کو منور کیا اور اپنی توجہات عالم کی برکت سے جہل وبدعت کی تاریکیوں کو چھانٹ دیا تھا، آپ کی صحبت اقدس کی تاثیر سے ہزاروں انسان روحانیت کے اونچے مقام پر فائز ہوگئے تھے۔

مولانا سید میاں صاحب اپنی مشہور تصنیف ''علماء ہند کا شاندار ماضی'' میں لکھتے ہیں: ''مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے خلفاء میں سب

سے زیادہ فیض آپ کے ذریعہ پہنچا۔تقریباً ۹/لاکھ مردوں اورعورتوں نے آپ کے ہاتھ پرتوبہ کی۔سات ہزارخلفاءصاحب ارشادہوئے۔ایک ہفتہ میں آپ کے فیض صحبت سے ایک طالب درجہ فنا وبقا کوپہنچ جاتا اورایک ماہ میں کمالات ولایت سے مشرف ہوجاتا''۔

(حوالہ:علماءہندکاشاندارماضی جلداول ص:۲۵۹،مولفہ مولانا سید محمد میاں صاحب ناشرکتابستان قاسم جان اسٹریٹ دہلی-۶)

دل زدیں سرچشمہ ہرقوت است　　دیں ہمہ از معجزات صحبت است
دیں مجو اندر کتب اے بے خبر　　علم وحکمت از کتب، دیں از نظر

ترجمہ: دل دین کی بدولت ہے جو ہرطرح کی صلاحیت بخشنے کا محرک ہے۔(جب کہ)دین کی تمام ترصلاحیتیں صحبت کے اثر سے فروغ پاتی ہیں۔

اے غفلت شعار! تو دین کو کتابوں میں تلاش مت کر،اس لئے کہ علم وحکمت بے شک کتابوں کے ذریعہ حاصل ہوسکتا لیکن دین تو صرف مرد کامل کی نگاہ پُر اثر سے حاصل ہوسکتا ہے۔

☆☆☆

صوفیاءکرام جنکاتعلق سلاطین یاامراء سے تھا

خواجہ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

آپ نسباً ادھم بن سلیمان بن منصور بلخی شاہان بلخ کی اولاد سے تھے۔خرقہ خلافت آپ کوحضرت فضیل بن عیاض سے ملا۔امام محمد باقر سے بھی آپ نے خرقۂ خلافت حاصل کیا اورامام ابوحنیفہ کی صحبت میں بھی رہے۔(امام ابوحنیفہ بن نعمان بن ثابت کوفی کا سلسلۂ نسب بھی نوشیرواں عادل شہنشاہ ایران سے جاملتا ہے۔ایک روایت کے مطابق آپ کے جدامجدنوشیرواں کے بھائی یکنارنگ تھے)۔

خواجہ ابواسحاق گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ

آپ وسط ایشیا میں علاقہ گاذرون کے بادشاہ تھے۔اس حال سے باہرآکر جب آپ حضرت خواجہ ابوعبداللہ خفیف کے مرید ہوئے توانہوں نے فرمایا: میں نے تجھے دنیا بھی دی اور دین بھی دیا،تو علم اورطبل (علم یعنی جھنڈا اورطبل یعنی نقارہ، دونوں نشانِ شاہی تھے) دونوں بلندکر۔(یعنی شاہی پرچم اورنوبت ونقارہ جیسے لوازم شاہانہ کا اہتمام کرجیسا کہ اس دور کے سلاطین کے یہاں رواج تھا۔ممکن ہے

شاہی پرچم اورنوبت ونقارہ کے الفاظ کنایۃً استعمال کئے گئے ہوں، مراد یہ ہے کہ وجاہت شاہانہ کے تمام تر لوازمات جو فی زمانہ مروج تھے اختیار کرے)۔خواجہ ابواسحاق گاذرونی کے کمالات صوری ومعنوی کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے۔ وہ مرید وخلیفہ ہیں حضرت عبداللہ خفیفؒ کے اور وہ حضرت خواجہ رویمؒ کے اور وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے۔گاذرونی سلسلہ کے لوگ خلق کے درمیان رہ کر حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔ (خواجہ ابواسحاق گاذرونیؒ کے پیرومرشد حضرت خواجہ ابوعبداللہ خفیف کا تعلق بھی شاہی خاندان سے تھا، ترک دنیا کے بعد آپ نے تجرید میں قدم رکھا اور خواجہ ابوطالب خزرج بغدادیؒ کے مرید ہوئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو خواجہ محمد رویمؒ کا مرید بھی لکھا ہے ممکن ہے ان سے خرقہ خلافت حاصل ہوا ہو۔آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔

خواجہ ابوعلی رودباری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا تعلق طبقہ امراء ورؤسا سے ہے اور سلسلۂ نسب نوشیرواں کسریٰ شاہ فارس سے ملتا ہے۔

خواجہ ابواحمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ

(متوفی ۳۵۵ھ) نفحات الانس میں لکھا ہے کہ آپ سلطان فرستانہ کے صاحبزادے تھے جو حسنی شرفاء میں سے تھے اور اپنی ولایت کے امیر تھے۔

سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ

غلامان خاندان کے ۲/نامور بادشاہ ایک سلطان شمس الدین التمش، دوسرے سلطان ناصرالدین محمود دہلی کے تخت پر بیٹھے (درمیان میں ۴/سلاطین کا

کم وبیش ۱۱/سال کا وقفہ ہے) دونوں اپنے اپنے وقت میں ولی صفت بادشاہ تھے۔اول الذکر کو قطب الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے ور موخر الذکر کو شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین مسعود شکر رحمۃ اللہ علیہ سے کامل ارادت مندی کا شرف حاصل تھا۔ (مراۃ الاسرار)

☆☆☆

تصوف کی حقیقت

"اَلتَّصَوُّفُ عِلْمٌ یُعْرَفُ بِهٖ اَحْوَالُ تَزْکِیَةِ النُّفُوسِ تَصْفِیَةِ الْاَخْلَاقِ وَتَمْیِیْزِ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ".

تصوف ایسا علم ہے جس سے تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور ظاہر وباطن کے سنوارنے کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

انفاق مال سے نفس ٹوٹتا ہے

نفس خوب ٹوٹتا ہے اور دل میں نور پیدا ہوتا ہے، مگر اسراف، نام ونمود اور شہرت کے لئے خرچ کرنے سے دل کی سختی میں اضافہ ہوتا ہے اور عنداللہ (اللہ کے نزدیک) جواب دہ بھی ہوگا۔

☆☆☆

صوفیاء کرام کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے

چونکہ کتاب ''مراۃ الاسرار'' عہد شاہ جہانی میں مکمل ہوئی اس لئے اس کتاب کے ''خاتمہ'' پر مولف گرامی شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے شہنشاہ شاہ جہاں کے حالات بیان کرنا مناسب سمجھا۔ صاحبان ذوق اور اہل بصیرت کے لئے اس میں عجیب وغریب نکتہ آفرینیاں ہیں۔

صفحہ: ۱۲۵۸ پر شاہ جہاں کے والد اور پیش رو بادشاہ جہانگیر کے آخری دور کی بات لکھتے ہیں: ''کشمیر سے واپسی کے بعد بادشاہ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ وجہ یہ ہے کہ سنت الٰہی کے مطابق اس وقت سلطنت کے روحانی سرپرست حضرت شیخ شطاریؒ جو اوتادِ وقت میں سے تھے اور بادشاہ کی ذاتی محافظت مولف کے مرشد شیخ حمید چشتی قدس سرہ العزیز کے سپرد تھی جن کا ۱۰۳۲ھ میں وصال ہوگیا اور ان کی جگہ کوئی اور صاحب خدمت مقرر نہ ہوا۔ اس وجہ سے بادشاہ سخت بیمار ہوگیا۔ جب چند سال یہی کیفیت رہی تو امور سلطنت کی طرف توجہ نہ دے سکا اور سارا کام ملکہ نور جہاں نے سنبھال لیا۔ وہ ناقص العقل عورت تھی۔ اس نے شہزادہ شہریار کی طرف داری کی اور شاہ جہاں کی مخالفت کرنے لگی جس کی وجہ سے ہر طرف بدنظمی پھیل گئی بادشاہ کی علالت بڑھتی گئی حتی کہ وہ عادل بادشاہ ۲۳ سال سلطنت کرنے کے بعد لاہور میں دفن ہوا۔''

شاہ کے آخری دور کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آخری دو صفحات میں مولف مذکور لکھتے ہیں:

''الغرض بادشاہ کے اقبال کا آفتاب غروب و پذیر ہوا۔ اس وقت شیخ فیروز جن کا شمار سات ابدالوں میں ہوتا تھا اور جو بادشاہ کی محافظت پر معمور تھے۔ ماہ رمضان المبارک میں انتقال ہوگیا جس سے محافظت ساقط ہوگئی اور بادشاہ کی صحت خراب ہونے لگی اور چند ایام کے اندر بتاریخ ۸/ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ وہ سخت بیمار ہوگیا اور یہ فقیر (مولف مذکور) جو بادشاہ کی سلطنت کی محافظت پر مامور تھا ۱۲/ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ کو بیمار ہوگیا اور چند سال بستر علالت پر رہا جس سے ملک کی محافظت کا کام سرانجام نہ ہوسکا۔ باوجودیکہ موکلات (دوسرے صاحبانِ خدمت) حاضر رہتے تھے لیکن تقدیر الٰہی کے مقابلہ میں تمام تدابیر ناکام رہیں اور ہر طرف بدامنی پیدا ہوگئی اور چاروں شہزادے سلطنت کے دعویدار بن گئے.....شاہ جہاں اپنی بیماری کی وجہ سے نہ کچھ کرسکتا تھا اور نہ سلطنت سنبھال سکتا تھا اس لئے اس نے قلعہ اکبر آباد (آگرہ) میں گوشہ نشینی اختیار کرلی اور شہزادہ اورنگ زیب علمائے وقت کے اتفاق رائے سے ماہ رمضان المبارک ۱۰۶۸ھ میں شاہ جہاں آباد (دہلی) میں تخت نشیں ہوا اور خطبہ اپنے نام پر جاری کیا۔ حق تعالیٰ کی تقدیر میں یہ تھا کہ شاہ جہاں بادشاہ کا خاتمہ تارکین دنیا کے زمرہ میں ہو اور آخرت میں جملہ اولیاء اللہ میں اس کا حشر ہو۔ اس لئے سات سال تک عبادت الٰہی، تلاوت قرآن اور مطالعہ کتب تفاسیر و احادیث نبویؐ میں مشغول رہا اور زر کثیر راہ حق میں غرباء مساکین میں تقسیم کرتا رہا۔ آخر بتاریخ ۲۶/ماہ رجب ۱۰۷۶ھ شہاب الدین محمد شاہ جہاں صاحب قرآن ثانی عالم بقاء کو روانہ ہوا''۔

☆☆☆

صوفیائے کرام اوران کے ارشادات کی خوبیاں

تصوف چمن اسلامی میں شجر حیات ہے۔اسی لئے اسلامی تمدن کے جو مظاہر بھی تاریخ کے خاکے میں ظاہر ہوتے ہیں ان کا رشتہ کسی نہ کسی طور تصوف سے استوار ہوتا ہے۔اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ کے ہر مرحلے پر ایک ایسی معرفت نظر آتی ہے۔جو ارباب حال پر ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس کے انعکاس سے مظاہر تہذیب کی ہیئت اوران کی معنویت میں ایک نیا زاویا پیدا ہوجاتا ہے۔دنیا کی ہر روایتی تہذیب میں عموماً اور اپنی تہذیبی جامعیت کے اعتبار سے اسلام میں بالخصوص تصوف کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے۔اسلام کے مطالعے میں اس مرکزی مقام کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

اسلام نے اپنی دنیائیں مختلف انداز میں تعمیر کی ہیں۔کہیں تبلیغ کے ذریعے کہیں اہل تجارت کے روابط سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے ذریعے اور کہیں عسکری فتوحات کے اعتبار سے۔برصغیر ہندوپاک میں اسلام نے اپنی جو دنیا تخلیق کی اس میں کم وبیش یہ سارے عوامل استعمال ہوئے۔اسی لئے اس تہذیبی منطقہ میں ایک ایسی جامعت پیدا ہوئی ہے جس میں ہر اسلوب اور ہر انداز الگ الگ پہچانا

جاتا ہے۔یہ مختلف لکیروں کا وہ معمورہ ہے جس سے ہند اسلامی تہذیب کی تصویر وجود میں آئی ہے۔اسی لئے اس تہذیبی منطقہ کا مطالعہ ان مرکزی حوالوں سے کیا جاسکتا ہے جن کی جڑیں تصوف اسلامی کی سرزمین میں پیوست ہیں۔

آج کی دنیا میں روایتی تمدن کے سانچے ٹوٹ پھوٹ رہے ہیں جس سے ایک دوہری شکل پیدا ہورہی ہے۔ایک طرف تو روایتی تمدن کی وضعوں کو سمجھنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔دوسری طرف وہ اسرار جوان تمدنی اوضاع کے پیچھے حجاب اندر حجاب پوشیدہ تھے ان کے ظاہر ہونے کی ضرورت شدید تر ہوتی جارہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند صدیوں میں تصوف پر تحریری مواد کثرت سے دستیاب ہونے لگا ہے۔یہ ایک ایسی تبدیلی ہے جو کونیاتی اسباب سے وقوع پذیر ہوئی ہے۔

برصغیر ہندوپاک میں اسلامی تہذیب اور اسلامی تصوف کا آغاز ایک وقت میں ہی ہوا ہے۔اور ظاہر وباطن کی ان دونوں دنیاؤں کی تخلیق میں سلسلہ عالیہ چشتیہ کا بنیادی حصہ ہے۔سلسلہ چشتیہ صرف سیر وسلوک کا ایک طریقہ اور ایک روحانی نسبت ہی نہیں بلکہ انسانی شعور کی ایک خاص کیفیت،ایک تمدنی مزاج اور ایک تخلیقی طرز احساس کا نام ہے۔اسی لئے وہ دنیائیں جو اس سلسلے کی خانقاہوں کے گرد تعمیر ہوئیں ان میں ایک خاص انداز کی جامعیت اوران کے تخلیقی مزاج میں ایک نایاب گداز پایا جاتا ہے۔وہ کیفیت قلب جس سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے۔پوری اسلامی تہذیب میں یکتا اور منفرد حیثیت کی حامل ہے۔اس اعتبار سے اس کا مطالعہ پوری اسلامی تہذیب کو سمجھنے اور اس کی کیفیت کو جاننے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔چشتی صوفیاء کے نزدیک تصوف بنیادی طور پر ایک ''حال'' ہے۔اسی لئے اس پر کتابیں کم لکھی گئی ہیں اور اس کے تہذیبی Contribution کے تناسب سے تحریری مواد بہت کم دستیاب ہے۔جو چند بنیادی مصادر دستیاب بھی ہیں وہ بھی ایک

خاص انداز کے مطالعے کا تقاضہ کرتے ہیں۔اس لئے کہ معروضی شعبہ ہائے علم کے برخلاف ان کی اصطلاحات کی دنیا ایسی واقع ہوئی ہے جسے کسی Outsider کے لئے کلی طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا سے معقول تعارف کے بغیر اس پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے ہمیشہ غلطی کی ہے۔

تحقیق کے بارے میں عام طور پر یہ رائے پائی جاتی ہے کہ یہ ایک خشک اسلوب بیان کی متقاضی ہے۔اردو بلکہ دوسری زبانوں میں بھی تحقیقی کتابوں اور مضامین کے مطالعے سے اس رائے کی تصویب ہوتی ہے۔البتہ کچھ صاحبان قلم کی تربیت میں چوں کہ ادب ،تاریخ اور علوم عصریہ کے شعبے شامل ہیں اور وہ تخلیقی نثر لکھنے پر قادر ہیں اس اعتبار سے ان کے تحقیقی مضامین میں بھی وہی چاشنی ملتی ہے اور وہی لطیف بیان نظر آتا ہے جس کا تقاضہ اعلیٰ ترین تخلیقی اوصاف کی حامل تحروں سے کیا جاسکتا ہے۔دیگر شعبہ ہائے علم میں تو اس صلاحیت کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے لیکن جب معاملہ اس تاریخ وتمدن کا جو تصوف کی دنیا سے قریبی طور پر وابستہ ہے تو پھر ان کے لئے ایک ایسے اسلوب کی ضرورت پڑتی ہے جو اس پوری فضا اور اس کی کیفیت کو قاری تک بہ تمام وکمال پہنچادے۔مذکورہ اشخاص میں یہ وصف خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ان حضرات کی تحریروں میں وہ مضامین بھی شامل ہیں جن کا تعلق تصوف کے نظری پہلوؤں (Theoritical Aspects) اور ذہن جدید (Latest Taiented Mentality) سے ان کے تعلق سے ہے۔

ان تحریروں کو دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ رموز تصوف پر ان کی نگاہ کتنی گہری ہے اور آج کے انسان کی کیفیت قلب کے لئے اس کی اہمیت کو وہ کتنی گہرائی سے سمجھتے ہیں۔ان کے مضامین تحقیقی، تاریخی اور فکری اعتبار سے خصوصی اہمیت کی چیزیں ہیں کہ جس کا مطالعہ ہمیں ایک ایسی دنیا سے متعارف کراتا ہے جو ہمارے جسم

سے بہت قریب لیکن ہماری روح سے بہت فاصلے پر ہے۔لیکن اس کے وجود کی ضرورت ہمارے لئے پہلے سے کہیں زیادہ شدید ہے۔یہ اور اس جیسی دوسری تحریریں ہمارے تہذیب باطن کا وہ تعارف ہیں جن کے بغیر ہم نہ ماضی کو سمجھ سکتے ہیں نہ ہی اپنے وجود کی اعلیٰ سطحوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

(نقد ملفوظات از پروفیسر نثار احمد فاروقی (تلخیص معمولی ترمیم کے ساتھ، بحوالہ تزکیہ نفوس اعظم گڈھ یوپی)

☆☆☆

صوفیائے کرام اور عوامی رابطہ

کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ صوفیائے کرام بالعموم اور چشتی حضرات بالخصوص براہ راست عوامی رابطے میں رہے صوفیائے کرام کے بارے میں یہ بات کہنا کہ یہ بزرگ خانقاہوں میں بیٹھ کر محض انفرادی نجات کے حصول کی کوششوں میں لگے رہتے تھے سادہ لوح اور نیک طبیعت کم علم اور ناواقف اشخاص کو سراسر مغالطہ میں ڈالنا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان پاکباز اور نورانی سیرت کے اشخاص سے (جن کے دماغوں میں دولت وثروت اور حیثیت ومنصب کا سودا سمایا رہتا ہے) بہت کم ناطہ رکھا اور اکثر وبیشتر حالات میں بے اعتنائی برتی۔ سلوک وسلاطین اور سرکار دربار کو کبھی منہ نہیں لگایا، نہ کبھی اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے دولت کثیر حاصل کرنے کی کوشش کی بلکہ انہیں جو کچھ بھی نعمتیں اور دولتیں حاصل ہوئیں انہیں جمع کر کے بھی نہیں رکھا۔ اس طرح اپنی چلتی پھرتی اور جیتی جاگتی زندگی سے ثابت کر دیا کہ در اصل فقر وہ عظیم دولت ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں وہ غریبوں، مسکینوں، درماندہ حال اور پس ماندہ طبقے کے انسانوں کی نمائندگی کرتے تھے، اس طرح رسول مقبول ﷺ کی سچی متابعت کرتے تھے۔ ان کی دعاء یہ ہوتی تھی:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ". (اے ہمارے اللہ! ہمیں مسکینوں کے ساتھ زندہ رکھ اور مسکینوں کے ساتھ موت دے اور ہمارا حشر (بھی) گروہ مساکین کے ساتھ فرما (آمین)۔ غریبوں اور مسکینوں سے سچی محبت کی مثال اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ اپنی زندگی اور موت اور حشر ونشر بھی ان کے ساتھ طلب کی جائے۔ ان کے دروازوں پر اور ان کی خانقاہوں میں کل بھی کم حیثیت لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی اور آج بھی اگر ایماندارانہ ذہنیت کے ساتھ اور کھلی آنکھوں سے دیکھا جائے تو پس ماندہ اور متوسط طبقے کی ہی مجلس دکھائی دے گی۔ کل بھی جب کہ سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام رائج تھا ان کے مکانوں اور خانقاہوں کے دروازے ہر خاص وعام کیلئے کھلے ہوئے تھے اور آج بھی جب کہ عوامی اور جمہوری فیضان کی بھرمار ہے ان کے دروازے اور خانقاہیں ان ہی حضرات کی زینت ہیں۔

آج سو برس سے ملکی اور سماجی حالات میں تبدیلیاں ہوئی ہیں نتیجے کے طور پر چھوٹی کنکری اوپر اور بڑی کنکری نیچے ہوگئی ہے۔ برابری، مساوات، سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں ورنہ کل تک پس ماندہ طبقہ کو کون گھاس ڈالتا تھا۔ ہر طبقہ اور ہر مجلس میں بڑوں ہی کی پوچھ تھی۔ ان ہی کا اقتدار انہیں کی دولت وثروت، انہیں کے ہاتھ میں علم وہنر، ان ہی کی محکومی اور ماتحتی اور ان ہی کا بول بالا تھا۔ پس ماندہ اور کم حیثیت طبقات ان کی برابری تو کیا کرتے ان کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے روبرو کھڑے ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے نامساعد حالات میں ان کی دلجوئی اور دادرسی کرنا، انہیں اپنے علم وہنر میں حصہ دار بنانا اور انہیں ہر پہلو ہر زاویئے سے مساوی درجہ دینا یہ صوفیائے کرام کی ہی فراخ دلی، حوصلے اور دل گردے کی بات تھی اس دور میں جو انسانی تاریخ کے بیشتر حصوں پر محیط نظر آتا ہے

ملکوتی صفات والا اتنا بڑا کوئی گروہ نظر نہیں آتا جس کے منتسبین نے چپے چپے اور قریے قریے میں اسلامی مساوات کی شمع جلائی اور جہالت و مفلسی کے گرد وغبار سے اٹھے ہوئے چہروں کو اپنے پاک دامنوں سے پوچھ کر آئینہ کی مانند جھلک اور چمک عطا کی۔عوام الناس کو سینوں سے لگا کر اور انہیں ان کی قدومنزلت سے روشنا کر کے اپنے ہم رتبہ اور ہم پلہ بنایا۔تاریخ ان نفوس قدسیہ کی خدمات اور احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتی۔دکھی انسانیت کی مزاج پرسی کرنے اور ان کے زخموں پر مرہم لگانے کی سعادت ہر دور میں انہیں سونپی گئی اور آج بھی ان کے جانشینوں اور نام لیواؤں کو وراثتاً یہ عظیم سعادت وخدمت حاصل ہے۔ان کے علوم ومعارف اور روحانیت وروایات سینہ بہ سینہ ان کے منتسبین میں منتقل ہوتے رہے۔آج بھی ان کی ہدایات رائج،ان کا خانقاہی نظام قائم،ان کی مجالس گرم،ان کے عشق ومحبت اور معرفت الٰہی کی کرنیں نمایاں اور ان کا ذوق وشوق اور حوصلے وارمان زندہ وپائندہ ہیں۔ان کی درگاہوں اور آستانوں پر تسلسل اور تواتر کے ساتھ آج بھی اپنوں اور بیگانوں کی جتنی بھیڑ اور عقیدت ومحبت کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں وہ اتنے بڑے پیمانے پر اور اتنے ذوق وشوق کے ساتھ اور کہیں نظر نہیں آتے۔اب یہ تو ہماری ہمت وحوصلہ اور جستجو وکوشش پر منحصر ہے کہ ان کے گلستانوں اور خیابانوں سے کس حد تک خوشہ چینی کر سکتے ہیں اور اپنا حصہ کس حد تک لے سکتے ہیں۔

صوفیائے کرام کے کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ (جس کا مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا ہے) یہی نہیں ہے کہ انہوں نے سیم وزر کے انبار، جائیدادوں اور فلک بوس ایوانوں کو کبھی نظر بھر کے بھی نہیں دیکھا بلکہ اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ طبقات انسانی کے درمیان دولت وحیثیت کی دیواروں کو گرا کر حتی الامکان اخوت ومساوات کی فضا کو قائم کیا جائے۔ساتھ ہی اس بات کی بھی کوشش کی کہ سماجی اور

طبقاتی نابرابری اور تنگ نظری وتعصّبات کے جھول جھالوں اور ظلمتوں کو بھی ذہنی دریچوں سے صاف کیا جائے۔یہ ملک شروع سے آج تک مذہب وملت اور ذات برادری کے خانوں میں نہ صرف یہ کہ بٹوارہ ہوتا رہا بلکہ باہمی رنجش ومنافرت اور بے اعتنائی وبے رخی کے رجحانات سے بھی پٹا پڑا رہا۔یہ انحضرات القدس کا کارنامہ ہے کہ اس معرکہ کو بھی انہوں نے حتی الامکان سر کیا۔ان کے رو برو اور ان کی مجلسوں میں بلا تفریق مذہب وملت اور ذات برادری ہر شخص کو برابری اور عزت افزائی کے ساتھ آنے جانے کی اجازت حاصل رہی۔مختلف طبقات کے درمیان تفوق اور احساس برتری کو حتی الامکان کم کرنے اور مٹانے کی انہوں نے کوشش کی، کم حیثیت اور کم رتبہ لوگوں کو بھی احساس کمتری سے نجات دلا کر ان کو انسانیت کی معراج اور ان کے مقام ومنصب کی معرفت عطا کی۔الغرض تعصّبات وتنگ نظری کو مٹا کر عالمی برادری اور بین الاقوامی بھائی چارے کا ماحول قائم کیا جس میں امارت وغربت،حیثیت وقدرت،عزت ومسکنیت،علمیت وجہالت وغیرہ کی بدولت کسی کو بہتر اور کسی کو بدتر نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔تنگ نظریوں اور تعصّبات کی دیواریں آج بھی قائم ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ مستحکم ہیں لیکن صوفیاء کی خانقاہوں اور مجلسوں میں آج بھی یکسانیت اور ہم آہنگی ہے۔کوئی شخص کسی بھی حیثیت سے کتنا بھی قابل عزت اور عالی مرتبت کیوں نہ ہو اس مجلس میں تو علو مرتبت کی بات بھی نہیں سوچ سکتا۔یہی ایک ایسی گلی ہے جہاں پندار کے صنم کدے کو ہی ویران کر کے قدم بڑھانا ہوگا ورنہ نفع بخش نہ ہوگا۔یہی ایک ایسا گھاٹ ہے جہاں شیر اور بکری کو ایک ساتھ پانی پینا ہوتا ہے۔یہاں کسی کی وحشیانہ فطرت اپنے مخاطب کی مظلومانہ حیثیت کو نقصان پہنچانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔اگر کرتی ہے تو وہ گویا خود کو اس دائرۃ الذہب سے الگ، بے لگام اور خود مختار سمجھتی ہے۔

زمانہ پر نشیب وفراز گزرتے رہے، حالات میں اتار چڑھاؤ ہوتے رہے لیکن ان نیک نفوس کی مجلسوں کو زمان ومکان کی قید وبند میں مقید ومحدود نہیں کیا جاسکا۔ان کا عالمگیر پیغام عام رہا،جس دیوار کے سایہ میں اور جس پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے وہی درس گاہ اور خانقاہ بن گئی۔رکاوٹیں اور مخالفتیں شہر ودیہات تک انکے مشن اور پیغام کو جانے سے روک نہ سکیں۔پہلے بھی عوام کے دلوں میں ان کے گھر تھے اور آج بھی یہ بے سروسامان روحانیت کے بادشاہ دلوں پر ہی حکومت کررہے ہیں۔

در دو عالم ہر کجا آثار عشق
اب آدم سّرے از اسرار عشق

(علامہ اقبالؔ)

دونوں جہاں میں جہاں کہیں عشق کے اثرات نظر آتے ہیں آدمی عشق کے رازوں میں سے ایک راز ثابت ہوتا ہے

دو عالم میں نہیں موجود ومشہود
بجز ذات وصفات، افعال وآثار

(حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ)

یعنی کائنات میں اللہ کے سوا کسی غیر کا وجود نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ اس کی ذات ہے یا اس کی صفات ہیں یا اس کے افعال ہیں یا ان افعال کے آثار ہیں۔

حاجی صاحب نے ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان سے ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ کو وطن بنالیا اور وہیں ۱۳۱۷ھ (اواخر انیسویں صدی) میں رحلت فرمائی اور جنت المعلیٰ میں آسودۂ خواب ہوئے۔

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن بہ اعماقِ حیات

(علامہ اقبال ازمثنوی، ''پس چہ باید کرد'')

طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کے مشاہدہ کا نام ہے کہ شریعت اعماقِ حیات سے پیدا ہوتی ہے یعنی شریعت کی اصل کو دریافت کرنے ہی کا دوسرا نام طریقت ہے (چنانچہ ارباب طریقت شریعت سے کسی حالت میں بھی مستغنی نہیں ہوسکتے۔ (شرح بال جبرئیل مولفہ پروفیسر سلیم چشتی، ص:۲۱۷)

☆☆☆

دنیا کی محبت اور اس کا علاج

مکتوب بنام مرزا عبدالرحیم خانخانان

جب تک دنیا کی قباحت ظاہر نہ ہو اس کی قید سے نکلنا محال ہے اور جب تک انسان اس کی قید سے نہ نکلے، فلاح ونجات اخروی کا حصول بہت دشوار ہے۔ یہ بات کہ حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ یعنی دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور چونکہ علاج اضداد سے ہوتا ہے اس لئے دنیا کی محبت دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخرت سے محبت اور شریعت کی پابندی کی جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''بے شک دنیا کی زندگی کھیل کود، تماشہ، زینت وآرائش، ایک دوسرے کے مقابلے میں نسل ونسب پر فخر کرنا اور مال واولاد کی کثرت چاہنا ہے''

خلاصہ: جب دنیاوی زندگی کی حقیقت واضح ہوجائے گی، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آدمی نیک اعمال کرے گا، لہو ولعب سے اسے نفرت ہوجائے گی، ریشمی لباس اور سونے چاندی کے برتنوں سے اجتناب کرے گا، اس طرح زیب وزینت میں کمی آجائے گی۔ پھر جب اسے معلوم ہوگا کہ فضیلت اور بزرگی تقویٰ کی بنا پر ہے تو حسب ونسب پر فخر کا سودا اس کے دماغ سے نکل جائے گا اور جب اسے یقین ہوجائے گا کہ مال اور اولاد اکثر یاد الٰہی سے غافل کردیتے ہیں تو ان کی کثرت کی آرزو دل سے جاتی رہے گی، پھر صرف ایک نکتہ ساری زندگی کی تگ ودو کا مرکز بن جائے گا، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ دیں اسے لے لیا جائے اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہا جائے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ سے اقتباس) ☆☆☆

چلہ کشی اور نفلی عبادات کی بہ نسبت فرائض کی اہمیت

مکتوب بنام فرزند اکبر خواجہ محمد صادقؒ

اے فرزند! صوفیائے خام محض ذکر وفکر کو ضروری سمجھتے ہیں، اس لئے وہ اپنی نادانی کی بنا پر فرائض اور سنتیں ادا کرنے میں تساہل برتتے ہیں۔ اپنی ساری توجہ ریاضت اور چلہ کشی پر مرکوز کردیتے ہیں حتی کہ بعض جاہل صوفی جمعہ اور نماز باجماعت بھی نہیں پڑھتے، وہ نہیں جانتے کہ ایک فرض نماز کا باجماعت پڑھنا ہزار چلوں سے بہتر ہے۔ ہاں آداب شریعت اور ذکر وفکر میں مشغول ہونا بہت اچھی بات ہے، بعض عاقبت نااندیش علماء بھی نوافل میں اس قدر دلچسپی لیتے ہیں کہ فرائض سے غافل ہوجاتے ہیں۔ جب علماء کا یہ حال ہو تو عوام کی کیا کیفیت ہوگی؟ انہیں باتوں سے اسلام کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔

نوافل قرب ظلّی کا ذریعہ ہیں اور فرائض کی ادائیگی سے قرب حقیقی حاصل ہوتا ہے اور تمام فرائض میں نماز افضل واکمل ہے، مومن کی روحانی ترقی اسی کی بدولت ہوتی ہے، نماز میں بندہ اپنے مالک وپروردگار سے بہت قریب ہوتا ہے، نماز ہی آدمی کو فحش فسق وفجور اور برائیوں سے باز رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ

نماز ہی میں راحت تلاش فرمائی اور اسے دین کا ستون قرار دیا، نماز ہی کفر واسلام کے درمیان وجۂ امتیاز ہے۔

حضرت والا طہارت کو Maintain رکھنے کے لئے اپنے متوسلین کو خصوصی ہدایت فرماتے۔ فرماتے: طہارت نصف ایمان ہے۔ طہارت اور پاکی کا بہت خیال رکھا کرو۔ بستر پر بھی واردات ہوتے ہیں مصلی کی طرح فرماتے: ہمارے بچوں میں کاشف سے مصباح تک کوئی بھی ہمارے بستر پر نہیں چڑھا ہے۔ یہ گود اور آغوش کسی اور کے لئے ہے تم بچوں کے لئے نہیں ہے۔ فرماتے: بہت سے فیوض وبرکات طہارت میں غایت اہتمام سے پاؤ گے انشاءاللہ۔ سیدنا بلالؓ کی ایک بڑی خوبی ہمیشہ باوضو رہنے اور نوافل تحت الوضو پڑھنے کی تھی۔ صوفی کے لئے خصوصی Instruction ہے کہ طہارت کے حصول میں جتنا زیادہ اہتمام ممکن ہو سکے تسلسل اور دوام کے ساتھ کرنے کی کوشش کی جائے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ سے اقتباس)

☆☆☆

ارشادات گرامی

حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

”حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے مالک حقیقی کے سچے دل سے اطاعت اختیار کی اور اس کے فرماں بردار بنے رہے۔ جس کی بدولت اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جنوں اور انسانوں پر بادشاہ بنا دیا جب کہ ملکہ بلقیس اپنے کفر اور نافرمانی کے سبب ان کی مطیع بن گئی۔

اے لوگو! خوب یاد رکھ کہ اسلام غالب آتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمان پر کبھی غلبہ نہیں دیتا (جب کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہیں) اسی طرح جب تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے ایمان لائے گا (مراد یہ ہے کہ تمہارے کام سچے مسلمانوں جیسے ہوں گے) تو دنیا میں اپنے دشمنوں سے محفوظ رہے گا اور آخرت میں بھڑکتی ہوئی آگ سے نجات پائے گا۔ جس طرح کوئی سیدھا راستہ بتاتا ہوا آگے آگے چلتا ہے، اسی طرح آگ تیرے آگے چلے گی اور خادم کی طرح تیری تعظیم کرے گی، تجھ سے مخاطب ہو کر کہے گی:

میں تیرے مالک کی فرماں بردار ہوں ، اسکا حکم بجالاتی ہوں ، آپکے ایمان کے نور نے میری بھڑک کو ٹھنڈا کر دیا۔ نرم الفاظ میں کہے گی کہ اے مومن! تو بہت بزرگ اور صاحب نور ہے، تیرے بادشاہ کی طرف سے تجھے عمدہ خلعت پہنایا جاتا ہے۔ جو تیرے لئے عزت کا باعث ہے سو آپ آرام سے ٹھنڈے اور سیدھے راستے پر چلے جائیں گے۔ تمام باقی بندے بھی آپ کی عزت وتکریم کرنا اپنے اوپر واجب قرار دیں گے۔

(غنیۃ الطالبین، مترجم امان اللہ خان ارمان سرحدی، ناشر اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۲۹۱، سوئی والان، دہلی، ص: ۲۳۳)

ملکہ بلقیس کوئی چھوٹی موٹی ملکہ اور ایسی ویسی رانی نہیں تھی جس نے مغلوب ومحکوم ہونے میں عافیت محسوس کی اور آسانی سے ہتھیار ڈال دیئے تاکہ جنگی تباہ کاریوں سے نجات حاصل ہوجائے بلکہ اس کی زبردست فوجی طاقت کا اندازہ صرف اتنی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جس جابرانہ وقاہرانہ فوج کی سپریم کمانڈر تھی اس میں صرف ایسے افسروں کی تعداد ۱۲/ ہزار بتائی جاتی ہے جن میں سے ہر افسر کی ماتحتی میں ایک لاکھ جنگی جوان تھے جب کہ اس کے مقابلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فوجی لشکر میں صرف ۴/ لاکھ سپاہی تھے ، دو لاکھ آدمیوں میں اور دو لاکھ جنوں میں۔ (غنیۃ الطالبین)

☆☆☆

سبحان اللہ کیا تھے کیا ہو گئے !

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل یرموک کے دن اس پیاسے کی طرح جو سخت گرمی کے دن ٹھنڈے پانی کا مطالبہ کرتا ہے، جنگ کے لئے روانہ ہوئے اور جنگ کے میدان میں جب ایک مقام پر مسلمانوں پر سخت وقت آ گیا تو عکرمہ بن ابی جہل اپنے گھوڑے سے اتر گئے۔ اپنی تلوار کی نوک کو توڑ دیا اور رومیوں کی صفوں کے اندر گھس گئے۔ سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جلد ہی ان کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے: ''اے عکرمہ! اس طرح مت کرنا، اس لئے کہ اگر آپ قتل ہوجاتے ہیں تو اس کا مسلمانوں پر برا اثر ہوگا''۔ عکرمہ نے کہا: ''اے خالد! مجھے چھوڑ دو، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سابقہ رکھتے ہیں اور میں اور میرے والد (ابوجہل) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ لہٰذا مجھے چھوڑ دیجئے تاکہ میں سابقہ گناہوں کا کفارہ ادا کردوں۔ کیوں کہ میں نے بہت سارے مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ لڑی ہے۔ اس لئے آج کے دن میں رومیوں سے بھاگ جاؤں، یہ ہرگز نہیں ہوسکے گا۔ پھر مسلمانوں کے درمیان نعرہ لگایا اور کہا: ''مَنْ یُّبَایِعُ عَلَی الْمَوْتِ''۔ (کون ہے جو موت پر بیعت کرے گا؟) ان کے ساتھ ان کے چچا الحارث بن

ہشام اور ضرار بن الازور نے چار سو مسلمانوں کے ساتھ موت پر بیعت کی اور خالد بن ولید کے سامنے جنگ کا آغاز کیا اور سخت دفاع کیا۔ جب یرموک کا معرکہ مسلمانوں کی کامیابی پر تمام ہوا۔ اس وقت یرموک کی زمین پر تین زخمی مجاہدین پڑے تھے۔ اور وہ الحارث بن ہشام، عیاش بن ربیعہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل تھے۔ الحارث نے زخمی حالت میں پانی مانگا اور جب پانی ان کے ہاتھ میں پکڑا دیا گیا تو عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ پانی عکرمہ رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ اور پھر جب پانی عکرمہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو عیاش نے ان کی طرف دیکھا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا پانی عیاش کو دیدیں۔ جب پانی عیاش رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ انہوں نے زندگی سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اور پھر جب لوگوں نے پہلے دو کی طرف دیکھا تو وہ دونوں بھی زندگی سے اپنی آنکھیں بند کر چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم اللہ ان سے راضی ہو۔ (تاریخ اسلام از ماہنامہ نقوش عالم بنگلور)

☆☆☆

شدّتِ انہماک کی بدولت

۱۸۵۷ء میں مجاہدین آزادی کی پوزیشن دہلی میں مضبوط تھی شروع کے مراحل میں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں گے لیکن بدقسمتی سے پانسہ پلٹ گیا اس خوفناک لڑائی کا سب سے نازک مورچہ کشمیری گیٹ اور اس کے اطراف کا علاقہ تھا۔ جہاں دونوں فریق میں جم کر گھمسان کی لڑائی ہوئی تھی۔ آج بھی کشمیری گیٹ اور اس کے قرب وجوار میں انگریزوں کا ایک خوبصورت قلعہ لوڈلو کاسل (Ludlo Castle) اس دور کے بعض سنگین واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں)۔

۱۱ر مئی ۱۸۵۷ء کو جب انقلاب پسندوں نے دلی پر قبضہ کیا تو لفٹنٹ ولولی (Linet Willaughly) نے جو کشمیری دروازہ سے متصل دلّی کے میگزین کا انچارج تھا اس خیال سے کہ گولا بارود کا یہ عظیم الشان ذخیرہ اگر دشمنوں کے ہاتھ آگیا تو خدا معلوم اس کی مدد سے وہ میری قوم کے کس قدر افراد کو ہلاک کردے گی، یہ فیصلہ کیا کہ مجھے اس میں آگ لگا دینی چاہئے۔ پس اس نے بلا تامل اس ذخیرہ کو نذر آتش کردیا اور خود اپنے ۱۲ر ماتحت افراد کے ساتھ خوشی خوشی لقمۂ اجل بن گیا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو شاید آج اس کی قبر کا نشان بھی مٹ گیا ہوتا لیکن اس نے مرجانے کو ترجیح دی، اس لئے آج بھی اس کا نام زندہ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا

مشہور قول ہے: ''جو زندہ رہنے کی آرزو کرے گا وہ مرجائے گا اور جو مرنے کی تمنا کرے گا وہ زندگی حاصل کرے گا''۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جس فرد یا قوم نے ترقی یا کامیابی حاصل کی اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے کسی ایک معین شئے کو اپنا محبوب بنا کر اس سے عشق شروع کیا اور شدت انہماک کی بدولت اپنے خیالات ونظر میں جذب کی کیفیت پیدا کر لی جسے عرف عام میں دیوانگی کا عالم کہتے ہیں اور اسی نقطہ سے لطف عاشقی شروع ہوتا ہے۔

عشق ومحبت میں یہ ضروری نہیں کہ وجہ تخاطب عورت ہی ہو، بت بھی ہوسکتا ہے، لیلیٰ بھی ہوسکتی ہے، وطن بھی ہوسکتا ہے، قوم بھی ہوسکتی ہے، خدا بھی ہوسکتا ہے، دولت بھی ہوسکتی ہے، مدینہ بھی ہوسکتا ہے، ماسکو بھی، محبوب خواب کوئی ہو، صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ کہ وہ ایک سے زیادہ نہ ہو، ورنہ خودی فنا ہو جائے گی۔ خوب یاد رکھئے، دوسرے کا خیال آیا اور بنا بنایا کھیل بگڑا۔ دراصل خیال ونظر کی مجذوبی سے ہی انسان کی خودی زندہ (مستحکم) ہوتی ہے اور انسان میں یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کیلئے اپنی سب سے قیمتی چیز یعنی جان آسانی سے قربان کرسکتا ہے۔ (شرح بال جبریل مولفہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صفحات: ۲۲۳-۲۳۵)

یہ واقعہ تو ایک غیر مسلم شخص کا ہے، لیکن سالیکن کو اس سے گراں قدر سبق ملتا ہے کیونکہ فنائیت میں بقائیت ہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانا خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

(محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

حدیث جبریل علیہ السلام تصوف کا ثبوت

طریقت کا مآخذ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور احادیث مبارکہ ہیں، مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص مسافرانہ شکل میں خوب سفید کپڑوں میں آیا۔ اس نے ایمان اور اسلام کی بابت سوال کر کے یہ سوال کیا: ''قَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہُ یَرَاکَ''۔

(کہا مجھے بتائیں کہ احسان کیا چیز ہے، آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کیا کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام کرو اسے کمال اخلاق سے اور اس نیت سے کرو کہ ہمارا خدا ہمارے کاموں کو دیکھنے والا ہے۔

یہ امر بالکل یقین اور تسلیم شدہ ہے کہ ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن ظاہر تو یہی ہے کہ جو ہمارے ہاتھ پاؤں سے حرکات ہوتی ہیں، مثلاً نماز پڑھتے ہوئے جسمانی حرکات کا ہونا، جیسے ہاتھوں کا اٹھانا، سر جھکانا، زبان

سے تکبیرات، تسبیحات وغیرہ کا پڑھنا، یہی وہ ظاہری افعال ہے کہ جن کی صحت دیکھ کر علماء وفقہائے کرام نماز کی صحت کی تصدیق کرتے ہیں۔ باطنی امور جن کا نام حضور قلب، خلوص نیت، خشوع ہیبت، خوف ورجا کو شریعت میں اخلاص سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس باطنی پہلو کا نام طریقت یا تصوف ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ شریعت اور طریقت کی حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک کام کا ظاہر اور باطن درست ہو۔ یعنی قولاً، فعلاً، اور عملاً انسان کا ظاہر وباطن آراستہ وپیراستہ ہو۔ یہی شریعت اور یہی طریقت یا تصوف ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کے اس حکم کو بحیثیت دلیل پیش کیا جاسکتا ہے:

''كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' (الصف:۳)

(بڑی بیزاری ہے اللہ تعالیٰ کے یاں کہ اگر کہو وہ چیز جو نہ کرو)

نبی کریم ﷺ نے اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

''آدمی مومن نہیں ہوتا جب تک اس کا دل زبان کے مطابق نہ ہو اور اس کی زبان دل کے مطابق نہ ہو اور اس کا قول عمل کے مطابق نہ ہو''۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں: ''اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُه''۔ (قیامت میں سب سے زیادہ عذاب ان عالموں کو ہوگا جنہوں نے اپنے علم سے فائدہ نہ پایا)

یہاں فائدہ سے مراد کوئی دنیوی فائدہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے علم پر عمل نہ کیا اور اپنے کام کے دونوں پہلوؤں کی تکمیل نہ کی۔

شریعت اور طریقت کے سلسلے میں مندرجہ بالا شواہد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ طریقت شریعت سے علاحدہ کوئی شے نہیں ہے بلکہ مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شریعت پر عمل کرنے یا عملی نمونہ بننے اور اس کے باطن کے اسرار

ومعارف کو پانے کا نام طریقت ہے، یہ پہلو چونکہ صوفیائے کرام کی جماعت سے زیادہ تعلق رکھتا ہے، اس لئے صوفیائے کرام کے اقوال اور ان کی تحریروں کو بھی اس کے ثبوت میں پیش کرنا برمحل ہوگا، جس سے قارئین کو شریعت وطریقت کے آپسی ربط وتعلق کو سمجھنے میں آسانی ہوسکے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

''کلام اللہ (قرآن شریف) اور سنت رسول اللہ ﷺ کو اپنا امام بناؤ اور انہیں پر غور خوض کیا کرو اور انہیں پر عمل کیا کرو، اور ادھر اُدھر کی قیل وقال اور بیہود ہوسوں سے فریب نہ کھایا کرو، خدا فرماتا ہے، جو کچھ تم کو رسول ﷺ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے دور رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس کی مخالفت نہ کرو کہ جو احکام اللہ کے رسول (ﷺ) لائے ہیں اور ان پر عمل کرنا چھوڑ دو اور اپنے پاس سے یہ بدعتیں ایجاد کرنے لگو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہ قوم (عیسائیوں) کے حق میں فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی، پھر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو باطل اور جھوٹ سے پاک بتلایا اور فرمایا کہ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے اسی سے بولتا ہے۔ یعنی جو کچھ وہ تمہارے پاس لایا ہے وہ میرے پاس سے ہے۔ نہ کہ اس کی اپنی خواہش سے، پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا اے نبی! تو کہہ کہ اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ خدا تم سے محبت کرے گا''۔

اپنے اس وقول میں شیخ عبدالقادر جیلانی نے یہ واضح طور پر بتایا ہے کہ محبت کا طریق صرف یہی ہے کہ ہر ایک قول اور فعل میں پیغمبر ﷺ کی اتباع کی جائے۔ اسی کو وہ سلوک وتصوف کہتے ہیں۔

علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا موازنہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت کے تین جزو ہیں علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں حصے متحقق نہ ہوں گے شریعت کا تحقق ہی نہ ہوگا۔ اور جب شریعت متحقق ہوگی تو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے گی، جو تمام دنیاوی اور اخروی نیکیوں سے بڑھ کر ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ کی تھوڑی سی خوشی بہت بڑی ہے۔ پس شریعت تمام دنیاوی اور اخروی نیکیوں کی متکفل ہے اور کوئی مطلب شریعت سے باہر نہیں جس کی حاجت ہو، طریقت اور حقیقت جن کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہوئے ہیں۔ یہ دونوں تیسرے حصے کو کامل کرتے ہیں جس کا نام اخلاص ہے، شریعت کے خادم ہیں، پس ان دونوں (طریقت وحقیقت) کے حاصل کرنے سے اصل مقصود شریعت ہی کی تکمیل ہے نہ کہ شریعت کے سوا کوئی دوسری بات''۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

''جو بات ظاہری علوم شرعیہ میں بالا جمال اور بالاستدلال ملتی ہے وہی طریقت میں بالتفصیل اور مشاہدہ سے نظر آتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شریعت کے خلاف کرنا عدم وصول کی علامت ہے۔ یعنی جو کوئی صوفی کہلا کر شریعت کے خلاف کام کرتا ہے۔ یہ سمجھو کہ وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچا''۔

ایک اور موقع پر علماء اور صوفیا کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی علما اور ان بزرگوں کے درمیان صرف اتنا ہی فرق ہے کہ علماء استدلالاً اور علماً جانتے ہیں اور یہ بزرگ کشفاً اور ذوقاً پاتے ہیں۔''

طریقت شریعت کی جان ہے

ہمارے دعوے کی تائید میں مندرجہ بالا دونوں بزرگان دین کی شہادتیں بہت کافی ہیں۔ پھر بھی ہم اور دیگر اکابرین وصوفیائے کرام کے چند اور اقوال بھی یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ قارئین پر ہماری بات اچھی طرح واضح ہوجائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حمید الدین صوفیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ سے ایک بار یہ سوال کیا گیا کہ ''شریعت وطریقت را چگونہ یکے دانم؟'' جواب میں فرمایا: ''چنانکہ تو جان وتن خود را یکے میدانی۔ طریقت جان شریعت است''۔

یعنی سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ شریعت اور طریقت کو میں کس طرح ایک جانوں؟ آپ نے فرمایا کہ جس طرح تو اپنی جان اور تن کو ایک جانتا ہے طریقت شریعت کی جان ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

'ایں راہ کسے را باید کہ کتابِ خدا بر دستِ راست گیرد و سنت مصطفیٰ را بر دستِ چپ و در روشنائی ایں دو شمع میرد و تا نہ در مفاک شبہات افتد و نہ در ظلمت بدعت''۔

(جو شخص اس راہ (راہ سلوک) کو طے کرنے لگے اس کو چاہئے کہ داہنے ہاتھ میں کتاب اللہ اور بائیں ہاتھ میں سنت رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لے اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں سیدھا چلا جائے تاکہ شبہات کے گڑھے اور بدعت کے اندھیرے میں نہ گر پڑے)۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

'' خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کے راستے بند کردیئے گئے ہیں صرف حضرت محمد ﷺ کا راستہ کھلا ہے''۔

ایک جگہ عبودیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عبودیت دوخصلتوں کا نام ہے، ایک خداوند تعالیٰ کے ساتھ ظاہر و باطن صدق اختیار کرنا اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پوری اقتداء کرنا''۔

شریعت جس کو رد کردے وہ خالص کفر ہے

مندرجہ بالا تمام اقوال کے ساتھ حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ قول بہت مشہور ہے جو شریعت وطریقت کے تعلق کے سلسلے میں قول فیصل بھی کہا جاسکتا ہے فرماتے ہیں: كُلُّ طَرِيْقَةٍ رَدَّتْهُ الشَّرِيْعَةُ فَهُوَ زَنْدِقَةٌ (جس طریقے کو شریعت رد کردے وہ خالص کفر ہے)۔

ان تمام مذکورہ بالا بیانات سے شریعت اور طریقت دونوں کے ایک ہونے پر روشنی پڑتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ شریعت کے دو حصے ہیں ظاہر اور باطن، ظاہری اعمال نماز، روزہ وغیرہ ہیں اور باطنی تعلقاتِ خداوندی ہیں جو کہ بندوں کو اس کے خالق سے وابستہ کرتے ہیں، ظاہری اعمال کی درستگی اور ان کے قواعد کی تعلیم کا تعلق علوم ظاہری کے علماء سے ہے، جبکہ باطنی علوم کی تعلیم اس کی پختگی صوفیائے کرام کی تربیت اور ان کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔

صوفی یا متصوف کہلانے کا حق دار ہم اسی کو سمجھیں گے جس کا تعلق باطن خداوند پاک سے مضبوط ہو، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ صوفی وہ ہے جو شریعت کے دونوں حصوں (ظاہری اور باطنی) پر عامل ہو، صرف صوف پوشی یا صوفیانہ وضع اختیار کر لینے ہی سے کسی کو نہ تو صوفی سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ صوفی ہوسکتا ہے، کیونکہ بقول حضرت امام مالکؒ ''صوفی ایک محقق ہے'' وہ شریعت کے سارے پہلوؤں کو نہ صرف پورا کرتا ہے بلکہ انہیں کمال تک پہنچاتا ہے۔ ''مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ''۔

(جو صوفی ہوا اور فقیہ نہ تھا وہ زندیق ہے اور جو کوئی فقیہ بنا تصوف نہ سیکھا وہ بلاشبہ زاہد خشک ہے، اور جس نے دونوں (فقہ اور تصوف) کو سیکھا وہ بلاشبہ محقق ہے، (کیونکہ اس نے شریعت کے سارے پہلوؤں کو پورا کیا اور کمال تک پہنچایا)

صوفیائے کرام شریعت کا صحیح نمونہ ہیں

ایسے کسی شخص کو جو شریعت کے ظاہر و باطنی دونوں حصوں کی تکمیل نہ کرلے اور صاحب شرع یا کامل اتباع شریعت کا دعویٰ کرے، وہ صرف اپنے ہی منہ میاں مٹھو تو بن سکتا ہے مگر کوئی بھی ذی ہوش اس کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرے گا۔

مندرجہ بالا شواہد واقوال پر غور کرنے سے اس نتیجے تک رسائی ہوتی ہے کہ اولیاء کرام یا صوفیائے کرام شریعت کا صحیح نمونہ ہیں، کیونکہ ان لوگوں کی ساری زندگی شریعت حق کے ظاہر و باطن دونوں حصوں کی تکمیل میں ہی گزر جاتی ہے۔ اور اسی کی تاکید قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

''يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً''۔

''اے ایمان والو پورے اسلام پر عمل کرو''۔ (سورہ بقرہ:۲۰۸)

ایک دوسرے مقام پر اس سے بھی صاف الفاظ میں اس مسئلے کو بیان فرمایا ہے کہ بغیر اخلاص کامل جو ارکان شریعت ادا کئے جائیں وہ اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے کافی نہیں ہوسکتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ''۔

(یہ کوئی نیکی کا کام نہیں کہ مشرق یا مغرب کو منہ پھیرا کرو)۔ (سورہ بقرہ:۱۷۷)

یعنی بغیر اخلاص اور بغیر باطن کی تکمیل کے کوئی عمل پورے طور پر ادا نہیں ہوتا، جن نیک بندوں کو اپنے رب کے یہاں قبولیت کی آرزو ہوتی ہے وہ اپنے تمام

اعمال میں اخلاص کی روح پھونکتے ہیں ان کی عبادات میں بڑا جز واخلاص ہی کا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مومنین اپنے تمام شرعی کاموں میں احسان واخلاص کے ساتھ مشغول رہتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صوفیائے کرام جو شریعت کا عملی نمونہ تھے وہ کوئی ایسا کام کرے جو احکام خداوندی اور شریعت کے منافی ہو۔

میرے شیخ حضرت مولانا مصطفیٰ کامل قلندرِ زماں نبیرۂ حضرت گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے ''جو تصوف، طریقت یا شریعت کے کسی بھی امر سے ٹکرائے یعنی خلاف قرآن وحدیث ہو تو وہ ہرگز تصوف یا طریقت نہیں کہلا سکتا وہ صریح گمراہی ہے۔

(محمد ادریس حبان رحیم)

☆☆☆

تصوف

سلطان العارفین شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

شیخ جنید گروہ صوفیہ کے سردار اور بڑے زبردست عالم، فقیہ صوفی اور خطیب تھے، تصوف کی پوری تاریخ پر ان کے زبردست اثرات ہیں، انہوں نے تصوف کو ایک نئی جہت عطا کی اور تصوف کو ایسا رخ اور منہاج دیا کہ بعد میں بعض بے اعتدالیوں کے باوجود متفقہ طور پر تمام صوفیہ دائرہ شریعت سے باہر نہ جاسکے اور تصوف کی اس حقیقت کو مبرہن کرتے رہے کہ تصوف شریعت سے ماوراء کچھ نہیں ہے۔ جو کچھ ہے شریعت کے دائرے میں ہی ہے۔

تصوف کا یہ جنیدی منہاج شیخ جنید کی شخصیت اور ان کے تصورات کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے شریعت کو بہ ہر صورت اولیت دینے اور شریعت کی پابندی کو طریقت کی اصل بنانے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس میں دیگر صوفیہ کا عمل بالکل نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت سے صوفیہ نے اس کے لئے کوشش کی لیکن مجموعی طور پر شیخ جنیدی کی کاوشیں زیادہ ہیں اور انہوں نے جس زور

وقوت اور معقولیت کے ساتھ شریعت کو طریقت پر اولیت اور شریعت کو تصوف کی روح قرار دیا ہے اس کے اثرات زیادہ ہے۔

تصوف کی تاریخ باضابطہ بغداد میں عہد عباسیہ سے شروع ہوتی ہے لیکن تصوف کے افکار پہلی صدی سے پروان چڑھنے لگے تھے چنانچہ بہت سے صحابہ کرام میں ایسے افکار موجود تھے جو بعد میں تصوف کے ارتقاء کے عوامل بنے اور صحابہ کرام کا عمل تو بعد میں ہے خود قرآن حکیم میں ایسی بے شمار آیات ہیں جو صوفیہ کیلئے ہدایت نامہ ہیں۔

چنانچہ قرآن پاک میں بہت سے ایسے اوصاف بیان ہوئے ہیں جو صوفیہ کے یہاں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس طرح بہت سی آیات ہیں جو ان کے افکار لئے بنیاد فراہم کرتی ہیں صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں بعض حضرات ان آیات اور ان اوصاف کو خصوصی اہمیت دینے لگے اور پھر بتدریج ان کی ترجیحات بعض معاملات میں دوسرے مسلمانوں سے الگ ہوگئیں۔

کبار تابعین میں حضرت حسن بصری ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے ایک سرگرم پر عملی زندگی گذارنے کے بعد اپنی زندگی کی ترجیحات تبدیل کیں اور بعض ایسے اعمال جن کو وہ اولین ترجیح دیتے تھے ان کی جگہ بعض دوسرے ایسے اعمال کو ترجیح دینے لگے جو صوفیہ کے لئے بنیاد بنے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ ان کے افکار کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے حضرت علی تک پہنچتا ہے اور ان سے جناب رسول اللہ اکرم ﷺ تک۔ حضرت حسن بصری مفسر اور محدث کی حیثیت سے مشہور ہیں ان کے تلامذہ میں بعض تو بڑے محدث ہیں اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے علم وفضل کی روایت کے بجائے زہد وعبادت کی روایت اختیار کی، زندگی کی آسائشوں کو ترک کیا۔ سادہ لباس اختیار کیا اور لوگوں سے میل جول رکھنے میں بھی بہت فراخ نہ بنے جیسے فرقہ سنجی وغیرہ۔

حضرت حسن بصری کے عہد تک ایسے لوگ زہاد یا عباد یا بکائین (بہت رونے والے) کہلاتے تھے اور اس وقت یہ کوئی روایت بھی نہ بنی تھی، لیکن انکے تلامذہ میں یہ مستقل روایت بن گئی اور انکے تلامذہ میں سے کچھ اسی کے علم بردار بن گئے۔ سادہ لباس میں اکثر اُون کا لباس پہننے لگے جو اس وقت غریبوں کا لباس سمجھا جاتا تھا۔

حسن بصری کے تلامذہ دوسری صدی کے زہاد میں شمار ہوتے ہیں۔ اس صدی میں بعض اور لوگوں نے بھی اس روایت کو فروغ دیا اور تصوف کے افکار میں انفرادیت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ مثلاً اس عہد میں لفظ محبت کا اطلاق زیادہ بڑھ گیا اور اتباع شریعت میں جو محبت کا عنصر ہے اس کو زیادہ اہمیت دینے لگے پھر محبت کا یہ استعمال اتنا بڑھا کہ وہ عبادت جو کسی امید یا خوف کی بنا پر کی جائے وہ عبادت ان لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ قرار پائی اور محبت کا معیار یہ بن گیا کہ وہ محبت جو جنت کی طلب اور جہنم کے خوف سے خالی ہو وہ معیاری عبادت ہے اس طرح کے افکار حضرت ابراہیم بن ادہم نے بیان کئے اور اگر حضرت رابعہ بصریہ کی روایت درست ہے تو انہوں نے اس دور میں جنت کو جلانے اور جہنم کو بجھانے کی بات کہی تھی۔

اس صدی میں لفظ تصوف کا باضابطہ اطلاق بھی شروع ہوگیا اور جو لوگ التزاماً صرف (اون) کا کپڑا پہنتے تھے ان کو صوفی کہا جانے لگا۔

اس صدی میں تصوف کے حوالے سے جو دوسرے افکار پروان چڑھے ان میں زہد کا مخصوص تصور یعنی جائز چیزوں سے بھی کم سے کم انتفاع کرنا اور اس کو اعلیٰ پائے کی دینداری قرار دینا، توکل کا یہ مفہوم کہ وسائل حیات صرف اتنے ہی استعمال کئے جائیں جتنے میں کم سے کم ضروریات پوری ہوجائیں۔ بلکہ بعض نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر دل کا مطمئن ہونا توکل ہے، اس سے عندیہ یہ تھا کہ تلاش رزق کے لئے جدوجہد اور کوششیں توکل کے منافی ہیں۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

دوسری صدی میں یہ افکار پروان چڑھے اور ان کی بنیاد پر مستقل ایک گروہ وجود میں آیا جو پہلے زہاد کا گروہ کہلاتا تھا پھر صوفیہ کا گروہ کہلانے لگا۔

تیسری صدی ہجری میں یہ افکار مزید مستحکم ہوگئے۔ البتہ تیسری صدی میں خود تصوف ایک بڑے دائرہ اور مکتب فکر کے طور پر قائم ہوگیا تھا۔ اس صدی میں دو طرح کے صوفیا تھے: ایک وہ جن کا شیخ جنید سے براہ راست تعلق نہیں تھا۔ دوسرے وہ جن کا شیخ جنید سے رابطہ تو تھا لیکن یہ رابطہ صرف دوستانہ تھا۔ استاذی یا شاگردی کا نہ تھا۔

پہلی قسم میں حاتم اصم، ابوزید بسطامی اور احمد بن عاصم انطاکی اور احمد ابن ابی الحواری وغیرہ چند صوفیہ ہیں دوسری قسم میں صوفیہ کی بڑی تعداد ہے اور بہت سے کبار صوفیہ شامل ہیں۔

شیخ جنید کے آباواجداد نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن مستقل بود و باش بغداد میں اختیار کرلی تھی ان کے والد شیشہ بیچنے کا کام کرتے تھے اس لئے قواریری کہلاتے تھے اور خود شیخ جنید نے کچے ریشم کی تجارت اختیار کی۔ کچے ریشم کو عربی میں خز کہتے ہیں، شیخ جنید اس لئے الخزاز کہلاتے تھے۔ ان کی دکان بازار میں بھی۔ شیخ جنید کی ولادت کے بارے میں اختلاف ہے بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ان کی ولادت ۲۱۰/۸۱۵ء میں ہوئی تھی۔ ان کی تعلیم وتربیت سب بغداد میں ہوئی۔ شروع سے ہی اپنے ماموں سری سقطی کی نگرانی میں رہے۔ بغداد میں علماء وفضلاء کا مجمع تھا انہوں نے بڑے پائے کے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ امام احمد بن حنبل سے تلمذ اختیار کیا۔ ابوعبید قاسم بن سلام سے حدیث پڑھی۔ حارث محاسبی سے کلام کی روایت حاصل کی۔ امام شافعی کے مخصوص شاگرد حسن بن محمد الزعفرانی سے اور امام

ابوثور کلبی سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی صرف ۲۰ رسال کی عمر میں امام ابوثور کے حلقے میں فتویٰ دینے لگے تھے۔

تصوف کی روایت ایک بڑی تعداد سے حاصل کی ان کے ماموں سری سقطی کے علاوہ ابراہیم آجری، ابوحمزہ بغدادی اور محمد بن علی القصاب وغیرہ ۲۶ رلوگوں سے تصوف کے رموز ونکات حاصل کئے۔

ان کے اساتذہ کی تعداد بہت ہے لیکن تلامذہ کی تعداد اور بھی زیادہ ہے اور ان کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے مشائخ علماء اور فقہاء شامل ہیں جیسے مشہور شافعی فقیہ قاضی ابن شریح ان کے شاگرد تھے۔ صوفیہ میں ممشاد دینوری، ابوبکر شبلی، ابومحمد مرتعش، عمرو بن عثمان مکی، ابوالحسن المزین، ابوعلی لرودباری وغیرہ بہت سے مشائخ نے ان سے ارادت وتلمذ اختیار کیا تھا ان کے تلامذہ میں جو نام دستیاب ہوسکے ان کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ ان سب کا تذکرہ اصل مضمون میں موجود ہے۔

شیخ جنید علم وحال کے جامع تھے ان کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کی بڑی تعریف کی ہے مختلف علوم میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی امام غزالی اور بعض دوسرے لوگوں نے فقہ سے متعلق شیخ جنید بغدادی کی بعض رائیں نقل کی ہیں۔ لیکن اصلاً وہ ایک صوفی تھے ان کے ہر رنگ پر تصوف کا رنگ غالب ہے انہوں نے قرآن مجید کی بہت سی آیات اور متعدد حدیثوں کی صوفیانہ تشریحات کی ہیں۔

شیخ جنید بغدادی خلوت نشین یا عزلت گزیں صوفی نہیں تھے بلکہ مکمل سماجی ذمہ داریاں اٹھاتے تھے دوست احباب بھی تھے اور ان کے سماجی تعلقات بھی بہت وسیع تھے۔ بیماروں کی عیادت کرتے، غریبوں کی مدد کرتے اور دیگر مواقع پر لوگوں کے ہمراہ رہتے۔ شیخ جنید بغدادی بڑے ذہین، طباع اور حاضر جواب تھے، تذکرہ نگاروں نے ان کی حاضر جوابی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔

شیخ جنید بغدادی کا انتقال ۲۹۷ھ/۹۱۰ء میں ہوا ان کی وفات ماہ شوال میں جمعہ کے دن شام کو ہوئی اور اگلے دن بروز ہفتہ دفن کئے گئے۔ عبداللہ انصاری نے صراحت کی ہے کہ نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھائی ویسے تو ان کی پوری زندگی زہد وعبادت سے عبارت تھی لیکن آخر عمر میں عبادت سے انہماک زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ۹۰ر سال سے زیادہ کی عمر تھی لیکن اپنے معمولات پوری طرح ادا کرتے رہے۔ جب ان کے مرض میں شدت ہوئی تو لوگ بڑی تعداد میں عیادت کے لئے آنے لگے۔ لیکن ان کے معمولات میں فرق نہیں آیا ابن عطا کہتے ہیں کہ ایک دن میں گیا تو نزع کا سا عالم طاری تھا میں نے سلام کیا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد جواب دیا اور فرمایا کہ میں اپنے ورد میں مشغول تھا۔ شیخ جنید بغدادی کی وفات پر پورا بغداد امڈ آیا مختلف مورخین نے نماز جنازہ میں شریک لوگوں کی تعداد ۶۰ ہزار لکھی ہے۔

شیخ جنید بغدادی کی عبادت وریاضت سے متعلق تذکروں میں بعض ایسی باتیں مذکور ہیں جن کو صرف مبالغہ آرائی پر ہی محمول کر سکتے ہیں۔ مثلاً روزانہ بازار میں جانا اور دکان میں پردہ ڈال کر تین سو نفل یا چار سو نفل پڑھنا، تیس ہزار تسبیحات پڑھنا یا یہ کہ انہوں نے چالیس سال سونے کے لئے کپڑے نہیں اتارے وغیرہ لیکن ان مبالغہ آرائیوں سے قطع نظر وہ بڑے عابد وزاہد تھے کثرت سے نوافل اور اذکار کا اہتمام کرتے تھے تسبیح پڑھتے تھے کسی نے ان کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر اعتراض کیا کہ آپ اتنے بڑے عالم وفاضل ہوتے ہوئے بھی تسبیح کی مالا اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے ذریعہ خدا تک پہنچے اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ شیخ جنید بغدادی بڑے مخیّر تھے ان کی جود وسخا اور کرامت وشرافت کے بہت سے واقعات تذکروں میں موجود ہیں۔

شیخ جنید بغدادی ایک عالم صوفی اور مربی تھے۔ انہوں نے وعظ وخطبہ کے ذریعہ اپنے افکار کی اشاعت کی اپنا حلقہ قائم کر کے لوگوں کی تربیت کی اور خطوط کے ذریعہ اپنے افکار کی اشاعت دوسرے علاقوں تک کی، لیکن تصنیف وتالیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ تصنیف کے نام پر ان کے چند رسائل دستیاب ہیں اولین مصنفین نے بعض ایسی کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جو اس وقت دستیاب نہیں ہے۔ مثلاً امام قشیری نے ایک کتاب جوابات مسائل الشامین کا ذکر کیا ہے۔ ابونصر سراج نے کتاب المناجاۃ کا تذکرہ کیا ہے علی ہجویری نے تصحیح الارادہ کا ذکر کیا ہے لیکن یہ سب کتابیں مفقود ہیں اس وقت ان کے صرف چند رسالے موجود ہیں۔ ان رسالوں کے علاوہ ان کے تقریباً بیس خطوط مکمل یا ناقص شکل میں موجود ہیں اور ان کے ملفوظات بھی مختلف کتابوں میں موجود ہیں۔

شیخ جنید بغدادی کی اولاد میں ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا تذکرہ ملتا ہے لیکن کہیں صراحت نہیں ملتی کہ ان کی اولاد صرف اتنی ہی تھی۔ ان کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے بیٹے کا نام قاسم تھا اور حلیۃ الاولیاء میں ابوبکر کو شیخ جنید کا داماد لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو بیٹی بھی تھی۔

شیخ جنید نے اپنی زندگی میں چند سفر کئے دو مرتبہ یا تین مرتبہ حج بھی کئے اور ان کے بصرہ کا سفر کرنے کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

شیخ جنید تصوف کو بہت اہمیت دیتے ہیں ان کا خیال ہے تصوف اصل حقیقت ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے تصوف سے زیادہ اشرف اور افضل کوئی علم معلوم ہوتا تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر مجھے صوفیہ کے پاس بیٹھنے کے مقابلے اور کوئی مجلس اہم ہوتی تو میں اس میں بیٹھتا۔

طریقت مکمل طور پر شریعت کے تابع ہو

شیخ جنید بغدادی نے تصوف کو از سر نو مرتب کیا ہے انہوں نے معاصر صوفیہ اور دیگر افکار کے مقابلے میں تصوف کو شریعت کے اصولوں پر مدون کیا، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ جنید نے سب سے پہلے تصوف کے قوانین وضع کئے۔ انہوں نے جو بنیادیں قائم کیں ان میں پہلی بنیاد یہ تھی کہ طریقت کو مکمل طور پر شریعت کے ماتحت ہونا چاہئے۔ اصل بنیاد قرآن وسنت ہے اور ہمارا علم تصوف بھی اسی سے مضبوط ہے اور اسی میں مقید ہے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ سالک کو اپنی عملی زندگی میں مکمل پابند شریعت ہونا چاہئے اگر اس کی زندگی میں اول سے آخر تک کہیں بھی ترک عمل کا رجحان ہے تو وہ بڑی کوتاہی ہے شریعت پر پابند رہنا اور ہمہ وقت عمل کرتے رہنا ہر سالک کے لئے ضروری ہے۔

ان کے تصوف کی تیسری بنیاد توازن ہے۔ سالک کو عبادات میں اور معاشرت وغیرہ ہر پہلو میں میانہ رو ہونا چاہئے۔ عبادات میں استھلاک یا ذکر ومراقبہ کے ذریعے نئے جہانوں کی سیر کی خواہش ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

اس کے ساتھ ایک اہم مسئلہ زہد کا ہے عام طور پر صوفیہ زہد کے نام پر ترک دنیا کی تعلیم دیتے رہے ہیں لیکن شیخ جنید بغدادی نے ترک دنیا کی دعوت نہیں دی۔ بلکہ زہد کی تعریف یہ بیان کی کہ دل میں دنیا کو چھوٹا جاننا، ورنہ وہ خود تجارت کرتے رہے اور اپنے متوسلین کو نصیحت کرتے رہے کہ حلال کمائی کے ذریعہ رزق تلاش کرو اور حرام سے بچو۔ شیخ جنید کے تصوف کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں عزلت گزینی اور معاشرہ کو چھوڑ کر گوشہ گیر ہو جانا یا اولاد وازواج کو ترک کر دینا ناپسندیدہ

ہے وہ معاشرے میں رہنے اور معاشرتی ذمہ داریاں اٹھانے کو دینی فریضہ قرار دیتے ہیں اور معاشرت کی ضرورت بھی قرار دیتے ہیں۔

شیخ جنید کے تصوف کا ایک اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ کرامات کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور کرامات کو حجاب قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں کشف والہام کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے فرماتے ہیں الہام توفیق کا نام ہے یعنی کوئی نیک کام کر لیا یہی الہام ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ابوعبدالرحمٰن سلمی نے آداب الصوفیہ وحسن العشیرہ میں شیخ جنید کے تصور اور تصوف کی وضاحت کی ہے اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ جنید سماع کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ وہ مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے لیکن ان سے وجد میں آنا رقص کرنا ثابت نہیں ہے۔

تصوف عقیدۂ توحید کے مطابق

شیخ جنید بغدادی کے عہد میں اسلام کے اندر زبردست فکری تنوع اور نظریات اختلافاتی تھے۔ ان اختلافات کے درمیان تصوف کا بھی ایک نقطہ نظر تھا اور تصوف میں خود بھی بڑی رنگارنگی اور تنوع تھا۔ شیخ جنید بغدادی کا اصل مقام یہ ہے کہ ان شدید اختلافات اور نظریاتی تنوع کے درمیان انہوں نے تصوف کی ایسی مستحکم بنیادیں قائم کی کہ تصوف آج تک موجود ہے اور اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے ورنہ ہر فکر اور ہر نظریہ جو اس وقت رائج تھا آج قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ شیخ جنید بغدادی کی تاریخ تصوف میں اصل اہمیت یہی ہے کہ انہوں نے تصوف کو پائیداری اور استحکام بخشا اور ہزاروں اختلافات کے درمیان اصل بات کو شناخت کر لیا:

درمیان شرع وحکمت باہزاراں اختلاف
نکتہ ہرگز نہ شد فوت از دل دانائے تو

شیخ جنید بغدادی نے تصوف کے سلسلے میں جو توضیحات کی ہیں ان میں سے اہم توضیح ان کا تصور توحید ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ توحید کا مطلب ہے قدیم کو حادث سے الگ کرنا یعنی یہ یقین کرنا کہ جو حادث ہے وہ اس سے کلیۃ الگ ہے جو خالق و مالک ہے۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں وہ ہر ایک کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے۔ بعض لوگوں جیسے آرسی زیز اور لوئس مسینوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیخ جنید توحید فعلی کے قائل تھے، حالانکہ ان کی فکر مکمل طور پر شریعت کے تابع تھی اور وہ بندے کے افعال کا خالق تو اللہ کو مانتے تھے لیکن فاعل خود انسان کو مانتے تھے اس لئے انسان کو سزا و جزا بھی ہے، ورنہ اگر ہر فعل کا فاعل بھی اللہ تعالیٰ کو قرار دیا جائے تو سزا و جزا بے معنی ہو جاتی ہیں۔

تصوف کا امتیازی پہلو فنا اور بقاء

شیخ جنید تصوف کے امتیازی پہلوؤں میں فناء اور بقاء کو بھی قرار دیتے ہیں۔ شیخ جنید کا زور اس پر ہے کہ اپنے طبعی تقاضوں کو فناء کر کے ہمہ وقت عمل میں رہنا اور پھر اپنے اوصاف کو بھی محو کر دینا فناء ہے۔ یہ فناء ہے کہ ہر چیز میں حق کا مشاہدہ کرے اور غیر حق سے کلیۃ بے نیاز ہو جائے۔ شیخ جنید کی نظر میں فناء ذات الٰہی میں مدغم ہو جانے یا انفرادیت کو ختم کر کے ذات واجب الوجود میں ضم ہو جانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اپنے برے اوصاف کو فناء کر کے اوصاف حسنہ کو باقی رکھنے اور خوبیوں کے پروان چڑھانے کا نام ہے۔

شیخ جنید کے تصور تصوف کی وضاحت میں ایک بات مورخین نے یہ لکھی ہے کہ ان کا نظریہ توحید میثاق الست پر مبنی تھا، یعنی انہوں نے عہد الست کو توحید کا معیار قرار دیا اور عہد الست کا مطلب یہ لیا کہ جس طرح انسان اس دنیا میں آنے

سے قبل الست کے دن ذہن الٰہی میں ایک خیال تھا اس طرح دوبارہ شعوری طور پر ذہن الٰہی میں خیال بن جانا سالک کی غایت ہے لیکن شیخ پر یہ ایک ادعا ہے انہوں نے یہ بات کبھی نہیں کہی بلکہ انہوں نے عہد الست کو ایک طبعی اور ظاہری واقعہ مراد لیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح قرآن وسنت میں مذکور ہے۔ وہ ذہن الٰہی میں خیال ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔

دراصل ان سے کسی نے پوچھا کہ میثاق الست کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے تفصیل سے اس کا جواب دیا اس جواب میں بعض عبارتوں سے ذہن الٰہی میں خیال ہونے کی بات مستنبط کی گئی ہے۔ حالانکہ وہ اسکے قائل تھے کہ عہد الست میں بندہ جس طرح موحد تھا کہ اسکے سامنے سوائے معبود برحق کے کوئی اور معبود نہیں تھا۔ اسی طرح موجودہ زندگی میں اسی درجہ کی توحید کا اعتراف مطلوب ہے، میثاق الست توحید کی حقیقت کیلئے ایک معیار ہے اور اس کی تشریح کا ذریعہ ہے۔

تصوف کا طرۂ امتیاز صحو یعنی ہوشمندی ہے

شیخ جنید بغدادی کے تصوف کا طرہ امتیاز صحو ہے یعنی ہوشمندی راہ سلوک میں جو سکر یا مدہوشی سالک پر طاری ہوتی ہے وہ شیخ جنید کی نظر میں کم تر درجہ ہے۔ سالک کو ہوشمند رہنا چاہئے اگر اس پر سکر یا مدہوشی کا غلبہ جمع کے نتیجہ میں ہو بھی جائے تو اس کو فرق ثانی کی طرف عروج کرنا چاہئے ورنہ اس کا سلوک ناقص رہے گا۔ شیخ جنید نے سکر کو جنون سے تعبیر کیا ہے اور سکران صوفیہ کو مجنون کہتے ہیں۔

سکر کے نتیجہ میں سالک کی زبان سے ہتک آمیز کلمات کا صدور ہوتا ہے۔ اس کو شطح کہتے ہیں۔ شیخ جنید شطحات کے بہت خلاف نہیں ہیں، سالک پر یہ کیفیت طاری ہو سکتی ہے اسی لئے شطحات کی بنیاد پر کسی کو مطعون بھی نہیں کیا جا سکتا بشرطیکہ

اس کا سکر حقیقی ہو اور شطحات کا صدور غیر اختیار ہو، البتہ اگر شطحات شعوری کوشش کا نتیجہ ہیں تو شیخ جنید ان پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ خود شیخ جنید سے شطحات کا صدور نہیں ہوا روز بہان بقلی نے چند جملے نقل کئے ہیں لیکن وہ شطح نہیں ہیں۔

شیخ جنید بغدادی پابند شریعت صوفی تھے اگر چہ فقہی موشگافیوں سے وہ پرہیز کرتے تھے لیکن سماع کے بارے میں انکا رویہ حوصلہ افزا نہیں تھا، وہ تنقید کرتے تھے اور اصحاب سماع صوفیہ کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن سماع کے کلیۃ مخالف نہیں تھے خود بھی کبھی کبھی مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے، سماع کے نتیجہ میں سالک پر کبھی کبھی وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کا اظہار وہ رقص کی شکل میں کرتا ہے۔ شیخ جنید پر اس طرح کی کیفیات کبھی طاری نہیں ہوئیں۔ صوفیہ نے مختلف امور میں اپنے مخصوص افکار کا اظہار کیا ہے ان کو عام طور پر احوال اور مقامات کہا جاتا ہے احوال ومقامات کے بارے میں شیخ جنید کی آراء شریعت کے دائرہ کے اندر ہیں وہ احوال کو اپنے اعمال کا محاسبہ اور مقامات کو اعمال کے نتیجہ میں وارد ہونے والی کیفیات قرار دیتے ہیں۔

تصوف کی تاریخ میں عین القضاۃ ہمدانی ایک عظیم شخصیت ہیں صرف ۳۳ر سال کی عمر پائی لیکن اس کم عمری میں غیر معمولی کارنامے انجام دیئے وہ سکر کی روایت کے پاسدار ہیں اور عملی طور پر اشراقی صوفیہ کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیفات میں بعض ایسے جملے بھی استعمال کئے ہیں جو شریعت کی میزان میں پورے نہیں اترتے، لیکن وہ بھی شیخ جنید کو بطور استشہاد پیش کرتے ہیں اور انہوں نے سبھی کتابوں میں شیخ جنید کی آراء نقل کی ہیں۔ اگر چہ ان کے یہاں بعض آراء ایسی بھی ہیں جن کا انتساب شیخ جنید کی طرف مشکل ہے۔

تاریخ تصوف کی سب سے عظیم شخصیت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اگر چہ اپنے مشاہدات اور نتائج افکار کو زیادہ بیان کرتے ہیں لیکن انہوں نے بھی شیخ جنید

کا کئی جگہ تذکرہ کیا ہے خاص طور پر فصوص الحکم میں لون الماء لون الاناء (جو پانی کا رنگ وہی برتن کا رنگ) کی بڑی خوبصورت تشریح کی ہے۔ البتہ شیخ کے بعض افکار پر تنقید بھی کی ہے۔

جنید بغدادی مشائخ الاسلام اور ائمہ الہدیٰ ہیں

ابن تیمیہ عظیم مصلح اور مجدد اسلام ہیں انہوں نے تاریخ میں شیخ جنید کو سب سے بلند مقام دیا ہے وہ ان کو مشائخ الاسلام اور ائمہ الہدیٰ میں شامل کرتے ہیں اور ان کے اقوال بطور استشہاد نقل کرتے ہیں ابن تیمیہ نے شیخ جنید کے افکار اپنی مختلف کتابوں میں پیش کئے ہیں اور ان کو اصل تصوف کا نمائندہ قرار دیا ہے، ابن تیمیہ کے شاگرد ابن القیم الجوزیہ نے بھی شیخ جنید کا ذکر بڑی اہمیت سے کیا ہے خاص طور پر مدارج السالکین میں ان کے اقوال بکثرت نقل کئے ہیں، اپنی دوسری کتاب کشف الغطاء میں شیخ جنید کو نقل کیا ہے البتہ سماع کے مسئلہ میں شیخ جنید پر تنقید کی ہے۔

ہندوستان ایک عظیم ملک ہے اس میں تصوف کی روایت بھی بہت عظیم رہی ہے خواجہ اجمیری شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ احمد سرہندی، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اس سرزمین پر بھی شیخ جنید بغدادی کے بڑے اثرات مرتب ہوئے شیخ نظام الدین اولیاء کی کتاب فوائد الفواد میں شیخ جنید کے بہت سے واقعات بطور استشہاد درج ہیں ان کے پیر شیخ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں کہ ہم شیخ جنید کے متبع ہیں شیخ احمد سرہندی پر شیخ جنید کے اثرات بہت واضح نظر آتے ہیں انہوں نے در اصل تصوف کو انہی خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی جو شیخ جنید نے وضع کئے تھے۔ انہوں نے فرق ثانی پر زیادہ زور دیا اور کشف وکرامات کی اہمیت کم کی اور مقام شہود کی حقیقت کو واضح کیا کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ ایک کیفیت ہے جو زائل ہو جاتی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پر شیخ جنید کے اثرات اتنے واضح تو نہیں ہیں لیکن انہوں نے اپنی تصنیفات میں اس کا جا بجا اعتراف کیا ہے کہ شیخ جنید بغدادی تصوف کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت ہیں اور باقی تمام لوگ شیخ جنید کے متوسلین میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صوفیہ کے درمیان ذوق اور اذکار کا خاصا اختلاف ہے لیکن ان کے باوجود نسب میں وہ سب شیخ جنید پر متحد ہیں۔

ہندوستان کے اور صوفیہ پر بھی شیخ جنید کے اثرات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ شیخ جنید کی شخصیت تاریخ تصوف کی وہ عظیم شخصیت ہے جس نے تصوف کی تاریخ اور افکار کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔

ہندوستان میں علمائے دیوبند کے سرخیل اور سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ شیخ جنید درحقیقت سلطان العارفین ہیں اور طریقت کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جس کا تصور محال ہے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرۂ حضرت مولانا الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی اعرابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہی حالانکہ محدثِ کبیر تھے اور سختی سے شریعت کی پیروی فرماتے تھے لیکن ایک بار ایسا ہوا کہ خانقاہ کے عقب سے کچھ غیر مسلم عورتیں گلی سے گذرتی ہوئی گیت گاتی جارہی تھیں۔ اس میں ایک جملہ تھا سیّاں میں تو یہاں بھی تیری وہاں تیری حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو بے خود ہو گئے وجد کی کیفیت ہوگئی لیکن جذب غالب تھا فوراً حجرہ میں چلے گئے جب کیفیت ختم ہوئی تو باہر آئے حاضرین نے دیکھا کہ حضرت گنگوہی کی آنکھیں سوج گئی تھیں اور بے خودی یعنی عشقِ خداوندی کا غلبہ تھا۔ ایک آہ بھری فرمایا، شریعت کا پاس نہ ہوتا تو آہ و بکا کرتا اور خلوت نشیں ہو جاتا۔ اللہ اکبر! اتباع سنت کا کیسا لحاظ تھا۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشاہیر اسلام میں ایک خاص مرتبہ ہے، اس مرتبہ کو بہت کم علماء پہنچ سکے ہیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شریعت اور طریقت دونوں راہوں کے امام تھے علوم شرعیہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست علمی اضافے کئے اور بہت تھوڑے عرصہ میں انہوں نے اپنے ہم عصر علماء سے لوہا منوالیا۔ حالاں کہ ہم عصر علماء اپنے کسی ہم مشرب کے علمی قد کو گھٹا کر دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ہم عصر علماء نے ان کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد بن احمد ہے، غزالی ان کا لقب ہے وہ بہت زیادہ ذہین تھے اور حصول علم کے بے پناہ شوقین، علم حاصل کرنے کا شوق ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لئے پھرتا رہا اور وہ علم کی پیاس بجھاتے رہے لیکن علم سے وہ سیراب نہیں ہو پاتے تھے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ڈاکوؤں کا بڑا زور تھا راستے بہت دشوار تھے بلکہ چالیس پچاس اور سو سو آدمیوں پر مشتمل قافلے ایک شہر سے دوسرے شہر جایا کرتے تھے لیکن ڈاکو پھر بھی قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی

علم کے حصول میں کسی شہر کے ایک ایسے ہی قافلے کے ساتھ تھے کہ ڈاکوؤں نے قافلہ لوٹ لیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کاغذات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا جس میں انہوں نے اسباق لکھ رکھے تھے ڈاکوؤں کو ان کے پاس کچھ اور نہیں ملا تو یہ قیمتی کاغذات ہی ان سے چھین لئے اور امام صاحب دم بخود تمام عمر کا قیمتی سرمایہ چند منٹوں میں ضائع ہوجائے گا یہ سوچ کر نہایت غمگین ہوگئے۔

جب ڈاکو لوٹ مار سے فارغ ہوئے تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حوصلہ کیا اور ڈاکوؤں کے پاس گئے انہوں نے ڈاکوؤں کے سردار کو مخاطب کیا۔ میرے پاس نہایت قیمتی کاغذات تھے جن کو تمہارے ساتھیوں نے لوٹ لیا ہے وہ تمہارے کسی کام کے نہیں ہیں البتہ وہ میری اب تک کی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں خدا کے لئے وہ کاغذات مجھے واپس کردو۔

ڈاکوؤں کا سردار تعجب سے بولا ارے بھائی! آخر وہ ایسے کیسے کاغذات ہیں کہ تم اس قدر پریشان ہو۔ امام صاحب نے کہا ان کاغذات کے اندر میرا علمی خزانہ ہے سردار طنزیہ انداز میں بولا ''بہت خوب تمہارا علم بہت تعجب ہے بھلا علم بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کو چور ڈاکو چھین سکیں علم تو سینہ کے اندر ہوتا ہے جس کو کوئی نہیں چھین سکتا تم نے اپنا علم کاغذوں کے پلندہ میں بند کر رکھا ہے۔

سردار کی بات نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا وہ فوراً وہاں سے بغیر کاغذات لئے ہوئے پلٹ پڑے اور پورے انہماک سے علم کے حصول میں مشغول ہوگئے آپ بغداد کی بڑی دینی درسگاہ نظامیہ میں سب سے کم عمر مدرس تھے کئی سال تک اس مشہور درسگاہ میں اپنے علم کے موتی بکھیرتے رہے اور پھر استعفیٰ دے کر مدینہ منورہ حاضر ہوگئے، جس وقت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ پہنچے ان کی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی اور مسلم حکومتیں آپ کو بلا رہی تھیں لیکن امام

غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حکومتوں کی درخواستوں پر آستانہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر رہنے کو ترجیح دی اور کچھ دن تک درس حدیث دیتے رہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شاہوں اور عمال سے بچتے رہے اور علوم دینیہ کی ترویج میں مشغول رہے انہوں نے حج کے موقع پر مقام ابراہیم کے بالمقابل کھڑے ہوکر عہد کیا کہ میں اب کبھی کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ کسی بادشاہ کا کوئی عطیہ بھی قبول نہیں کروں گا انہوں نے پکا ارادہ کرلیا کہ میں بحث ومناظرہ سے بچ کر تصنیف وتالیف میں مصروف ہوجاؤں گا۔

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عہد نے دنیائے اسلام کو بڑی گراں قدر تصانیف عطا کیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سو کتابوں سے زیادہ لکھیں اور جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس کا حق ادا کردیا پوری دنیا نے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا اور عالم اسلام کو ان کی تصانیف سے زبردست فائدہ پہنچا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم شرعیہ میں بے بہا اضافہ کیا ان کا زبردست کارنامہ یہ بھی ہے کہ علوم طریقت کو بھی وہ اپنے منفرد انداز میں دنیا کے سامنے لائے انہوں نے طریقت میں خوش فہمیوں، کج فہمیوں اور بیجا اضافوں کو مسترد کردیا اور اسلامی شریعت روحانیت اور طریقت کی جہاں تک اجازت دیتی ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں باتوں کی نشاندہی کی۔ امام صاحب نے بادشاہوں کو نصیحتیں کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھائی محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے آپ سے ایک مرتبہ درخواست کی کہ کچھ نصیحت فرمائیں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بلاخوف اور لاگ لپیٹ کے کہا:

اے بادشاہ! اس بات کو نہ بھول کہ تو جس حکومت پر قابض ہے، وہ تیری ہے بلکہ یہ اللہ کی ایک امانت ہے، یہ بات بھی ذہن نشین کرلے کہ اللہ کے حقوق نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج میں کوتاہی تو معاف ہوسکتی ہے کیوں کہ اللہ ان کو خود معاف کرے

گا۔ یہ اس کے حقوق میں ہیں اور وہ غفور الرحیم ہے لیکن وہ بندوں کے حقوق کسی صورت میں بھی معاف نہیں کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصاف کرنے میں بہت محتاط تھے مگر تم اپنی رعایا سے لاپرواہ ہو، حکمراں کے لئے یہی ضروری نہیں کہ وہ ظلم نہ کرے بلکہ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ اس کے عمال بھی ظلم نہ کریں کیوں کہ قیامت کے دن حکمراں کو اپنی رعایا کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔ (اولیاء کاملین)

☆☆☆

مولوی اور صوفی - شریعت اور طریقت

مولوی مولیٰ کی طرف سے نسبت ہے یعنی مولا والا، یائے نسبتی سے مولا کا الف واؤ بن گیا جیسے کہ عیسیٰ سے عیسوی اور موسیٰ سے موسوی ایسے ہی مولا سے مولوی۔ صوفی صوف سے بنا جس کے معنی ہیں پشمینہ یا اون چونکہ پچھلے صوفیائے کرام کمبل وغیرہ اونی اور سادے کپڑے استعمال کرتے تھے اس لئے ان کا لقب صوفی ہوا یعنی کمبل پوش یا اونی لباس والے۔

یہ تو ان لفظوں کی تحقیق تھی اب ان حضرات میں کیا فرق ہے ملاحظہ ہو:

(۱) قرآن کریم کے کچھ ظاہری معنی ہیں اور کچھ باطنی راز (دیکھو مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن وغیرہ) اس کے ظاہری معنی پر بحث کرنے والا مولوی اور باطنی اسرار سے گفتگو کرنے والا صوفی۔

(۲) دینی علم دو ہیں علم ظاہری یعنی شریعت، علم باطن یعنی طریقت، شریعت کا عالم مولوی اور باطن کو جاننے والا صوفی۔

(۳) انسان کے اعضاء دو قسم کے ہیں: ظاہری ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ اور باطنی دل و دماغ وغیرہ، ظاہری کی اصلاح کرنیوالا مولوی اور باطن کو سنبھالنے والا صوفی۔

واقعہ: ایک بادشاہ نے چینی اور رومی کاریگروں کو بلا کر کہا کہ تم ہمیں اپنا اپنا کمال دکھاؤ۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہمیں ایک بند کمرہ دے دیا جائے جس کی دو دیواروں پر علاحدہ علاحدہ ہم دونوں کام کریں گے مگر بیچ میں پردہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ چینیوں نے تو اپنی دیوار پر نقش ونگار کر کے اس کو چمن بنا دیا، رومیوں نے اپنی دیوار کی گھسائی کر کے اسے آئینہ کر دیا، ان کی فراغت کے بعد بادشاہ ان کا امتحان لینے پہنچا اور حکم دیا کہ پردہ ہی کا جھگڑا ہے تو اسے پھاڑ دو اور پھر مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ پردہ اٹھتے ہی جب دیواریں مقابل ہوئیں تو چینیوں کے نقش ونگار رومیوں کی دیوار میں نظر آنے لگے کیونکہ وہ مثل آئینہ کے تھی۔ حق تعالیٰ بادشاہ ہے، انسان بند کمرہ ہے مولوی چینی کاریگر جو کہ شریعت کی اتباع کرا کر انسان کے ظاہری اعضاء پر نقش ونگار کرتا ہے صوفی رومی کاریگر جو کہ الا اللہ کی ضربوں اور مراقبوں کے ذریعہ دل میں جلا دیتا ہے۔ سانس کا ہی پردہ ہے جب یہ زندگی کا پردہ اٹھا اور انسان کی موت آئی تو مولوی کے سارے نقوش اس صاف آئینہ میں جگمگانے لگے، اسی کا قبر میں امتحان ہے وہاں نماز، روزہ کا سوال نہیں، یار کے پہچاننے کا امتحان ہے کہ اس ہرے گنبد والے کو پہچانو کہ وہ کون ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تمہارا آئینہ دل، کاشانہ یار ہے یا خانہ اغیار۔

(۴) مولوی وہ جو کلام کا منشا سمجھے، صوفی وہ جو کلام کا جذبہ پہچانے، دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے رب نے فرمایا تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ کیا رب کو خبر نہ تھی کہ ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہے؟ منشا کچھ اور بھی تھا۔ مولوی کہتا ہے کہ یہ سوال آئندہ گفتگو کی تمہید تھی کہ وہ جواب میں عرض کریں کہ لاٹھی ہے اور پھر رب فرمائے کہ اچھا اسے پھینک دو تو کلیم اللہ پھینکیں، وہ سانپ بن جائے تا کہ اس لاٹھی کی تاثیر موسیٰ علیہ السلام یہاں ہی دیکھ لیں، ایسا نہ ہو کہ فرعون کے یہاں پہنچ کر یہ تاثیر ظاہر ہو اور خود ڈر جائیں۔ صوفی

کہتا ہے کہ اس کلام کا جذبہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس وادی محبت میں نیا قدم رکھا ہے، ابھی اگر ان سے کوئی اجنبی بات فرمائی گئی تو شاید انہیں اضطراب ہو پہلے ان کی لاٹھی کا ذکر کیا گیا جو، ان کی عرصے کی ساتھی تھی تا کہ کلام سے وحشت نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع کو غنیمت جانا کہ آج مجھ پر یہ کرم ہے کہ خالق اپنی ہم کلامی سے مجھے نواز رہا ہے تو کلام کو طول دینے کے لئے عرض کیا کہ مولیٰ! یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور بہت سے کام کرتا ہوں، چاہتے یہ تھے کہ رب یہ پوچھ لے کہ تم اور کیا کام کرتے ہو؟ تا کہ اس بہانہ سے ساری زندگی اس کلام میں گزار دوں۔ جب اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی ہے تو جواب سننا ہی پڑے گا، وہ کلام کا منشا تھا اور یہ ہوا جذبہ۔

(۵) مولوی وہ جو بتا کر سمجھائے اور صوفی وہ جو دکھا کر مسئلہ حل کر دے۔

واقعہ: حج میں میرے ساتھ ایک پنجابی بزرگ تھے جن کا نام تھا صوفی محمد حسین، وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ ایک بار میں شاہ عبدالحق مہاجر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ ہمارا مدینہ بھٹی ہے جیسے کہ بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے ایسے ہی زمین مدینہ نااہل کو اپنے سے نکال دیتی ہے حالانکہ مرتد اور منافق بھی مدینہ پاک میں مر کر یہاں ہی دفن ہو جاتے ہیں پھر اس حدیث کا مطلب کیا؟ شاہ صاحب نے مجھے کان پکڑ کر نکلوا دیا۔ میں حیران تھا کہ مجھے کس قصور میں نکالا گیا؟ رات کو خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ کے قبرستان یعنی جنت البقیع میں کھدائی ہو رہی ہے اور اونٹوں پر باہر سے لاشیں آ رہی ہیں اور یہاں سے باہر جا رہی ہیں، میں ان لوگوں کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ بولے کہ جو نااہل یہاں دفن ہو گئے ہیں ان کو باہر پہنچا رہے ہیں اور عشاق مدینہ کی ان لاشوں کو جو اور جگہ دفن ہو گئی ہیں یہاں لا رہے ہیں

اور دوسرے دن پھر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ اب سمجھے حدیث کا مطلب! یہ ہے اور کل تم نے مجھ سے اغیار میں اسرار پوچھے تھے جس کی تمہیں سزا دی گئی تھی۔

(۶) مولوی وہ جس کی گفتار سے مسائل حل ہوں صوفی وہ کہ جس کے دیدار سے منازل طے ہوں مگر خیال رہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

مولانا فرماتے ہیں:

لوح محفوظ است پیشانی یار
راز پنہاں می شود زآں آشکار

ایک جگہ فرماتے ہیں:

اے بقائے تو جواب ہر سوال

(۷) مولوی وہ جو دلائل سنا کر سائل کی مسائل میں تسلی کرے، صوفی وہ جو مطلوب تک پہنچا کر بذریعہ کشف تشفی کردے کہ جہاں دلائل کی ضرورت ہی نہ رہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مرد حال شو
زیر پائے کاملے پامال شو

(۹) مولوی وہ جس پر اطاعت غالب ہو، صوفی وہ جس پر عشق غالب ہو۔

نہ مسجد میں نہ کعبہ میں نہ بیت اللہ کے سائے میں
نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

(۱۰) مولوی وہ جو شریعت کا کھلا ہوا راستہ طے کرے، صوفی وہ جو طریقت کا نہایت تنگ، دشوار اور پیچیدہ راستہ کو قطع کرے اور وہاں پہنچے جہاں سے نہ لوٹے:

یہ حکم ہوا ہے کہ کوئی آنے نہ پائے
اور جو کوئی آجائے تو پھر جانے نہ پائے

(۱۱) مولوی وہ جو اپنے کو سب پر ظاہر کرے اور شور مچاتا، سب کو بلاتا منزل مقصود کو جائے۔ صوفی وہ جو اپنے کو چھپائے اور سوائے راز دار کے کسی کو نہ بلائے، گویا مولوی شاہی نشان ہے اور صوفی پردہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم ملے ایک کو تو سب میں پھیلا دیا دوسرے کو میں ظاہر کروں تو مارا جاؤں۔ (بخاری و مشکوٰۃ کتاب العلم)

(۱۲) مولوی وہ جو عبادات کا قالب تیار کرے، صوفی وہ جو عبادات کا قالب بنائے اور ان میں روح پھونکے، نماز کے شرائط ادا مولوی بتائے گا اور شرائط قبول صوفی سے معلوم ہوں گے۔

(۱۳) حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جو میلے کچیلوں کو صاف کرے اور خود ان سے گدلا یا میلا نہ ہو۔ (اخبار الاخیار شریف) خیال رہے کہ تھوڑا پانی گندے کو پاک نہیں کرتا بلکہ اس کی گندگی سے خود گندا ہو جاتا ہے۔ اور دریا تمام میلوں کو اجلا، گندوں کو پاک بنا دیتا ہے مگر خود نہ گدلا ہو، نہ میلا، نہ نجس۔ ان صوفیائے کرام میں کوئی تالاب ہے، کوئی دریا، حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمندر جہاں سے سارے دریا بنتے ہیں اور پھر سارے دریا وہاں ہی گرتے ہیں۔ خیال رہے کہ بعض حضرات شریعت و طریقت کے جامع گزرے، جیسے مولانا جامی اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور بعض حضرات وہ ہیں جو علم ظاہر میں مشہور تھے جیسے ملا علی قاری اور امام فخر الدین رازی۔ مولانا فرماتے ہیں:

گر بہ استدلال کار دیں بودے
فخر رازی راز دار دیں بودے

بعض وہ حضرات ہیں جو صرف تصوف میں مشہور ہوئے اور ان سے فیوض باطنی جاری ہوئے جیسے حضرات امام العارفین محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہم کو شریعت وطریقت دونوں کی ضرورت ہے، یہ دونوں چیزیں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں کہ اگر ایک پہیہ بھی نہ ہو تو گاڑی بیکار۔ ہم عالم دین کے بھی محتاج اور شیخ طریقت کے بھی۔

کسی نے عاشقِ رسولؐ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ اور حضور غوث پاک میں سے افضل کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شریعت کے امام اعظم ہیں اور یہ طریقت کے امام اعظم، تجھے اس فرق کی کیا ضرورت؟ تو دونوں ہی آنکھوں کا حاجت مند ہے۔ وہ بولا اچھا! یہ بتا دیجئے کہ ان میں داہنی آنکھ کون ہیں اور بائیں کون؟ آپ نے فرمایا اس سلسلہ میں سارے داہنی ہی ہیں بائیں کوئی نہیں۔ سبحان اللہ! کیا حکیمانہ جواب ہے؟ فضیلت ایک محکمہ کے حکام میں نہیں دیکھی جاتی، واسرائے یا کمانڈر انچیف یا کپتان پولیس اور سول سرجن میں اعلیٰ ادنی کیسا۔ یہ دونوں اپنے اپنے محکمے میں چوٹی کے حکام ہیں اور ہر ایک کو دوسرے سے تعلق، کپتان صاحب سول سرجن سے علاج کراتے ہیں اور سول سرجن کپتان سے چوری کی تحقیقات۔ اسی طرح علماء صوفیا سے بیعت ہوتے ہیں اور صوفیاء علماء کے شاگرد۔ ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ اس بحث میں پڑیں۔

خیال رہے کہ صوفیاء اولیاء اور علمائے حق تا قیام قیامت اسلام کی حقانیت اور مذہب اہلسنت کے برحق ہونے کی زندہ وجاوید دلیلیں ہیں کیونکہ یہ حضرات درخت اسلام کے پھل، پھول ہیں اور اسی درخت میں پھل، پھول ہوتے ہیں جن کی جڑ زندہ ہو۔ دیکھو بنی اسرائیل میں صدہا اولیاء وعلماء حق ہوئے مگر جب سے ان کا دین منسوخ ہوا تب سے ان میں کوئی ولی نہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تا قیامت ہے لہٰذا

قیامت تک یہ جماعتیں رہیں گی نیز اسلام کے تہتر فرقوں میں سے مذہب اہل سنت کے اولیاء صوفیا جیسے کسی مذہب میں نہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی اصل اصول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق ہے، باقی تمام مذاہب سوکھی ہوئی شاخیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ" اور فرماتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ .

اسی جماعت میں رہو جس میں یہ سچے لوگ یعنی علمائے حقانی، اولیاء صوفیا ہوں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . (ماخوذ از تفسیر نعیمی جلد اول)

☆☆☆

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

جب کسی شخص نے ان سے (حضرت پیران پیرؒ سے) دریافت کیا کہ آخر وہ کون سا محرک تھا جس نے آپ کو روحانیت کے اس عظیم مرتبہ پر پہنچایا تو آپ نے جواب دیا ''(قول وفعل میں) سچائی'' جس کا میری والدہ ماجدہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل واقعہ انہوں نے بیان کیا ہے:

ایک دن عیدالضحیٰ کے موقع پر میں اپنے کھیتوں کی طرف گیا تا کہ (بیلوں کے ذریعہ کی گئی) جوتائی میں معاون بن سکوں۔ جوں ہی میں بیلوں کے پیچھے چلا انہوں نے اپنا سر میری طرف موڑا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''آپ کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے''۔ میں ڈر گیا اپنے گھر کی طرف دوڑا اور گھر کی کشادہ چھت پر چڑھ گیا جیسے ہی میں نے باہر کی طرف نگاہ ڈالی ٹھیک اپنے روبرو ملک عرب کے میدان عرفات میں حجاج کرام کو جمع ہوتے دیکھا۔ میں اپنی ماں کے پاس گیا جو اس وقت بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں یہ بات کہی ''آپ مجھے راہ حق میں لگا دیجئے مجھے بغداد جانے کی اجازت دیجئے تا کہ علماء فضلاء اور مقربین بارگاہ ہستیوں کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کروں۔ میری ماں نے میری اچانک عرضداشت کی وجہ دریافت

کی۔ میں نے ان سے وہ ساری باتیں عرض کر دیں جو میرے حال احوال پر گزری تھیں اس سرگذشت کو سن کر وہ رونے لگیں (اور جدائی کے خوف سے غمگین ہوئیں)۔ لیکن وہ ۸۰/اشرفیاں لے کر آئیں۔ یہی وہ تمام تر سرمایہ تھا جو میرے والد نے بطور وراثت کے اپنے ورثاء کے لئے چھوڑا تھا۔ انہوں نے ۴۰/اشرفیاں میرے چھوٹے بھائی کے لئے علیحدہ کر دیں اور بقیہ ۴۰/اشرفیوں کو میرے لبادہ کے بازوں میں سی دیا۔ پھر انہوں نے مجھے سفر پر روانگی کی اجازت دی لیکن مجھے الوداع کہنے سے پہلے مجھ سے اس بات کا وعدہ لیا کہ میں سچ بولوں گا اور صادق القول بن کر رہوں گا، چاہے حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔ (حالات کیسے بھی موافق یا ناموافق ہوں) انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ مجھے رخصت کیا: اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے اور تمہاری رہنمائی کرے۔ میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس چیز کو اپنے وجود سے جدا کرتی ہوں جو مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے۔ میں اس بات کو بھی جانتی ہوں کہ میں قیامت کے دن تک تمہیں دوبارہ نہ دیکھ سکوں گی۔

میں بغداد جانے والے ایک مختصر سے قافلہ میں شامل ہو گیا۔ جیسے ہی ہم لوگ ہمدان شہر کے آگے بڑھے، ۶۰ طاقت ور گھوڑ سواروں پر مشتمل ڈاکوؤں کا دستہ ہمارے قافلہ پر حملہ آور ہوا۔ انہوں نے ہر شخص سے اس کا کل مال ومتاع چھین لیا۔ ایک ڈاکو میرے پاس بھی آیا اور مجھ سے پوچھا ''نوجوان! تمہارے پاس کس طرح کی مملوکات ہیں؟ میں نے اسے بتایا: ''میرے پاس ۴۰/اشرفیاں ہیں'' اس نے پوچھا: ''کہاں'' میں نے اسے بتایا: ''میرے بازوں میں'' وہ ہنسا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ دوسرا ڈکیٹ آیا اور اس نے بھی مجھ سے یہی سوال کیا اور میں نے اسے بھی سچ سچ بتا دیا، وہ بھی میرے اس غیر متوقع انکشاف کو اہمیت نہ دے کر مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ امکان قوی تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع انہوں نے اپنے سردار کو دی ہوگی،، جبھی،

اس نے اس جگہ جہاں وہ لوگ لوٹ کے مال کا بٹوارہ کررہے تھے مجھے طلب کیا۔ سردار نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میرے پاس بھی کچھ مال وزر موجود ہے؟ میں نے اسے بتایا کہ میرے پاس ۴۰/اشرفیاں ہیں جو میرے لبادہ کے بازو میں سی کر رکھی گئی ہیں۔اس نے میرے لبادہ کو لے کر بازو کو پھاڑا اور اشرفیوں کو برآمد کیا۔ پھر اس نے نہایت تعجب کے ساتھ پوچھا: 'جب کہ تمہارا سرمایہ محفوظ تھا، تمہیں کس بات نے مجبور کیا کہ ہمیں اصرار کے ساتھ اس کی موجودگی کے صحیح مقام کا پتہ بتادیا کہ وہ کس جگہ چھپا کر رکھی گئی ہے۔ میں نے جواب دیا: چونکہ میں نے اپنے والدہ ماجدہ سے عہد کیا تھا کہ حالات کیسے بھی ناموافق ہوں میں ہمیشہ سچ بولوں گا۔ڈاکوؤں کے سردار نے جب یہ بات سنی وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا اور کہنے لگا: ''افسوس ہم نے اس ذات پاک کے ساتھ بدعہدی کی ہے جس نے ہمارے وجود کی تخلیق فرمائی۔افسوس میں نے اپنی زندگی رہزنی اور قتل وغارت گیری میں گزاردی اور اپنے انجام سے بے خبر رہا۔اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا'' گناہوں کے طویل عرصہ میں تم ہمارے سردار تھے، اب توبہ اور تلافی کی ان مبارک ساعتوں میں بھی ہم تمہاری پیشوائی کے منتظر ہیں۔ان تمام کے تمام ۶۰ قزاقوں نے میرا ہاتھ پکڑا، توبہ کا شرف حاصل کیا اور اپنے طور طریقوں کو بدل ڈالا۔ گناہوں میں ملوث ۶۰/افراد کا پہلا طبقہ تھا جو میرے ہاتھ پر تائب ہوا اور حضور حق میں اپنی مغفرت کا طالب ہوا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

☆☆☆

احساس کی دولت

حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ سے منسوب تالیف ''کشف الاسرار'' میں ایک بزرگ حضرت شیخ تاج الدین لاہوری کا ایک موجب عبرت وموعظت واقعہ درج ہے۔''میں نے تاج الدین لاہوریؒ کو یہ کہتے سنا کہ ایک بھنورا تھا۔لوگوں نے دیکھا کہ جہاں چنبیلی لگی ہوئی تھی وہاں مٹی میں لوٹ رہا ہے اور غمگین ہے تو پوچھا کہ اے بھنورے! وہ تمہاری چنبیلی کیا ہوئی؟ اس نے کہا میں نے سنا ہے کہ جل چکی ہے۔اس پر لوگوں نے کہا کہ اے بھنورے تیرا عشق خام ہے۔اگر تو واقعی سچا عاشق ہوتا تو اس راہ میں پیچھے رہ جاتا، اپنے محبوب کے ساتھ ہی کیوں نہ مرجاتا۔اس نے کہا:

''یارو! میں پردیس میں تھا۔ یہ سب کچھ بربادی میری غیر موجودگی میں ہوئی۔اب تو میں اسی بات کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ مجھے اس کی جگہ ہی نظر آجائے، افسوس اس جگہ کی بھی صحیح نشاندہی نہیں ہورہی ہے جہاں اس نے جنم لیا تھا۔ بہرحال میں اپنے اندازے پر (جو میری نگاہ میری محبوبہ کی سرزمین تھی) اس جگہ کی مٹی کو اپنے سر کا تاج جانتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ میں اسے سر پر ڈل رہا ہوں''۔

نا قابل انکار سچائیاں جن سے کوئی زمانہ خالی نہیں

شیخ ابو یعقوب یوسف بن ایوب بن حسین بن شعیب ہمدانی نوسنجرویؒ ہمدان کے ایک گاؤں نوسنجرد میں ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ہرات سے مرو کی طرف جاتے ہوئے ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۵۳۵ھ میں فوت ہوئے ایک مدت تک وہاں دفن رہے۔ پھر آپ کی لاش مرو کی طرف لائی گئی اور سجدان کے آخری حصہ حصیرہ میں جو آپ کی طرف منسوب ہے دفن کئے گئے۔ (مراۃ الاسرار ص:۳۹۶)

شیخ مطر باذ رائیؒ مشائخ عراق کے بڑوں میں تھے۔ ان کی نگاہ جس نافرمان پر پڑتی وہ مطیع ہوجاتا اگر بھولے بھٹکے پر پڑتی تو وہ بیدار اور ہوشیار ہوجاتا تھا۔ جو یہودی نصرانی آپ کے پاس آتا وہ مسلمان ہوجاتا اور جو زمین بنجر ہوتی اس پر گزرتے تو وہ سبزہ زار ہوجاتی اور جس شے یا برکت یا غیر برکت کی دعا مانگتے اس کے آثار ظاہر ہوجاتے۔ (مراۃ الاسرار ص:۴۴۹)

شیخ تاج العارفین ابوالوفا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ تاج العارفین ابوالوفا رحمۃ اللہ علیہ کی بابت نقل ہے کہ انکے شاگردوں کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ شمار نہیں ہوسکتا تھا۔ انکے چالیس خدام ایسے تھے جو کہ صاحب حال تھے۔ عراق کے مشائخ ذکر کرتے تھے کہ انکے مریدوں میں سے انکے علم کے مطابق ۱۷ رسلطان تھے۔ انکے اقوال میں سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ ''شیخ کبھی شیخ نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ کاف سے قاف تک پہچان لے''۔ آپ سے پوچھا گیا: کاف اور قاف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو اللہ تعالیٰ تمام موجودات پر ابتدائے خلقت سے جو کلمہ ''کن'' سے ہوئی ہے اس مقام تک (کہ یہ کہا جائے گا) وَقِفُوْهُمْ

اِنَّهُمْ مَسْؤُلُوْن (یعنی ان کو ٹھہراؤ، بے شک ان سے پوچھا جائے گا) مطلع کردے۔

(ص:۳۸۳) (بہجۃ الاسرار مولفہ امام ابوالحسن الشطونی الشافعی ترجمہ پروفیسر سید احمد علی شاہ مطبوعہ اسپرچول پبلی کیشنز، نئی دہلی)

شیخ ابا عبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بزرگ عارف ابوالعباس احمد بن علی بن محمد بن الحسن قسطلانیؒ اپنی اس کتاب میں جس کو شیخ ابی عبداللہ قرشی کے مناقب میں لکھا ہے کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابا عبداللہ قرشی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں شرف کے دور میں بازار سے آٹا خریدتا تھا اس میں سے راستہ بھر میں جو سائل ملتا اسے دیا کرتا تھا اور جب گھر میں پہنچ کر اس کو تولتا تو اس کو اسی قدر پاتا جس قدر کہ لیا تھا۔

ان کی بابت کہا جاتا ہے کہ جب بازار میں چلتے تو آوازیں بند ہوجاتیں اور حرکات ساکن ہوتیں۔ کیونکہ لوگ انہیں کی طرف دیکھنے لگ جاتے۔ جو کوئی آپ کی صحبت میں بیٹھتا وہ آپ کی صحبت میں رشک کھاتا اور اپنے دل میں ان کی برکت کا اثر پاتا۔ آخری عمر میں بیس سال تک رات کو نیند جاتی رہی۔ البتہ طلوع آفتاب سے چاشت کے درمیان سو لیتے تھے۔ آخری دور میں نابینا اور برس زدہ ہوگئے تھے کہتے تھے میں نے دیکھا قیامت قائم ہے اور انبیاء علیہم السلام کے جھنڈے کھڑے ہیں۔ لوگ ان کے پیچھے ہیں۔ میں بلا والوں کو دیکھتا تھا کہ ان کا جھنڈا کھڑا ہے ان کی سربراہی حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں بھی ایک جھنڈا لئے ان میں شامل ہوں۔ موصوف کی ولادت اندلس میں ہوئی۔ مصر میں اقامت گزیں رہے، پھر بیت المقدس کی طرف کوچ کیا اور وہیں ۶ رذی الحجہ ۵۹۵ھ میں فوت ہوئے اور اس قبرستان میں دفن ہوئے جو کہ بیت المقدس کے پچھم جانب واقع ہے۔

(کتاب زہد تذکرہ شیخ موصوف)

سیدی شیخ علی بن وہب رحمۃ اللہ علیہ

ایک شخص جس کا نام شیخ احمد بن علی تھا عجم سے سیدی شیخ علی بن وہب،” کی خدمت میں آیا“ وہ صاحب قدم ومشاہدہ تھا۔اس نے شیخ سے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اور آپ ایک گھر میں پچاس دن تک رہیں، اس میں نہ کھائیں نہ پئیں نہ سوئیں نہ وضو کریں۔شیخ نے پہلے تو معذرت کی کہ اے فرزند عزیز! میں اب بڑی عمر کا ہو گیا ہوں اور ہڈیاں ضعیف ہو گئیں ہیں لیکن اس شخص کی ضد پر اٹھ کھڑے ہوئے اور بسم اللہ کہہ کر گھر میں داخل ہوئے۔شیخ نے کہا کہ میرے پاس کھانا اور پانی لاؤ پھر ہم ہر روز ان کے پاس طرح طرح کے کھانے اور پانی لاتے۔وہ رات دن اپنی عادت سے زیادہ کھاتے پیتے۔یہاں تک کہ اس گھر میں پچاس دن تک رہے۔اس دوران انواع واقسام کی غذاؤں، گوشت، پھل، دودھ اور پانی وغیرہ اس قدر کھاتے اور پیتے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شمار نہیں کرسکتا۔باوجود اس کے نہ حوائج ضروریہ کرتے، نہ سوتے، نہ وضو کرتے اور اپنی مجلس سے رات دن نہ اٹھتے۔تب شیخ احمد نے شیخ علی بن وہبؒ کے پاؤں چومے اور ان سے کہا کہ آپ استاد ہیں۔ان کی خدمت لازم کرلی۔یہاں تک کہ وہیں فوت ہوئے۔(بہجۃ الاسرار ص:۶۳۶)

شیخ موسیٰ زوئی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ موسیٰ زوئیؒ کی بابت نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اکثر زیارت کیا کرتے تھے۔اور ان کے اکثر حالات آں حضرت ﷺ سے وقوف پانے پر ہوا کرتے تھے۔جب وہ لوہے کو اپنے ہاتھ سے چھوتے تو وہ نرم ہو جایا کرتا تھا، یہاں تک کہ لبان (ایک قسم کا گوند) کی طرح ہو جاتا تھا۔(بہجۃ الاسرار ص:۶۴۰) شیخ مقبول الدعاء

تھے جس اندھے کے حق میں دعا کرتے وہ بینا ہو جاتا، جس تنگ دست کے حق میں غنی ہونے کی دعا کرتے وہ غنی ہو جاتا، جس بیمار اور مصیبت زدہ کے لئے دعا مانگتے تو وہ اچھا ہو جاتا، جس شئے میں برکت کی دعا مانگتے تو اس میں عجیب برکت دیکھی جاتی اور جس کام کے لئے دعا مانگتے اس کا اثر فوراً ظاہر ہو جاتا۔جب ان کو قبر میں داخل کیا گیا تو قبر ان کے لئے کشادہ ہوگئی، وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور جو شخص قبر میں ان کو اتارنے کے لئے اترا تھا بے ہوش ہو گیا۔(بہجۃ الاسرار ص:۶۴۱-۶۴۲)

شیخ احمد بن ابی الحسن رفاعی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ احمد بن ابی الحسن رفاعیؒ کی بابت نقل ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا، اس کے روبرو کھانا رکھا گیا۔اس نے کہا: جب میرا وقت آئے گا تو کھاؤں گا۔آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارا کب وقت ہے؟ اس نے کہا کہ مغرب۔کہا کب سے یہ عادت ہے۔کہا چھ ماہ سے۔جب مغرب کا وقت آیا تو اس کے سامنے کھانا پیش کیا، اس نے کھایا اور آپ سے کہا کہ آپ میرے ساتھ کھائیں۔آپ نے کہا کہ جب میرا وقت آئے گا میں کھاؤں گا۔اس نے کہا کہ آپ کا وقت کب آئے گا۔آپ نے کہا چھ ماہ بعد۔کہا کتنا عرصہ ہو چکا کہا۔چھ ماہ۔(بہجۃ الاسرار ص:۶۴۹-۶۵۰)

☆☆☆

اولیاء کے انداز ہیں نرالے

ایک جیب کترا شام کو اپنے استاد کے پاس دو روپئے لے کر گیا۔ اس نے پوچھا: آج سارا دن کیا کیا؟ کہنے لگا: مال بہت ہاتھ آیا تھا، ایک گورے (انگریزی) کی جیب کاٹی تھی، جب لے کر چلا تو خیال آیا کہ اگر قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کردی کہ آپ کے امتی نے میرے امتی کی جیب کاٹی تھی تو میں ان کو کیا منہ دکھاؤں گا تو میں نے بٹوہ ان کو واپس کردیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے نافرمانوں کو ایسی شرم وحیا ہوتی تھی تو اس دور کے فرماں بردار کیسے ہوں گے۔ کاش یہ غیرتِ اسلام اور احساس گناہ ہمیں بھی حاصل ہوجائے۔

دو بزرگوں کا مکالمہ

مکہ معظّمہ میں ایک بار دو معاصر بزرگ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ جمع ہوئے۔ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ''آپ معاش کس طرح حاصل کرتے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ جو کچھ مل جاتا ہے شکر ادا کرتا ہوں۔ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر فرمایا کہ ہمارے کوچے کے کتوں کی بھی خصوصیت یہی ہے کہ اگر ان کو کوئی چیز دیتے ہیں تو شکر گذار

ہوتے ہیں اور دم ہلاتے ہیں اور کچھ نہیں پاتے ہیں تو صبر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر ہم کو کچھ ملتا ہے تو اس کو خیرات کرتے ہیں اور اگر نہیں ملتا تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ خدا کی قسم آپ استاد ہیں۔

حکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے

ایک روز حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے جارہے تھے ایک بے دین نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ اے شفیق! آپ کو شرم نہیں آتی کہ آپ خدا پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر ایسی بات کہتے ہیں کہ میں نے روزی کا بھروسہ خدا پر کر رکھا ہے۔ آپ کی اس بات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ گویا آپ اس خدائے بزرگ کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ آپ کو روزی دے۔ پس یہ خدا پرستی نہ ہوئی۔ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ اس بات کو لکھ لو جو اس نے کہی ہے۔ اس بے دین نے یہ سن کر کہا کہ آپ جیسا عظیم القدر شخص مجھ جیسے کم رتبہ شخص کی بات کو لکھواتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! جب ہم جوہر پاتے ہیں! اگرچہ وہ نجاست میں پڑا ہو ہم اس کو اٹھا لیتے ہیں اور پاک کر کے اپنے پاس احتیاط سے رکھتے ہیں۔ اس بے دین نے یہ سن کر کہا کہ حضرت آپ مجھے کلمہ کی تلقین فرمائیے کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ بے شک یہ دین اسلام سچا دین ہے اس لئے کہ سرتاپا تواضع اور فروتنی سے پر اور حق پسند وحق گو ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے سردار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یوں ہے کہ حکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے (کھوئی ہوئی چیز ہے) پس تم اس کو جہاں پاؤ حاصل کرلو۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا ابلیس کو جواب

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر صبح کو مجھے ابلیس بہکاتا ہے کہ آج تو کیا کھائے گا تو میں اس کو جواب میں کہتا ہوں کہ موت پھر مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا پہنو گے! تو میں جواب دیتا ہوں کہ کفن۔ اس کے بعد سوال کرتا ہے کہ کس مکان میں رہو گے؟ تو میں کہتا ہوں کہ قبر میں۔ یہ سننے کے بعد وہ کہتا ہے کہ تو بڑا سخت مرد ہے اور مجھ کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

ایک بار حضرت رابعہ بصریؒ نے چار درہم کسی شخص کو دیئے کہ کمبل خرید لائے۔ اس مرد نے ان سے سوال کیا کہ سفید رنگ کا کمبل لاؤں یا کالے رنگ کا۔ آپ نے فرمایا کہ درہم مجھے دے اور اسے لے کر دریائے دجلہ میں ڈال دئے اور فرمانے لگیں کہ ابھی کمبل خریدا بھی نہیں گیا اور تفرقہ درپیش آ گیا۔ (تذکرۃ الاولیاء)

☆☆☆

ان کے لئے موت ہے زندگی

خواجہ عتبہ بن غلام ابتدائے حال میں کسی ماہ رخ کی طرف دیکھا کرتے تھے، جس سے آپ کے دل میں سیاہی پیدا ہوگئی تھی وہ نہایت ہی عفیف اور پرہیز گار عورت تھی۔ ایک دن اس نے کہلا بھیجا کہ میری کیا چیز آپ کو پسند ہے؟ آپ نے کہا: آنکھیں، چنانچہ اس حساس اور غیر مند خاتون نے اپنی آنکھیں نکال کر خادمہ کو حکم دیا کہ طشت میں سجا کر آپ کی خدمت میں پہنچا دے۔ اس منظر کو دیکھ کر حضرت عتبہ کے ہوش گم ہو گئے۔ آپ نے توبہ کی اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر معرفت کی تکمیل کی۔

انسان کامل کے دست حق پرست پر شرف توبہ کی حصولیابی کے بعد آپ کی یہ حالت ہوگئی کہ کچھ جو خرید کر اپنے ہاتھ سے آٹا بناتے اور پانی میں بھگو کر دھوپ میں خشک کرتے اور ہفتے میں ایک بار تھوڑا سا کھا لیتے۔ باقی وقت عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ہفتے میں ایک دفعہ کیوں کھاتے ہیں۔ جواب دیا کہ مجھے کراماً کاتبین سے شرم آتی ہے کہ ہفتہ میں ایک بار سے زیادہ ان کے سامنے طہارت کروں، آپ کے کمالات کی حصولیابی کی بابت ایک بار حضرت

خواجہ حسن بصریؒ نے دریافت کیا۔ جواب دیا: تیس سال گذر چکے ہیں وہ کرتا ہوں جو وہ چاہتے ہیں۔ کسی نے آپ کے ایک معاصر بزرگ خواجہ عبدالواحد بن زید سے پوچھا کہ آپ نے کوئی ایسا آدمی بھی دیکھا ہے جو بجز اپنے حال کے کسی کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: ہاں میں جانتا ہوں اور وہ ابھی آتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے عتبہ تو نے راستے میں کسی کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: کسی کو نہیں۔ حالانکہ وہ بازار سے گزر کر آئے تھے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ اور خواجہ محمد سماک اپنے احباب کے ساتھ حضرت رابعہ بصری کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عتبہ بن غلام نیا کرتا پہنے ہوئے ناز و انداز کے ساتھ آئے خواجہ سماک نے اعتراض کیا: یہ کیسی چال ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں اس چال کے ساتھ کیوں نہ چلوں کہ جبار (قادر مطلق، زور آور) کا غلام ہوں۔ یہ کہتے ہوئے فوراً گرے اور جان بحق ہو گئے۔

دل پر چوٹ پڑی ہے تب تو آہ لبوں تک آئی ہے
یوں ہی چھن سے بول اٹھنا تو شیشے کا دستور نہیں
نشہ آور تھی نگاہ مست ساقی اس قدر
خود بخود لبریز مئے ہر ساغرِ میخانہ تھا
لطف تھا ذوق سخن تھا صحبتِ احباب تھی
مطرب ورود وسرود سر بسر پیمانہ تھا
اب نہ وہ صحبت، نہ وہ جلسے، نہ وہ لطف سخن
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

علامہ شبلی

☆☆☆

ضروری کاموں کی فکر کریں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے ایک روپیہ لیا تھا، آدھی رات کو خیال آیا کہ دنیا ہے بس چین نہ پڑا، اٹھ کر یہ دیکھا کہ آیا جاگ رہی ہیں یا سو رہی ہیں چونکہ ان کی نیند بھی کم ہے انہوں نے کہا: کیا ہے؟ میں نے کہا! یہ روپیہ لے لو اور انہوں نے کہا اللہ ایسی کیا جلدی تھی؟ میں نے کہا: کہ میرے پاس سے لے لو ورنہ مجھے رات بھر نیند نہیں آئیگی۔ جب ان کو دے دیا تب نیند آئی۔ اسی طرح رات میں ذہن میں جب کوئی مضمون آتا ہے تو اسی وقت چراغ جلا کر پرچہ پر لکھ کر سرہانے رکھ لیتا ہوں جب اطمینان ہوتا ہے، اسی جلدی اور تقاضے کی بنا پر کبھی بطور ناز کے میں حق تعالیٰ سے دعا کیا کرتا ہوں کہ یا اللہ! مجھے آپ بلا سزا کے بخش دیجئے گا ورنہ سزا میں مجھے کیسے صبر ہو سکے گا کہ کب مغفرت ہوگی؟

خلاصہ:۔ اس ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فکر کا ذکر فرمایا ہے کہ مجھے ایک دفعہ جب فکر لگ جائے تو جب تک اس کا انتظام نہ ہو جائے مجھے فکر لگی رہتی ہے۔ ایک روپیہ دینے کا فکر لگ گیا، تو رات نیند نہیں آئی، ایسے ہی جب دین سے

متعلق کوئی نیا مضمون ذہن میں آجائے تو رات کو چراغ جلا کر مضمون لکھ کر تکیہ کے نیچے رکھ دیتا ہوں۔ جب نیند آتی ہے یہ فکر کی بات ہے۔ زیادہ کام بھی ہوں تو باری باری سب ہوجاتے ہیں لاپرواہی سے تھوڑے کام بھی رہ جاتے ہیں۔ جن کو دین کا کام کرنا ہوتا ہے وہ اسکی پوری فکر کرتے ہیں کہ یہ کام اپنے وقت پر ہوجائے ہمیں بھی اپنے اوقات کی ترتیب بنانی چاہئے کہ اس وقت میں یہ ہوگا کہ اس وقت میں یہ کام، تاکہ کوئی ضروری کام رہ نہ جائے۔ دنیوی کام بقدر ضرورت کرنے چاہئیں۔ باقی وقت آخرت کے کاموں میں خرچ کرنا چاہئے۔ جو وقت بھی ملے اور کچھ نہیں تو تین دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی تین گنا دنیا کی دولتوں سے بہتر ہے۔ اس لئے یہ وقت بڑا قیمتی ہے موت سے پہلے پہلے ہمیں وقت دیا گیا ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔

(ماخوذ از سہ ماہی حکیم الامت تھانہ بھون)

ہٹے کٹے سائل کو بھیک نہ دو

ایک صاحب نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے سوال کیا کہ جو سائل جوان ہٹا کٹا ہو اسکو بھیک دینا کیسا ہے؟ فرمایا یوں کہہ دو کہ آگے جاؤ یا خاموش رہو، خود ہی چلا جائے گا پھر فرمایا کہ اگر لوگ نہ دینے پر پورا عمل کریں تو ایسے لوگ مانگنا ہی چھوڑ دیں بھیک مانگنے والے جو قادر ہوں کسب پر فقہاء نے ان کو دینا حرام لکھا ہے کیونکہ سوال کرنا ایسے شخص کو حرام ہے اور بھیک دینا یہ اعانت ہے معصیت پر اس لئے وہ بھی حرام ہے اور دلیل یہ ہے: ''لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ''. ''یعنی گناہ اور ظلم کیلئے مدد نہ کرو''۔ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بیان فرمادیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ لوگ غل تو مچادیں گے مگر پہنچائے دیتا ہوں۔ چنانچہ بڑا غل مچا۔ بات یہ ہے کہ مانگنا رسم ہوگیا ہے اور رسم کے خلاف لوگ نہیں مانتے۔ (معارف الاکابر، ص:۴۰۳)

اللہ تعالیٰ ہمیں رسوم سے بچائیں اور سنت پر عمل کی توفیق بخشیں، آمین!

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عبرت انگیز واقعہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو ایک جگہ وعظ کے لئے بلایا گیا، وعظ سے پہلے حضرت کو ایک خط موصول ہوا، جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ ''آپ کافر ہیں اور جُلا ہے ہیں'' اور یہ کہ اگر آپ نے یہاں وعظ میں اختلافی مسائل چھیڑے تو آپ کی خیر نہیں''۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس خط پر بھڑکنے کے بجائے وعظ کے آغاز میں لوگوں کو وہ خط پڑھ کر سنایا اور اس کے بعد فرمایا: اس خط میں تین باتیں کہی گئی ہیں: ایک تو یہ کہ میں کافر ہوں اس کا جواب یہ ہے: ''**اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم**'' اب اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ میں کافر ہوں یا نہیں، آپ کو معلوم ہے کہ اس کلمہ کی بدولت ستر برس کا کافر بھی مسلمان ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض خدانخواستہ میں کبھی کافر تھا بھی تو اس کلمہ کے بعد مسلمان ہوگیا۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ میں جُلا ہا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ میں یہاں کوئی نکاح کا پیغام لے کر نہیں آیا جس کیلئے اس تحقیق کی ضرورت ہو، اگر بالفرض میں جُلا ہا ہوں مگر دین کی کوئی صحیح بات بتاتا ہوں تو محض جُلا ہا ہونے کی بنا پر اسے رد نہیں کرنا چاہئے، ویسے اگر کسی کو واقعی میرے نسب کی تحقیق مقصود ہو تو تھانہ بھون کے لوگوں سے خط لکھ کر تحقیق کرلے۔

تیسری بات یہ کہی گئی ہے کہ میں وعظ میں کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہ کروں سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں یہاں وعظ کہنے کیلئے خود نہیں آیا مجھے اس مقصد کیلئے بلایا گیا ہے اگر اس مجمع میں سے کوئی ایک صاحب بھی اٹھ کر مجھے وعظ کہنے سے منع

فرمادیں گے تو میں وعظ نہیں کہوں گا اور وعظ میں میری عادت اختلافی مسائل کو موضوع بنانے کی نہیں ہے لیکن اگر وعظ کے درمیان میں کوئی اختلافی مسئلہ آجاتا ہے اور اس کی وضاحت ضروری ہوتی ہے تو پھر اس کے بیان سے میں رکتا بھی نہیں یہی عمل اس وقت بھی ہوگا اب اگر آپ بات سننا چاہیں تو میں شروع کروں ورنہ رک جاؤں، اس انداز کلام کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی ایک شخص نے بھی وعظ میں رکاوٹ نہ ڈالی اور پھر جب وعظ شروع ہوا تو اس میں اتفاق سے بہت سے اختلافی مسائل بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے اور بہت سے مخالفین اتنے متاثر ہوئے کہ ہم خیال بن گئے۔ (میرے والد میرے شیخ:۱۱۲)

ان اکابر کے کردار کی روشنی میں آج ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہئے کہ ان حضرات نے ذاتیات کے اختلاف پر کس طرح صبر وتحمل سے کام لیا اور آج ہم کس طرح اپنے مخالفوں سے انتقام لینے کی فکر میں پڑے رہتے ہیں۔

یاد رکھیں! جب تک انسان میں علم و بردباری اور صبر وتحمل کی صلاحیت نہ ہو وہ کسی بھی اجتماعی ذمہ داری کو نہ نبھا سکتا ہے اور نہ ہی اپنے ماتحتوں کی نظر میں مقبولیت حاصل کرسکتا ہے۔

☆☆☆

ہمارے بندے بن جاؤ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ فرماتے ہیں کہ:

میں ایک شب اپنے ورد سے سوگیا جس کی وجہ سے میری طبیعت بہت مکدر ہوئی کیونکہ میں ان دنوں ان لوگوں میں تھا جو اپنے اعمال پر اعتماد کرتے تھے، یعنی جن کی نظر اپنے عمل پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے میں چند فرائض سے سوجانے کی سزا میں مبتلا کیا گیا۔ بہت پریشان ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہوگی کہ یا الٰہی یہ کیا ماجریٰ ہے؟ اب تو نوافل سے گزر کر فرائض کی نوبت آنے لگی، اتنے میں باطن سے آواز آئی کہ اے ابراہیم! ہمارے بندے بن جاؤ۔ راحت پاجاؤ گے (یعنی اپنے ارادہ واختیار کو ختم کردو اور ہمارے ارادے اور اختیار سے کام کرو) ہم سلادیں تو سو رہو اور اٹھادیں تو اٹھ جاؤ۔ بس ان دونوں کے درمیان تمہارے اختیار میں کچھ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جس میں سالکین کا ابتلا ہوتا ہے اور مخلصین ہی محض اللہ کے فضل سے اس سے نکلتے ہیں۔

اسی رذیلہ سے نکلنے کا طریقہ نہایت آسان اور مختصر لفظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ یعنی انسان اللہ تعالیٰ سے صالح اعمال اور حسن اخلاق

کی دعا بھی کرے۔ اور اس کا بھی خیال رکھے کہ اگر ان میں سے کچھ حصہ حاصل ہو جائے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے، اور اپنا کوئی کمال نہ سمجھے.....سبحان اللہ کیا پاکیزہ تعلیم ہے۔

دل کی چبھن

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مال، علم اور عزت اکٹھا ہوئے اور جب بچھڑنے لگے تو مال نے کہا: ''اے مرے دوستو! میں جا رہا ہوں، جب تم مجھ سے ملنا چاہو تو اس محفل میں آ جانا'' علم نے کہا: ''جب میری ضرورت پڑے تو اس علم گاہ (Institution) میں مل جاؤں گا''۔ لیکن عزت خاموش رہی۔ اس کے دونوں دوستوں نے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: ''بھئی میں تو جب جاتی ہوں تو واپس نہیں آتی''۔

اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان یہ ہے کہ حضرت والد ماجد جب تک زندہ رہے اس فقیر سے بے حد راضی رہے، اور اسی رضا مندی کی حالت میں اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ حضرت والد کو جیسی توجہ میرے حال پر رہی ویسی ہر باپ کو اپنے بیٹوں کے ساتھ نہیں ہوتی میں نے کوئی باپ، کوئی استاذ اور کوئی مرشد ایسا نہیں دیکھا جو اپنی اولاد یا اپنے کسی شاگرد یا مرید کی طرف اس قدر توجہ اور شفقت رکھتا ہو، جو حضرت والد ماجد کو میرے ساتھ تھی۔

(ماخوذ رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ،
مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ جلد اول، ص: ۳۸، شارح مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری)

☆☆☆

حمد شریف

میں جب جب بھی تری حمد و ثنا کرتا ہوں یا اللہ
سکونِ جان و دل حاصل کیا کرتا ہوں یا اللہ
یہ کوہ دشت و دریا تیری قدرت کے کرشمے ہیں
تجھے میں ان کے چہروں سے پڑھا کرتا ہوں یا اللہ
منا ولات و عزیٰ کے بھی ایوان خدائی میں
سدا آیاتِ وحدت میں پڑھا کرتا ہوں یا اللہ
کبھی جب میں شکارِ گردشِ حالات ہوتا ہوں
دوہائی تیری رحمت کی دیا کرتا ہوں یا اللہ
حقیقت کیا ہے سجدوں کی مرے معلوم ہے مجھ کو
میں یوں لاتقنطو پیہم پڑھا کرتا ہوں یا اللہ

(ڈاکٹر اظہار افسر اسعدی رحیمی مجاز بیعت حبیب الامت ﷺ بنگلور)

☆☆☆

نعتِ پاک

۱۹۷۴ھ میں یہ نعت مدینہ منورہ میں کہی گئی مسجدِ نبوی کے دربان سے متاثر ہوکر

یہ ہے شہر طیبہ یہ طیبہ کی گلیاں
بڑی خوبصورت ہیں رشکِ گلستاں

بتا تجھ سے کیا کم ہیں قسمت میں رضواں
مرے کملی والے کی چوکھٹ کے درباں

یہ شانِ ریاضِ رسول، اللہ اللہ
ہے جنت بھی سوجان سے جس پہ قرباں

یہی تو وہ ارضِ مقدس ہے لوگو
جہاں کا ہے ہر ذرہ لعلِ درخشاں

میسر ہے اس کو متاعِ دوعالم
ہوا مصطفیٰ کا جو قسمت سے مہماں

مقامِ ادب ہے دبے پاؤں چلئے
یہاں سو رہا ہے دوعالم کا سلطاں

نہ ہوگی جسے ارض طیبہ سے نسبت
مکمل نہ ہوگا کبھی اس کا ایماں

ترے رحم ورافت پہ اے میرے آقا
تصدق میں اور میرے ماں باپ قرباں

جب افسر غلام شہ دو سرا ہے
نہ کیوں ہو مقدر پہ پھر اپنے نازاں

(ڈاکٹر اظہار افسر اسعدی رحیمی مجاز بیعت حبیب الامت ﷺ بنگلور)

☆☆☆

مختصر مختصر تین اجزاء

دنیا میں اجنبی چیزیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں دنیا میں اجنبی ہیں!

۱-قرآن ظالم کے سینے میں ۲-نیک آدمی برے لوگوں میں

۳-قرآن پاک کا نسخہ ایسے گھر میں جہاں اس کی تلاوت نہ ہوتی ہو!!

سخت ناپسندیدہ چیزیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ چار چیزیں سخت ناپسندیدہ ہیں!!

۱-یہ کہ آدمی (بلاوجہ) کھڑا ہوکر پیشاب کرے

۲-نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پیشانی پونچھنے لگے

۳-اذان سنتے ہوئے اذان کا جواب نہ دے

۴-یہ کہ میرا نام لیا جائے اور مجھ پر درود نہ پڑھے

سات قیمتی کلمات

فقیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جو شخص سات کلمات یاد کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں باعزت ہوتا ہے، فرشتے اس کی تعظیم کرتے ہیں اللہ پاک اس کے گناہ بخش دیتے ہیں خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، اور ایسا شخص طاعت میں لذت محسوس کرتا ہے اس کی حیات اور موت دونوں اس کے لئے بہترین بن جاتی ہے:

۱- اول ہر کام کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا

۲- ہر چیز کے ختم پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا

۳- کوئی لغو بات کر بیٹھے تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ کہنا

۴- جب یوں کہے کہ فلاں کام کل کروں گا تو ساتھ ہی انشاء اللہ کہنا

۵- کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو لاَحَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ بِاللّٰہِ پڑھنا

۶- جب کوئی مصیبت پیش آجائے جان کی یا مال کی تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا

۷- ساتویں یہ کہ دن کے اوقات ہوں یا رات کے لمحات اس کی زبان پر لاَاِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ جاری رہے

☆☆☆

بنگال کے صوفیاء کرام

بنگال کی سلطنت دہلی کا ایک دور دراز علاقہ تصور کیا جاتا تھا۔ دکھنی بھارت کے ساحلی علاقوں سے لے کر لکش دیپ، مالدیپ، سراندیپ (موجودہ سری لنکا) اور دکھنی پوربی ایشیا کے ممالک ملائیشیا، انڈونیشیا، فلپائن، تائیوان تک اسلام سب سے پہلے پہنچا۔ یہ عرب سوداگر تھے جن کے ذریعے اسلام کا پیغام ان ساحل تک پہنچا۔

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یقیناً مسلم حکومت کا نتیجہ نہیں کیوں کہ اگر اس کی وجہ یہ ہوتی تو دہلی اور اس کے اطراف کے صوبہ جات میں جو صدیوں سے مسلم حکومت کا مرکز رہے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ بنگال میں جو مسلم اکثریتی صوبہ تھا (یہاں غیر منقسم بنگال مراد ہے اس کا مسلم فتوحات یا مسلم حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت مسلمان بادشاہوں کی تلوار سے نہیں ہوئی بلکہ ان صوفیائے کرام کے ہاتھوں ہوئی جن کی زندگی کا مقصد ہی تبلیغ اسلام تھا۔ ہندوستان میں صوفیائے کرام نے اسلام کی وہ خدمت انجام دی ہے جو بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہوں سے بھی نہ بن پڑی۔ ہندوستان میں صوفیائے

کرام کے آستانوں کی اہمیت کسی بادشاہ کے دربار سے کم نہ تھی بلکہ بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی نیاز مندانہ اور منکسرانہ انداز میں ان آستانوں پر حاضری کا شرف ہوتا رہا۔ زیر نظر سلسلہ وار مضامین میں چند صوفیائے کرام کے مختصر احوال اور خدمات کی نشاندہی مقصود ہے جن کے قدموں اور کوششوں کی برکت سے سابقہ غیر منقسم بنگال کے انتہائی زرخیز اور مردم خیز صوبے میں اسلام اور مسلمانوں کو فروغ واستحکام حاصل ہوا۔

خواجہ بایزید بسطامیؒ کی چلہ گاہ (دکھنی بنگلہ دیش)

سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کی ولادت شہر بسطام (ایران) میں ۱۲۶ھ میں ہوئی اور وصال بھی اسی شہر میں ۱۵/شعبان ۲۶۱ھ میں ہوا۔ مدفن بھی اسی شہر میں ہے۔ حضرت مخدوم شاہ شعیبؒ مناقب الاصفیاء ص:۱۴۳ میں لکھتے ہیں کہ دنیائے معرفت کے نامور پیشوا حضرت معروف کرخیؒ آپ ہی کے دسترخوان کے پروردہ اور آپ ہی کے گلستان کے خوشہ چیں تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ بایزیدؒ ہمارے درمیان اس طرح ہیں جیسے ملائکہ میں جبرئیل۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے دکھنی بنگلہ دیش اور اتری برما (صوبہ اراکان) کے علاقے میں تبلیغ دین کا کام کیا اور وسیع حلقہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ مقامی روایات کے مطابق جب حضرت بایزید بنگال کے دکھنی ساحلی علاقے پر پہنچے تو انہوں نے اپنے لئے ایک چٹائی (جائے نماز) کی جگہ طلب کی تھی۔ اس وجہ سے اسے چاٹ+گاؤں/چاٹ گاؤں/چاٹ گرام/چاٹگانگ/کہا جانے لگا بنگال میں ورود ومسعود سے متعلق مختلف کہانیاں ہیں، لیکن تحقیق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ

نویں صدی عیسوی کے آخر میں چاٹگام کے قصبہ نصیر آباد میں تشریف لائے۔ نصیر آباد کی ایک پہاڑی پر قیام فرمایا اور یہیں آپ کی خانقاہ تھی۔ یہ مقام شہر چاٹگام سے پانچ میل دور اتر کی طرف، گھنے جنگلوں اور وحشت ناک فضاؤں میں گھرا تھا۔ یہاں وحشی جانوروں اور خطرناک درندوں کا بسیرا تھا۔ خبیثوں اور جنوں کا مسکن تھا۔ لیکن قوت ایمانی رکھنے والے مومن ہر خطرناک طاقت کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ چنانچہ بلا خوف آپ اس ویران اور سنسان پہاڑی پر ریاضت وعبادت میں مصروف رہے۔ کیا آندھی کیا طوفان، ہر حال اور ہر موسم میں یہ چراغ جلتا رہا۔ یہ چراغ آج تک نصیر آباد کی پہاڑی پر آپ کے حجرے میں آپ کی مستقل مزاجی، عزم راسخ اور خدا پرستی کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ وہ چراغ ہے جس سے دین وایمان کے کتنے ہی چراغ جلتے رہے اور کفر وشرک کی تاریکی دور ہوتی رہی۔ قلوب انسانی انوار محمدی اور تجلیات خداوندی سے منور ہوگئے۔ جس پہاڑی پر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا آستانہ تھا، اسکے دامن میں ایک تالاب ہے۔ وضو کیلئے اس میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس تالاب میں بڑی بڑی مچھلیاں اچھلتی کودتی اور بڑے بڑے کچھوے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ان کچھوؤں کے بارے میں عجیب وغریب قصے اور کہانیاں مشہور ہیں۔ ایک روایت ہے کہ یہ کچھوے دراصل جن تھے، حضرت بایزید بسطامیؒ کو عبادت کے دوران ستایا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے نجات کیلئے دعا فرمائی چنانچہ اللہ کے حکم سے جن کچھوے بن گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ زائرین روزانہ ہزاروں ہزار کی تعداد میں زیارت کیلئے آتے ہیں۔ یہاں کچھوؤں کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت ہے۔ زائرین انہیں موڑھی کھانے کیلئے دیتے ہیں۔

☆☆☆

صوفیائے کرام کی اصطلاحات

(۱)عالم مثال (۲)بسط زمان (۳)سیر الی الہ سیر فی اللہ (۴)فیض اور بسط (۵)یاس انفاس

(۱)**عالم مثال**: مولف مراۃ الاسرار، خواجہ قطب الدین مودود چشتی کے احوال کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری قدس سرہ دلیل العارفین میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے دنیا کے گرد کوہ قاف پیدا کیا ہے۔ وہ پہاڑ سبز رنگ کے زمرد کا بنا ہوا ہے۔ کوہ قاف کے پیچھے چالیس جہان ہیں۔ اس جہان سے ماوریٰ۔ ان میں سے ہر جہان کے چار سو حصے ہیں اور ہر حصہ تنہا اس دنیا سے چار گنا ہے۔ اور اس دنیا میں جو کہ کوہ قاف کے پیچھے ہے کوئی اندھیرا نہیں، وہاں کبھی رات نہیں ہوتی وہاں کی زمین سونے کی ہے، وہاں کے باشندگان سب فرشتے ہیں وہاں نہ آدم ہے، نہ ابلیس، نہ جنت نہ جہنم، ان چالیس جہانوں کے پیچھے حجاب (پردے) ہیں اور ان پردوں کے پیچھے کا حال سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں..... حضرت خواجہ بزرگ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس روز میں نے یہ احوال حضرت خواجہ قطب الدین مودود کی زبان سے سنیں، آپ نے مراقبہ میں سر جھکا لیا کیوں کہ اس وقت ایک اور درویش بھی بیٹھے تھے دونوں (خواجہ مودود اور درویش غائب ہو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ظاہر ہو گئے) درویش

نے کہا جو کچھ حضرت خواجہ مودود نے فرمایا اس کے متعلق میرے دل میں شک پیدا ہوا تو آپ نے مجھے وہاں لے جا کر دکھا دیا اور میں نے ان چالیس جہانوں کو دیکھا جن کا ذکر خواجہ مودود نے فرمایا۔ پس خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین فرماتے ہیں کہ درویش کو یہ قدرت ہونی چاہئے کہ اگر کوئی شخص ان کے کلام میں شک کرے تو اسے مشاہدہ کرا دیں۔ کوہ قاف کی یہ کیفیت حضرت غوث الاعظم سید میر محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب تکملہ کی ۴۴ رویں حکایت فی مناقب شیخ ابو محمد بن عبداللہ بصری میں بیان فرمائی ہے۔ (اس کا ذکر مراۃ الاسرار کے پندرہویں باب میں بھی مذکور ہے۔ دونوں حکایت کا مقصد عالم بزرخ کا بیان کرنا ہے جسے صوفیاء کی اصطلاح میں عالم مثال بھی کہا جاتا ہے''۔

کوہِ قاف سے مراد؟

یاد رہے کوہ قاف سے مراد وہ پہاڑ نہیں ہے جو روسی ریاستوں اور ترکی کی سرحد پر واقع ہے بلکہ اس سے مراد وہ سلسلہ کوہ ہے جو عالم مثال میں ہے۔ یاد رہے کہ عالم مثال میں اس دنیا سے الگ جہان ہے جو بذریعہ کشف اولیائے کرام کے مشاہدے میں آتا ہے اور آسمان دنیا کی نیلاہٹ (نیلا رنگ) اس پہاڑ کے فروغ و چمک سے ہے۔ حق تعالیٰ نے اس پہاڑ پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جس کا نام قدقائل ہے۔ اس زمین کی طنابیں اس فرشتے کے ہاتھ میں ہیں جنہیں وہ ضرورت کے مطابق ہلاتا رہتا ہے۔ جس وقت وہ زمین کی طنابین کھینچتا ہے چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نباتات نہیں اگتی۔ (نوٹ: کم فہم لوگ اس میں شک کرتے ہیں کہ جغرافیہ میں تو یہ باتیں نہیں ملتیں۔ حالانکہ خود جغرافیہ ایک نامکمل علم ہے۔ ماہرین علوم نجوم، علم طبیعات، علم ہیئت اور علم جغرافیہ آج تک یہ نہیں بتا سکے کہ یہ کرۂ ارض اور

ان گنت ستارے بشمول شمس وقمر کس برقی قوت سے اپنے اپنے راستے پر چل رہے ہیں اور اس کمال صحت (RECION) کے ساتھ چل رہے ہیں کہ ذرہ برابر دائیں بائیں اوپر نیچے نہیں ہوتے، اگر اپنے راستے (ORBIT) سے ہٹ جائیں تو ساری دنیا جل کر خاک ہوجائے یا برف بن جائے اور دنیا میں رہنے والے سب انسان اور بے شمار جاندار ایک لمحہ میں ختم ہوجائیں فضا کے ماہر سائنس دانوں (SPACE SCIENTISTS) نے آج کل جو مصنوعی سیارے (SATELITES) فضا میں چھوڑے ہیں یہ مختلف دھاتوں کی آمیزش سے بنتے ہیں، ان میں سے ایک ایک پر کروڑوں ڈالر خرچ آتے ہیں، تب جا کر یہ فضا میں اڑنے کے قابل ہوتے ہیں جب کہ ساری دنیا سائنس دانوں کی محنت اور حکمت عملی کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے اور بجا طور پر پیش کرنے کے لائق یہ کارنامے ہیں بھی لیکن جس عظیم اور حقیقی سائنس داں نے عدم سے یہ سب سامان (MATERIALS) پیدا کئے اور سورج چاند ستارے سیارے فضا میں ایک نہایت منظّم ومربوط نظام کے تحت قائم کئے کہ لاکھوں برسوں سے ان کے معمولات میں فرق نہیں پیدا ہوئے کیا ان ثوابت وکواکب کا اپنے اپنے مدار ومحور پر نقل وحرکت کرنا تعجب خیز نہیں۔ کیا یہ بات سوچنے اور سمجھنے کے لائق نہیں کہ آخر کس ورک شاپ سے انہیں اپنے حرکت عمل کیلئے بے مثال قوت وتوانائی حاصل ہوتی ہے، آخر اس نظام کو جلا بخشنے والا کون ہے، اس کی معرفت کیوں نہیں حاصل ہوتی۔ وہ خلاق اعظم، قادر مطلق، احکم الحاکمین، صناع عظیم اور کارساز جلیل کس قدر خراج عقیدت کا مستحق ہے صاحب انصاف حضرات خود قیاس کر سکتے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جس نظام کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ اس کائنات کو قائم اور دائم رکھنے والا نظام ہے جسے ظاہری آنکھیں دیکھنے سے قاصر

ہیں۔ لہٰذا انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ یا تو ان باتوں کو تسلیم کیا جائے یا مترجم نے جو سوالات کئے ہیں ان کا جواب دیا جائے۔ جو کچھ ان بزرگوں نے بیان کیا ہے ان کا چشم دید مشاہدہ ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ جبکہ ان ماہرین کے مشوروں کو آج کل آنکھیں بند کر کے دنیا کیوں قبول کر لیتی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر ماہرین فن خواہ وہ ظاہری علوم کے ماہر ہوں یا باطنی علوم کے یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ان کی ہدایات پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانا لازمی ہے ورنہ زندہ رہنا محال ہے اور یہی ایمان بالغیب ہے جس کا مطالبہ کلام پاک میں کیا گیا ہے ایک مریض ڈاکٹر کے پاس جا کر کہتا ہے کہ میرے سر میں درد ہے دوا دیجئے۔ ڈاکٹر جو درد کو دیکھ نہیں سکتا یہ نہیں کہتا کہ ثابت کرو کہ تمہارے سر میں درد ہے بلکہ اس کے کہنے پر ایمان بالغیب لے آتا ہے۔ جب ڈاکٹر دوا دیتا ہے تو مریض بھی یہ نہیں کہتا کہ ڈاکٹر صاحب ثابت کیجئے کہ اس دوا میں شفا کی خاصیت موجود ہے بلکہ آنکھیں بند کر کے اس کی بات کو قبول کر لیتا ہے۔

غرض کہ آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں تو ہم موجودہ دنیا میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لہٰذا یہ کس قدر حماقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی یا اس کے نظام سلطنت کو سمجھنے کی دعوت جب انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور علماء راسخین دیں تو لوگ آنکھوں دیکھے بغیر تسلیم کرنے سے انکار کریں۔

یہ زلزلہ جو آتا ہے یہ طنابیں ہلانے سے آتا ہے، زمین کی تنگی اور فراخی ان کے تصرف میں ہے۔ علوم ارضیات کے ماہرین زلزلے کی وجوہات کو آتش فشاں کا پھٹنا بتاتے ہیں اور یہ نہیں بتا سکتے کہ کوہ آتش فشاں کب اور کیوں پھٹتا ہے۔ صرف قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔ ممکن ہے کوہ آتش فشاں کا پھٹنا زمین کی طنابیں کھینچنے کی وجہ سے ہو)۔

عالم برزخ کہاں ہے

حضرت خواجہ بزرگؒ نے مجملاً متن میں اشارے کے طور پر عالم برزخ کا ذکر فرمایا ہے۔شیخ ابومحمد بن عبداللہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں اس کا ذکر ہے۔شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں اجمالاً اور رسالہ برزخیہ میں تفصیلاً لکھا ہے کہ برزخ اس دنیا اور آخرت کے درمیان ایک مستقل عالم ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:"وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ". (یعنی انسان کے علم ونظر سے دور عالم برزخ ہے اس دن تک جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے) اور یہ ارواح وملائکہ کا مقام ہے ابتدائے خلق سے قیامت تک۔بس خالق مطلق نے وجود کو تین صورتوں میں ظاہر فرمایا ہے۔(۱) دنیا (۲) برزخ (۳) آخرت۔اور عالم موجودات کی تین قسمیں ہیں: (۱) ملک (۲) ملکوت (۳) جبروت۔

حق تعالیٰ نے انسان کو ان تین عالموں کے مجموعے سے پیدا کیا (یعنی جو کچھ ان تین عالموں میں تفصیلا موجود ہے وہ انسان میں اجمالاً موجود ہے) بالفاظ دیگر انسان مرکب ہے۔(۱) جسم (۲) نفس (۳) روح سے۔بس جسم کا تعلق اس دنیا سے ہے جو ملک کا مظہر ہے۔نفس کا تعلق برزخ سے ہے جو مظہر ہے عالم ملکوت کا اور روح کا تعلق آخرت سے ہے جو عالم جبروت کا مظہر ہے اور عالم برزخ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی ایک مدت مقررہ تک رہتے ہیں نہ کہ دائمی طور پر یعنی ''حضرات سعید'' جنت مثالی میں اور ''حضرات شقی'' جہنم مثالی میں قیامت تک رہیں گے۔اس کے بعد حساب وکتاب ہوگا اور جہاں جہاں قرآن مجید اور احادیث میں سعید اور شقی لوگوں کا ذکر کسی قید یا شرط کے ساتھ ہوا ہے اس سے مراد حکام برزخ ہے نہ احکام آخرت۔کیوں کہ آخرت کے لئے مدت شرط

نہیں ہے مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:" وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" (ھود:۱۰۸) (جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں رہیں گے اور اس وقت تک کہ جب تک آسمان وزمین قائم ہیں) یعنی سعید لوگ جنت مثالی یا برزخی میں قیامت تک رہیں گے اور یہی حال شقیوں کا ہوگا یعنی وہ بھی جہنم مثالی میں قیامت تک رہیں گے، اس کے بعد حساب وکتاب ہوگا۔یاد رہے کہ آدم علیہ السلام جب جنت میں رکھے گئے تھے تو وہ جنت مثالی یا برزخی تھی اور اس جنت میں آپ اوامر ونواحی کے تابع تھے لیکن تقاضائے بشری کی وجہ سے آپ سے لغزش ہوگئی جس کی وجہ سے جنت مثالی سے دنیا میں بھیجے گئے۔اسی طرح ابلیس بھی عالمِ مثال میں تھا تکبر کی وجہ سے مردود ہوا۔آدم علیہ السلام کی جنت دائمی نہ تھی۔

(۲) **بسط زمان**: مولف مراۃ الاسرار شیخ موسیٰ سدرانی کے ذکر میں فرماتے ہیں:''صاحب نفحات الانس قدیم مشائخ سے نقل کرتے ہیں شیخ عمادالدین محمد بن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں کعبہ کا طواف کررہا تھا اور شیخ موسیٰ سدرانی مغربی بھی طواف میں مشغول تھے۔لوگ آپ سے برکت حاصل کررہے تھے اور زیارت کی جستجو کررہے تھے۔لوگوں نے آپ کے سامنے میری تعریف کی کہ یہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے فرزند ہیں۔آپ نے مجھے مرحبا کہا اور میرے سر پر بوسہ دے کر دعائے خیر دی۔چنانچہ آپ کی دعا کی برکت کا میں اپنے اندر مشاہدہ کررہا ہوں اور اس بات کا امیدوار ہوں کہ آخرت میں بھی میرے ساتھ ہوں۔طواف سے فارغ ہوکر میں اپنے والد کی خدمت میں گیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔میرے والد بہت خوش ہوئے۔اس کے بعد حاضرین مجلس نے شیخ موسیٰ سدرانی مغربی کے مناقب بیان کرنا شروع کئے۔ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر شبانہ روز یعنی ایک دن رات میں ستر ہزار ختم قرآن کا ورد

ہے۔میرے والد خاموش تھے۔میرے والد کے اصحاب کبار میں سے ایک نے قسم کھا کر کہا کہ صحیح ہے۔انہوں نے کہا پہلے میرے دل میں اس روایت کے متعلق کچھ شک تھا لیکن ایک دن میں نے شیخ موسیٰ کو طواف کرتے دیکھا۔انہوں نے حجر اسود کی زیارت کر کے سورہ فاتحہ شروع کی اور چلتے چلتے تلاوت کرتے رہے۔حتی کہ خانہ کعبہ کے دروازہ تک جو حجر اسود سے چار قدم پر ہے پہنچتے ہی آپ نے قرآن ختم کر لیا اور میں نے سارا قرآن حرف بہ حرف سنا۔یہ سن کر میرے والد نے اس کی تصدیق فرمائی۔اس کے بعد میں نے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ایک کرامت ہے جسے بسط زمان کہتے ہیں اور بعض اولیاء اللہ کو یہ کرامت حاصل ہوتی ہے۔اس کے بعد آپ نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ شیخ الشیوخ ابن سکیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جو صباغ یعنی رنگریز تھا۔اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ صوفیوں کے لئے نماز کی صفیں خانقاہ سے اٹھا کر جامع مسجد میں لے جاتا اور نماز جمعہ کے بعد صفیں سمیٹ کر خانقاہ میں لے آتا۔ایک جمعہ کے دن وہ صفیں ایک دوسرے پر باندھ کر دریائے دجلہ پر غسل کرنے چلا گیا۔اس نے کپڑے دریا کے کنارے پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگا۔غوطہ لگانے کے بعد جب باہر آیا تو دیکھتا ہے کہ دجلہ نہیں ہے کوئی اور مقام ہے۔اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا مقام ہے لوگوں نے کہا دریائے نیل ہے اور ملک جہاں تم کھڑے ہو مصر ہے۔بے چارہ سخت حیرانی کے عالم میں پانی سے باہر آیا اور شہر کی طرف روانہ ہوا۔بازار میں اس نے ایک رنگریز کی دکان دیکھی اور اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔اس مصری رنگریز نے قیافہ سے پہچان لیا کہ یہ رنگریز ہے۔جب اس کی آزمائش کی تو معلوم ہوا کہ اپنے فن رنگریزی میں کمال رکھتا ہے چنانچہ اس کی عزت کی اور اپنے گھر لے گیا اور اپنی لڑکی کا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔اس طرح سات برس گذر گئے اور اللہ نے اسے تین لڑکے عنایت فرمائے۔

ایک دن وہ دریائے نیل کے کنارے گیا اور غوطہ لگانے کے بعد جب باہر آیا تو دیکھا کہ کپڑے اسی طرح کنارے پر پڑے ہیں۔کپڑے پہن کر وہ جلدی سے خانقاہ گیا۔صفیں اسی طرح ایک دوسرے پر بندھی تھیں۔اس کے ساتھیوں نے کہا جلدی کرو، اکثر صوفی مسجد کی طرف چلے گئے ہیں، صفیں جلدی لے جاؤ۔نماز کے بعد وہ صفیں اٹھا کر خانقاہ لے گیا اور جلدی سے گھر گیا۔اس کی بیوی نے کہا مہمانوں کے لئے جو مچھلی آپ نے تیار کرنے کا حکم دیا تھا تیار ہے، مہمان کہاں ہیں۔الغرض وہ مہمانوں کو اپنے گھر لایا اور کھانا کھلانے کے بعد اپنے شیخ ابن سکیہ کی خدمت میں جا کر سارا ماجرا بیان کیا۔شیخ نے فرمایا کہ اپنے بچوں کو مصر سے بغداد لے آؤ۔چنانچہ وہ اپنے بال بچوں کو بغداد لایا اور جو کچھ بیان کیا تھا سچ کر دکھایا۔شیخ ابن سکیہ نے پوچھا: کیا اس دن تیرے دل میں کوئی شک تھا۔اس نے جواب دیا کہ پہلے دن سے میرے دل میں اس آیت قرآن کے متعلق شک تھا کَانَ مِقْدَارُهُ اَلْفَ سَنَة (یعنی اس کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا۔شیخ نے فرمایا کہ یہ واقعی حق تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر ایک رحمت ہے جس سے تیرا شک دور ہو گیا ہے اور ایمان صحیح ہوا ہے۔حق تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے بعض بندوں کو بسط زمان کی کرامت عطا فرما دے اور تھوڑے وقت کو طویل کر دے۔"وَاللّٰهُ قَادِرٌ عَلٰى مَايَشَآءِ" (اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات پہ قادر ہے کہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے)۔نفحات الانس میں شیخ موسیٰ سدرانی مغربی کے متعلق واقعات اسی ضمن میں نقل کئے گئے ہیں۔حق سبحانہ وتعالیٰ کے دوستوں کے کمالات اور احوال وہم وخیال سے برتر ہیں۔

(۳)سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ:

مولف مراۃ الاسرار شیخ عبدالرحمٰن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی کے ذکر میں تصوف کی دو اصطلاحوں سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کی تشریح کی ہے۔چونکہ

ہمارے بزرگوں کے طریقت کی درسگاہ میں بھی دوائر کی تعلیم کے بعد ان نسبتوں سے طالب کو سروکار رہوتا ہے۔اس لئے تشنگان سلوک وطریقت کی واقفیت اور دلچسپی کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔

''سیر الی اللہ میں فنا ہونے سے سالک منتہی ہوجاتا ہے اور سیر فی اللہ کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔اس کی یوں مثال دی جاسکتی ہے کہ ایک شخص ایسے سمندر کا سفر کرنا چاہتا ہے جس کا دوسرا کنارہ نہیں۔جب وہ اپنے گھر سے روانہ ہوکر سمندر کے کنارے تک پہنچا ہے تو اس سفر کو سیر الی اللہ سمندر کہا جاتا ہے اور جب سمندر کے اندر داخل ہوجاتا ہے تو اسے سیر فی اللہ سمندر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس طرح چوں کہ حق تعالیٰ کی ذات کی کوئی انتہا نہیں۔جب آدمی روحانیت میں اس قدر ترقی کرلیتا ہے کہ ذات حق میں اسے فنا شروع ہوجاتی ہے تو اس مقام کو سیر الی اللہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تک کا سفر کہتے ہیں،اس سے آگے کے سفر کو سیر فی اللہ یا فنا فی اللہ کہتے ہیں۔لیکن چونکہ ذات حق کی کوئی انتہا نہیں اس لئے اس کے سفر کی بھی کوئی انتہا نہیں لہٰذا سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

(۴)**قبض اور بسط**: حوالہ: کتابچہ فائض البرکات (ملفوظات حضرت خواجہ سید شاہ ابوالبرکات ابوالعلائی قدس سرہ)(۱۱۵۹-۱۳۵۶ھ)

جامع حضرت میر سید شاہ قمرالدین حسین منعمی ابوالعلائی قدس سرہ، ترتیب و ترجمہ سید شاہ شمیم الدین منعمی (۱۲۰۳-۱۲۵۵ھ) میتن گھاٹ،ص:۲۸)

''قبض اور بسط سالک پر طاری ہونے والے دوحال ہیں جو ان پر بے اختیار طاری ہوتے ہیں۔نہ کوشش سے آتے ہیں اور نہ کوشش سے جاتے ہیں۔قبض سے مراد روحانی طور پر قلب پر حجاب کا طاری ہونا ہے۔اور ''بسط'' کا مطلب ہے قلب سے حجاب کا رفع ہونا۔یہ دونوں حال منجانب اللہ ہوتے ہیں۔مبتدی پر جب پہلی

حالت طاری ہوتی ہے تو اسے ''خوف'' کہا جاتا ہے اور جب خواص پر یہ حال طاری ہوتا ہے تو ''قبض'' کہلاتا ہے۔اسی طرح سے مبتدی کے لئے کشادگی کی حالت ''رجا'' کہلاتی ہے اور خواص کے لئے ''بسط''۔

(۵)**پاس انفاس**: ''خواجہ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی کے فرمودات میں مذکور ہے: ''صوفیوں کے نزدیک تمام چیزوں میں بہتر اور افضل چیز ''پاس انفاس'' ہے یعنی اپنی سانس کا نگہبان و پاسبان''۔

حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب قادری پھلواروی مریدوں کی تربیت میں پاس انفاس اور ذکر جہری کو زیادہ اہمیت دیتے تھے،فرماتے تھے کہ انہیں کے ذریعے سے باطنی اصلاح وتربیت ممکن ہے۔(سیرت پیر مجیبؒ از مولانا ہلال احمد قادری پھلواروی) حضرت نظام الدین اولیاء چشتی اورنگ آبادی کا بھی یہی طریقہ تھا۔''رات دن میں چوبیس ہزار سانسیں ہوتی ہیں۔چونکہ طالب یہ جانتا ہے کہ حق سبحان وتعالیٰ کے ساتھ ایک سانس گزارنے کی کیا قیمت ہوتی ہے اس لئے حق سبحانہ تعالیٰ کی یاد کے بغیر جو سانس گزرتی ہے اس کو (طالب) سمجھتا ہے کہ ایک بڑی دولت ہاتھ سے جاتی رہی۔دونوں جہاں کے حصول کے باوجود وہ دولت حاصل نہیں ہوسکتی۔ایسی صورت میں تمام تعلقات اور مخلوقات سے میل ملاپ رکھنے میں وحشت محسوس کرتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ایک سانس بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کی یاد سے خالی نہ جائے۔جب چوبیس ہزار سانسیں یاد حق میں گزرتی ہیں تو اسی کو پاس انفاس کہتے ہیں''۔

(کتابچہ فائض البرکات۔ملفوظات خواجہ سید شاہ ابوالبرکات ابوالعلائی قدس سرہ مرتبہ سید شاہ شمیم الدین احمد منعمی، سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ قمریہ میتن گھاٹ پٹنہ صاحب، پٹنہ بہار، بحوالہ مکتوبات حسین نوشہ توحید بلخی مرید وخلیفہ حضرت مظفر بلخیؒ مذکورہ کتابچہ کا صفحہ نمبر ۳۱)

''وجود انسانی کا تعلق دو طرح کی سانسوں سے ہے۔ایک وہ جو اندر جاتا ہے اور دوسرا وہ جو باہر آتا ہے۔ان سانسوں پر موکل فرشتے معمور ہیں۔جب انسان

اندر کی جانب سانس لیتا ہے تو موکل فرشتے بارگاہِ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے ہیں۔ اور وہ دم (سانس) جو اللہ کے نام کے تصور سے باہر نکلتا ہے وہ نورانی صورت میں بارگاہِ الٰہی میں چلا جاتا ہے۔ اور موتی کے مانند ہو جاتا ہے کہ جس کی قیمت کا مقابلہ دونوں جہان کے اسباب بھی نہیں کر سکتے اور وہ بے بہا موتی ہے۔ اس لئے فقراء کو خزائن الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کا خزانہ رکھنے والا کہتے ہیں''۔

(کتاب سراج السالکین، اردو ترجمہ شمس العارفین، ناشر ۱۵۶ ارگلی کوتانا سوئی والان، نئی دہلی: ۲، ص: ۷۵)

ذکر جاری ہونا

ہمارے پیران طریقت کا طریقۂ تربیت پانچ مشہور سلاسل کی تعلیمات پر مشتمل ہے۔ سلاسل عالیہ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ میں طالب طریق کو جو پانچ کام روزانہ کرنے پڑتے ہیں ان میں پانچواں ضروری کام پاس انفاس ہے۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں باہر کی سانس پر لا الہ اور اندر کی سانس پر الا اللہ کا ذکر ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں اندر کی سانس پر اللہ اور باہر کی سانس پر ہو کا ذکر ہے۔ اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اندر اور باہر دونوں سانسوں پر اللہ کا ذکر ہے۔ اس ذکر کو بغیر کسی حرکت و جنبش لسانی کے صرف تصور و خیال سے کیا جاتا ہے۔ شروع شروع میں مبتدی کو یاد آنے پر کبھی کبھی دو چار بار کر لینا ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے یا تو طالب طریقت کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے یا اس عمل کی برکت سے خود بخود خود کارانہ طریقے پر بغیر کسی کوشش یا ارادہ کے تسلسل اور دوام کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔ جس کو تصوف کی اصطلاح میں ذکر کا جاری ہونا کہتے ہیں۔ انسانی سانسوں کے اس ذاکرانہ حرکتِ عمل کو صوفیاء کی اصطلاح میں ''پاس انفاس'' کہتے ہیں۔ پاس انفاس دراصل ذکر خفی کی ایک قسم ہے۔ ذکر خواہ خفی ہو یا جلی ان کے کرنے سے جو بھی فیوض و برکات طالب راہِ طریقت کو حاصل ہوتے ہیں وہی فیوض و فوائد پاس انفاس کے کرنے سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔

خلاصہ: سانس لینا وجود انسانی کے دیگر ضروری نظاموں کی طرح ایک اہم نظام ہے۔ اس عمل کو سائنسی اصطلاح میں عمل تنفس (Respiration) اور اس سے متعلق نظام حیات کو نظام تنفس (Respiratory System) کہتے ہیں۔ سانس لینے کے انداز دو طرح ہیں اور کائنات کی ۲/۱ اہم گیسوں کے وجود انسانی کے اندر داخل کرنے یا Inhale کرنے یا خارج کرنے کا نام ہے، ایک فرحت بخش آکسیجن جو جسم کے اندر کی طرف جاتی ہے اور پھیپھڑوں کے ذریعے قلب اور نظام خون کو متاثر کرتی ہے جب کہ دوسری کاربن ڈائی آکسائڈ جو جسم کی کثافت کو لے کر جسم سے باہر کی طرف نکل جاتی ہے۔ اندر جانے والی سانس کے عمل کو سائنسی اصطلاح میں Inspiration اور باہر جانے والی سانس کے عمل کو Expiration) کہتے ہیں۔ سانس لینے کا معمول کسی بھی جاندار کے لئے اتنا ضروری ہے کہ اگر حسب معمول جاری نہ رہ سکے اور اس میں چند منٹوں کے لئے بھی کسی طرح کی رکاوٹ یا خلل واقع ہو جانے یا زہریلی گیسوں یا زہریلے اثرات سے متاثر ہو جائے تو انسانی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خلاف فطرت مسموم طبعی اثرات کو انسانی وجود برداشت نہیں کر سکتا ہے تو خلاف فطرت مسموم روحانی اثرات کو کیوں کر برداشت کرے گا۔ ظاہر ہے اس کو اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا شکار ہونا ضروری ہے۔

سائنسی اور فطری سطح پر تمام تر نظام ہائے زندگی (All Systems of life) ایک دوسرے سے پیوست اور وابستہ ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا گزارا نہیں۔ چنانچہ نظام تنفس کا براہ راست تعلق نظام دوران خون Circulatory System or Blood vascular systme پر پڑتا ہے۔ اگر نظام تنفس رک جائے تو دوران خون بھی معطل ہو کر رہ جائے گا۔ جس طرح پاکیزہ ہوا۔ (ایسی

ہوا جس میں صاف ستھری آکسیجن ہو) وجود انسانی کی صحت وتندرستی اور افزائش وبقا کے لئے ضروری ہے تا کہ جسمانی کثافتوں اور آلودگیوں سے بڑی حد تک اسے نجات مل سکے، اسی طرح وہ روحانی محرک جسے اللہ کا ذکر کہتے ہیں وہ بھی اس سانس پر جاری ہونا چاہئے تا کہ وہ قلب کو جاری کر سکے اور تا کہ انسانی وجود کو اندرونی اور باطنی کثافتوں سے نجات مل سکے، اس کو جلا اور نور معرفت حاصل ہو سکے اور تا کہ خون کی نالیوں میں جذب ہو کر ایک پاکیزہ اور منور صورت حال کو پیدا کرنے کا محرک بن سکے جسے صوفیاء کی اصطلاح میں ''قلب کا ذاکر ہونا یا جاری ہونا'' بولتے ہیں۔ قلب جسم کا ایک ایسا ہم، جاندار اور متحرک عضو ہے جس کو جسم کی بادشاہت اور حکمرانی حاصل ہے۔ جب بادشاہ سلامت کی سرشت میں ہی گندگی اور غفلت شعاری ہوئی تو اس کی مملکت کے نظام کا خدا ہی حافظ ہے۔ لیکن بادشاہ اگر بیدار و ہوشیار ہے اور اپنے خالق و مالک کے ذکر میں مصروف ہے تو اس کی مملکت کا اندازہ بھی درست ہوگا اور اس کی حدود وسلطنت میں آباد تمام انفرادی واجتماعی Units کے حق میں خوشی وخوشحالی کا باعث ہوگا۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے: شریعت کی رو سے ایک بار خدا اور رسول کے انکار سے کفر کا فتویٰ عائد ہو جاتا ہے جب کہ حضرات صوفیاء کے یہاں اصول ہے کہ ''جو دم غافل سو دم کافر'' (ایک سانس بھی اگر غفلت میں بسر ہوگئی تو گویا آدمی کفر کو اختیار کرنے کے مترادف ہو گیا) اس لئے ان حضرات کے یہاں ہمہ وقت ذاکر شاغل بننے کی محنت اور کوشش ہے اور اسی کوشش کی ایک کڑی ''پاس انفاس'' ہے۔

در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات
لذت تخلیق قانون حیات (اقبالؒ)

☆☆☆

اپنی زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی، فرماتے ہیں:

''اے دوست! تجھے کیا معلوم کہ بازار میں وہ کپڑا پہنچ چکا ہو جسے تیرا کفن بننا ہے''۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم تو موت کو بھول ہی جاتے ہیں لیکن موت ہمیں نہیں بھولتی، وہ تو ہماری تاک میں لگی رہتی ہے کہ کب وقت موعود آجائے اور وہ ہمیں ہماری تمام تر آسائشوں کی گود سے اچک کر لے جائے، اس احکم الحاکمین کے حضور میں جس کے سوا نہ کوئی رحم کرنے والا ہے نہ درگذر کرنے والا۔ ماں سے ستر گنا محبت وشفقت کرنے والے، ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب رہنے والے مالک حقیقی کو اپنی مشغولیات اور مصروفیات میں اس طرح بھول چکے ہیں جیسے ان کی طرف لوٹ کر جانا ہی نہیں ہے۔ ہم پر لازم تھا کہ اپنی زندگی کے ہر دن کو آخری دن سمجھ کر گزارتے۔

خواب میں حق تعالیٰ کی زیارت

شاہ شجاع کرمانیؒ ۴۰ سال نہ سوئے اور آنکھوں میں نمک ڈالتے تھے جس کی وجہ سے آنکھیں خون کے دو پیالے نظر آتی تھیں۔ ۴۰ سال کے بعد ایک رات

سوئے اور اللہ تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی اور عرض کیا: اے بارالٰہی! میں آپ کو بیداری میں تلاش کرتا تھا لیکن خواب میں پایا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: مجھے تم نے خواب میں بیداری کی وجہ سے پایا، اگر یہ شب بیداریاں نہ ہوتیں تو ایسا خواب نہ دیکھتے۔ اس کے بعد آپ جہاں جاتے تکیہ رکھ کر سوجاتے۔ کیوں کہ آپ نیند کے عاشق ہو چکے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس خواب کا ایک ذرہ میں سارے جہان کی بیداری کے عوض بھی نہ دوں گا۔ (حوالہ مراۃ الاسرار، ص:۳۳۹)

پرہیز گاری میں کمی

علی عطارؒ فرماتے ہیں: میں نے بصرہ کی گلیوں میں دیکھا کہ بوڑھے لوگ بیٹھے ہیں اور لڑکے کھیل رہے ہیں۔ میں نے لڑکوں سے پوچھا ان بوڑھوں کے سامنے تمہیں کھیلتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ وہ کہنے لگے ان سے شرم کیا آئے، ان میں پرہیز گاری کی کمی ہے۔ اس لئے ہمارے دل میں ان کا ڈر بھی نہیں۔ (حوالہ: غنیۃ الطالبین مولفہ حضرت پیران پیرؒ، ص: ۲۶۱، مترجمہ امان اللہ خاں ارمان سرحدی، ناشر ملک پبلیشر پرائیوٹ لمٹیڈ، دیوبند) یہ عہد وسطیٰ کے حالات کا رونا ہے اور اس کی منظر کشی ہے، اخلاقی انحطاط کے موجودہ دور میں بڑوں کو دیکھ کر بچے کس طرح بگڑ رہے ہیں اس کا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَاءِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ.

(اے ہمارے اللہ! ہماری حفاظت فرما دنیا کی بلاؤں سے اور آخرت کے عذاب سے (آمین)

☆☆☆

خواجہ ابوالعباس نہاوندی رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی احمد بن فضل تھا۔ صاحب نفحات الانس کے نزدیک آپ جعفر جلدی کے شاگرد ہیں۔ جو خواجہ جنید بغدادی کے شاگرد تھے۔ بعض کے نزدیک آپ خواجہ ممشاد دینوری کے مرید تھے جو خواجہ جنید بغدادی کے اصحاب میں سے تھے۔ غرض کہ دونوں حالتوں میں آپ کا سلسلہ خواجہ جنید سے جاملتا ہے۔ آپ تمام کمالات انسانی سے آراستہ تھے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری (آپ کا شمار مشائخ عظام اور محبوبان حق میں ہوتا ہے، متوفی ۴۸۱ھ بہ عہد سلطان ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی جو خلیفہ عباسی قائم باللہ کا ہم عصر تھا، آپ کا مدفن ہرات ہے) فرماتے ہیں کہ خواجہ ابوالعباس نہاوندی نے فرمایا کہ جو مردان ہمت ہیں اگر ان کا بایاں ہاتھ غیر حق کے ساتھ مشغول ہوتا ہے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو کاٹ دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اس کام میں داخل ہوا تو ۱۲ر سال تک میں نے اپنی گردن گریبان میں جھکائے رکھی حتی کہ میرے دل کا ایک گوشہ مجھے دکھایا گیا۔ فرماتے ہیں کہ سارا جہان اس آرزو میں ہے ایک ساعت حق تعالیٰ ان کا ہو جائے لیکن میں اس آرزو میں ہوں کہ ایک ساعت اللہ تعالیٰ مجھے مجھ کو دے دے تاکہ میں

جان لوں کہ کیا ہوں اور کہاں ہوں۔ خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ مندرجہ ذیل حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ أَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِی اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ (مشکوۃ جلد دوم: ۲۱۵)''

یعنی الٰہی مجھے آنکھ جھپکنے کی مدت کے لئے مجھ پر چھوڑ دیں۔

خواجہ نہاوندی کی وصیت کے مطابق آپ کے بعد آپ کی مسند نشینی اور قائم مقامی کا شرف ایک نومسلم (جو پہلے عیسائی تھا) کو حاصل ہوا۔ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ مکتوب میں فرماتے ہیں کہ اے بھائی! عجب حال ہے اور عجب استغنا کا عالم ہے کہ ہزار علماء اور زہاد پر کفر کا حکم چلایا اور کافر بچے کو بلا سبب دولت ایمان سے مشرف کیا اور دوستوں کی مسند پر بٹھایا۔

کس چہ داند تا چہ حکمت مے رود
ہر وجود راچہ قسمت مے رود

ترجمہ: کسی کو کیا معلوم کیا حکمت کارفرما ہے، اور ہر وجود کے لئے کیا قسمت مقرر کی ہے۔

آپ کے ایک مشہور مرید خواجہ اخی فرخ زنجانی متوفی ۷۵۴ھ ہیں جن کی خانقاہ کی ایک صاحب فہم اور جانباز بلی کا قصہ مشہور ہے جس نے کھانے کی دیگ میں سانپ کو جاتے دیکھ کر پہلے تو نہایت بے چینی کے ساتھ لوگوں کو اس حادثہ کی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر جب کسی کے کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو خود دیگ میں چھلانگ لگا کر جان دیدی۔ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے لطائف اشرفی میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

☆☆☆

سمجھ سمجھ کر جو نہ سمجھے

حضرت حاتم اصم جب بغداد پہنچے تو لوگوں نے خلیفہ مامون الرشید کو اطلاع دی کہ زاہد خرسان شہر میں وارد ہوئے ہیں۔ خلیفہ نے آپ کو دعوت دی اور ملاقات کے وقت آپ کو ''السلام علیکم اے زاہد حاتم اصم'' سے مخاطب کیا۔ آپ نے فرمایا: ''زاہد تو ہے'' خلیفہ نے کہا'' میں زاہد نہیں ہوں کیوں کہ ساری مملکت میرے زیر فرمان ہے، زاہد تو آپ ہیں'' آپ نے فرمایا: ''نہیں زاہد تو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ. (اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے کہہ دیجئے کہ دنیا کا مال قلیل ہے یعنی اس کی کوئی وقعت نہیں) تو نے تھوڑے پر قناعت کر رکھی ہے اس لئے زاہد تو ہے نہ کہ میں۔ کیوں کہ دنیا و عقبیٰ دونوں سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ میں کیسے زاہد کہلایا جا سکتا ہوں۔

خواجہ ہمدون قصار فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نیشاپور میں جا رہا تھا۔ نوح نامی ایک طرار صوفی جو جواں مردی میں مشہور تھا میرے سامنے آیا۔ میں نے کہا اے نوح جواں مردی کیا ہے؟ اس نے کہا میری جواں مردی یا آپ کی جواں مردی؟ میں نے کہا دونوں کی۔ اس نے کہا میری جواں مردی یہ ہے کہ قبا (امیرانہ لباس) نکال کر

مرقع (درویشانہ لباس) پہنتا ہوں اور مرقع پوشوں (درویشوں) کے سے کام کرتا ہوں تاکہ صوفی بنوں اور خلق کے شرم سے اس لباس میں گناہ نہ کروں اور آپ کی جواں مردی یہ ہے کہ آپ درویشوں کا لباس ترک کرتے ہیں تاکہ آپ خلق پر اور خلق آپ پر فریفتہ نہ ہوجائے۔ پس میری جواں مردی ظاہری شریعت کی پابندی ہے اور آپ کی جواں مردی اسرار و رموز کا چھپانا ہے اور یہ بڑی چیز ہے۔

فرشتے سوچتے ہی رہ گئے انجام ہستی کو
دلِ ناداں اٹھا اور بڑھ کے بنیاد جہاں رکھ دی

گرنہ گردد حق ز تیغ ما بلند
جنگ باشد قوم را ننا ارجمند

(اسرار خودی)

اگر ہماری تلوار حق کی خاطر نہ اٹھے تو ہماری جنگ ہماری قوم کے لئے نامناسب بات ہوگی۔

علم کا مقصود ہے پاکئ عقل وخرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب ونگاہ

(بال جبریل)

☆☆☆

مرشد کامل کی جوتیوں کی قدردانی

ایک مرتبہ ایک پریشان حال شخص حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اس شخص کی چار لڑکیاں تھیں جن کی شادی کے لئے بظاہر اس کے پاس کوئی انتظام نہ تھا۔ یہ سوچ کر کہ حضرت کی بارگاہ سے کوئی انتظام ہوجائے گا بڑی امید کے ساتھ حاضر ہوا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرت کے پاس اس وقت کوئی مال وزر نہیں تھا جس سے اس کی مراد پوری ہوتی۔ اس لئے اپنی جوتیاں اس کے حوالہ کردیں۔ (جوتیوں کے حوالہ کرنے میں کیا راز تھا اور ان جوتیوں کے ذریعہ اسے کیا کچھ عطا کررہے تھے اس باریکی کو تو اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں) سائل نے اپنے دل میں سوچا کہ ان جوتیوں کا (خواہ وہ کتنی ہی قیمتی ہوں) میں کیا کروں گا، انہیں کون خریدے گا اور ان کے ذریعہ اتنی رقم کیوں کر حاصل ہوگی جن سے لڑکیوں کی شادی کے انتظامات ممکن ہوسکیں۔ بہرحال کچھ سوچ کر اور ''پھول نہیں تو پھول کی پنکھڑی'' سمجھ کر اپنے سامان کے ساتھ رکھ لیا اور مایوس ہوکر حضرت کی مجلس سے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک سرائے میں قیام کیا۔ اسی سرائے میں امیر خسرو امارتِ دکن سے لوٹتے ہوئے مال وزر کے اک بڑے ذخیرے کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ اچانک وہ

کھڑے ہوگئے اور دیوانہ وار پورے سرائے میں کسی چیز کی تلاش کرنے لگے۔ بار بار فرماتے کہ مجھے میرے پیر کی خوشبو آرہی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ دہلی سے کون سا قافلہ آیا ہے۔ اس پریشان حال شخص نے کہا: دہلی سے میں آیا ہوں۔ اور سارا ماجرا بیان کیا۔ امیر خسرو نے فرمایا کہ ان جوتیوں کو میرے ہاتھ اپنی منھ مانگی قیمت میں بیچ دو۔ اس شخص نے کہا کہ ان کی قیمت جو آپ مناسب سمجھیں دے دیں۔ چنانچہ امیر خسرو نے اپنا تمام مال وزر اس شخص کے حوالے کردیا۔ اور اس کے بدلے ان جوتیوں کو اپنے دستار کی زینت بنا کر اسی دیوانگی کے عالم میں بارگاہِ محبوب الٰہی میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: حضور! ہم غلامانِ دربار ایک مدت سے عنایت خاص کے منتظر ہیں۔ جب کہ نعلین مبارک اس شخص کو عنایت کی جارہی ہے۔ جو اس کی قدر نہیں جانتا۔ جواب میں ارشاد ہوا: ''جس کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس پہنچ گئی۔ اے خسرو! اسی لئے تو میں ساری دنیا سے تنگ آجاتا ہوں لیکن میں تم سے تنگ نہیں آتا''۔

ہائے ہائے! جوتیوں کے عوض زر کثیر دے دینے کی بابت مخلوق کے استفسار پر کہ بے شمار دولت ایک جوڑی جوتیوں کے عوض دینے میں آخر کون سی مصلحت تھی؟ امیر خسرو نے فرمایا: (مفہوم یہ تھا) اس ظاہر بین کو کیا معلوم کہ ان جوتیوں کی قیمت کیا ہے؟ (اگر جانتا تو اتنے کفایت داموں میں نہ دیتا) سچ تو یہ ہیکہ اگر وہ اس زر کثیر کے علاوہ مجھے بھی اپنی غلامی میں مانگتا تو میں وہ بھی کر گزرتا۔ (لیکن ہر قیمت پر اپنے شیخ کامل کی جوتیوں کو حاصل کرلیتا) کاش ایک سعادت مند مرید کی ایسی بے مثال عقیدت مندی وقدر دانی اور شیخ کامل کی ایسی نظر عنایت ہر طالب راہ سلوک کو نصیب ہوجائے۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

موت کے لمحات میں مسکراہٹ

نشانِ مرد مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

(علامہ اقبالؒ)

کیا میں تم کو مرد مومن کی پہچان بتاؤں۔ (پہچان یہ ہے کہ) جب موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں ایسے افراد کی کمی نہیں، موت کے وقت جن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، یا جو موت کے وقت ہنسے یا قہقہہ لگایا۔ زیر نظر سطور میں ایک ایسے ہی صوفی بزرگ خواجہ تاج الدین دادریؒ کا حال بیان کیا جاتا ہے جو سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید تھے شروع میں آپ کا شمار اہل دنیا میں ہوتا تھا، حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ نے ترک اختیار کرلیا اور سلطان المشائخ کی محبت میں سب کچھ چھوڑ کر فقر ومجاہدہ اختیار کرلیا۔ جب حضرت شیخ کا نام سنتے تھے آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔ آپ کو سماع کا بہت شوق تھا، چنانچہ آپ کے ذوق وشوق سے حاضرین کے قلوب کو بھی راحت حاصل ہوتی تھی۔ آپ قوالوں کو بیش بہا

خلقیں عطا کرتے تھے۔علو ہمت اور ترک وتجرید میں آپ بے نظیر تھے۔اپنی حیات کے آخر دور میں دیوگری سے واپس آتے ہوئے مالوہ کے علاقے میں کیتول کے مقام پر آپ بیمار ہوگئے اور نزع کی حالت میں مسکراتے ہوئے آپ نے جان مشاہدہ حق میں تسلیم کردی۔خواجہ حکیم سنائیؒ نے اسی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

عاشقے رابکے فسردہ بدید
کہ ہمے مرد خوش ہمے خندید

گفت خوباں چو پردہ برگزند
عاشقان پیش شاں چنیں میرند

ترجمہ: کسی نے عاشق کو دیکھا کہ مرتے وقت ہنس رہا تھا، وجہ دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ جب معشوق چہرے سے پردہ اٹھاتا ہے تو عاشق اس کے سامنے اسی طرح مرتے ہیں۔

آپ کی لاش کو دہلی کے سلطان المشائخ کے احاطہ میں یاران اعلیٰ کے چبوترہ پر دفن کیا گیا۔(مراۃ الاسرار،ص:۹۰۰)

☆☆☆

اولیاء کرام کے مشہور ناموں کی وجہ تسمیہ

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

(تذکرے رابع تانیث رابعہ بہ معنی چوتھا یا چوتھی)

حضرت رابعہ بصری کے والدین کی تین بیٹیاں اور تھیں اور حضرت رابعہ چوتھی تھیں۔ان کو رابعہ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ رابعہ کے معنی چوتھی عورت کے ہیں۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

(حافی بہ معنی برہنہ یا ننگے پاؤں رہنے والے)

جس وقت سے آپ نے طریقہ زہد کو اختیار کیا حق تعالیٰ کے مشاہدے کے غلبے کی شدت سے کبھی جوتیاں پاؤں میں نہ پہنیں، چونکہ برہنہ پا رہتے تھے حافی مشہور ہوئے۔لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ جوتی کیوں نہیں پہنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جس روز کہ میں نے صلح کی (حق تعالیٰ سے) میں ننگے پاؤں تھا اب مجھے شرم آتی ہے کہ جوتی پہنوں۔اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی کہ

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے زمین کو تمہارا بچھونا بنایا ہے پس بادشاہوں کے فرش پر جوتی پہنے جانا بے ادبی کی بات ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

(ذوالنون بہ معنی مچھلی والے)

ایک بار آپ دریائی سفر میں کشتی پر سوار تھے۔ اتفاق سے ایک سوداگر کا قیمتی موتی گم ہوگیا۔ سب لوگوں نے متفق ہوکر کہا کہ آپ ہی نے لیا ہے اوران کو ستانا اور بے عزت کرنا شروع کیا۔ آپ چپکے بیٹھے رہے جب بہت زیادہ تنگ کیا تو آپ نے کہا: خداوند تو جانتا ہے۔ یہ کہنا تھا کہ سیکڑوں مچھلیاں اپنے منہ میں ایک ایک موتی لے کر سطح آب پر ابھریں۔ آپ نے ایک مچھلی سے ایک موتی لے کر ان کو دے دیا۔ کشتی کے لوگوں نے جب یہ دیکھا تو آپ کے قدموں پر گر پڑے اور معذرت کی۔ اسی سبب سے لوگ آپ کو ذوالنون یعنی مچھلی والا کہنے لگے۔

دینار کو دینار کہنے کی وجہ:

تفسیر ابن کثیر جلد: ۱،ص: ۴۲۳ کے مطابق ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق حضرت مالک بن دینار کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین، ناحق لو تو نار یعنی آتش جہنم۔

حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بناری رحمۃ اللہ علیہ

سیرت پیر مجیبؒ مولفہ ہلال احمد قادری پھلواروی ،ص:۵۶ کے مطابق حضرت شاہ مجیب اللہ صاحب قادری پھلواروی ؒ کے نامور شیخ کامل حضرت مولانا سید

محمد وارث رسول نما بنارسی کو یہ صفت عطائی حاصل تھی کہ آپ طالبان حق کو زیارت رسول اکرم ﷺ سے مشرف کراتے تھے۔ اس منصب کو رسول نمائی کہتے ہیں۔ ملفوظات بزرگان دین میں یہ لفظ آپ کے نام نامی کے ساتھ جا بجا اس طرح استعمال ہوا ہے کہ گویا نام کا جز بن گیا ہے۔ آپ سے قبل حضرت حسن رسول نما دہلوی قدس سرہ المتوفی ۱۱۰۳ھ گزرے ہیں ان کو بھی یہی منصب حاصل تھا اور امکان قوی ہے کہ متقدمین بزرگوں میں کسی کسی کو یہ منصب حاصل رہا ہو۔ البتہ مذکورہ دونوں بزرگوں کے زیارت نبوی ﷺ سے مشرف کرانے کے طریقے کار میں فرق پایا جاتا ہے۔

(نوٹ: ۱ تا ۳ سے متعلق تفصیلات انوار الاذکیار میں دیکھے جاسکتے ہیں اور ۴ کا حوالہ بکھرے موتی جلد: ۵، میں)

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ

(اصم بہ معنی بہرہ)

ایک بار ایک عورت حضرت حاتم اصمؒ سے کوئی مسئلہ پوچھنے ان کے پاس آئی۔ دوران گفتگو اس کی ریاح خارج ہوگئی۔ وہ حیادار عورت اپنے اس بے موقع فعل پر سخت شرمندہ ہوئی۔ حضرت حاتم اصمؒ نے فرمایا کہ اے خاتون! ذرا بلند آواز سے پکار کر کہہ کہ میں اونچا سنتا ہوں۔ یہ بات آپ نے اس خیال سے فرمائی تا کہ وہ جان لے کہ انہوں نے اس کے کسی فعل کا نوٹس نہیں لیا ہے۔ اس لئے کہ وہ بہرے ہیں۔ عورت کو یہ جان کو اطمینان ہوا اور اس کی شرمندگی دور ہوئی۔ پھر اس نے زور زور سے گفتگو کی جس کو سننے کے بعد آپ نے اس کے مسئلہ کا جواب دیا۔ وہ غیرت مند عورت تو اپنے مسئلہ کا حل سن کر اپنے گھر لوٹ گئی لیکن لوگ بتاتے ہیں کہ حضرت

حاتم اصمؒ نے زندگی بھر اپنی وضع داری کو نبھایا اور جب تک وہ عورت زندہ رہی تب تک آپ نے اپنے آپ کو بہرہ بنائے رکھا اور اسی وجہ سے آپ خلق کے درمیان اصم مشہور ہوئے۔ (سچ پوچھئے تو اسم کی اس توجیہہ میں جو واقعہ مذکور ہے اس میں آپ کی اور ہماری عبرت آموزی کے لئے بہت کچھ سامان موجود ہے)۔

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ ہم نے تجھے ہزار سالہ مجدد بنادیا چنانچہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے نام سے مشہور ہوگئے۔

شمال ہندوستان میں معروف اولیاء کرام اور بزرگان دین کے نام بھی کچھ اسی طرح مشہور ہوگئے حضرت شاہ شرف الدین صاحب فاروقی پانی پت، کو بوعلی شاہ قلندر کہتے ہیں کہوں کہ انہوں نے دعا مانگی تھی اے اللہ مجھے علی جیسا بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا علی تو ہم نے بنادیا ہاں تجھے علی کی بودے رہے ہیں چنانچہ بوعلی شاہ قلندر مشہور ہوگئے۔ اسی طرح حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون سے مکہ ہجرت فرمائی تھی چنانچہ آپ حضرت مہاجر مکی کے نام سے مشہور ہوگئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو عالمِ رویاء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رشید احمد تو امام ربانی ہے چنانچہ مولانا گنگوہی امام ربانی کے نام سے مشہور ہوگئے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴ سال مسجد نبویؐ میں درس حدیث دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہندوستان دیوبند واپس آگئے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف

ہوگئے۔ حجۃ الاسلام مولانا قاسم العلوم بانی دارالعلوم دیوبند کا آبائی وطن نانوتہ تھا۔ آپ اسی لئے حضرت نانوتوی کے نام سے مشہور ہوگئے۔ اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

میرے (محمد ادریس حبان رحیمی) پیرومرشد قلندر زماں حضرت الحاج مولانا محمد مصطفیٰ کامل رشیدی اعرابی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بیٹے جناب شبلی صاحب جب چھوٹے تھے تو ابّا جان کہنا نہیں آتا تھا تو اجان کہتے تھے چنانچہ مریدین میں آپ کا نام اجّان مشہور ہوگیا۔ اسی طرح حضرت مولانا زکی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ طبیب حاذق تھے تو عوام الناس میں حاذق الامت کے نام سے مشہور ہوگئے۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

ندامت کے آنسو

عہد خلافت میں ایک نوجوان لڑکے کا انتقال ہوگیا۔لوگ اس کا جنازہ لے کر چلے۔راستہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک ہوگئے۔بعد فراغت جب لوگ واپس جانے لگے تو اس کی ماں نوحہ کرنے لگی اور حضرت علی کے قدموں پر گر پڑی کہ میں نے اپنے لڑکے کا منہ نہیں دیکھا، مجھ کو اس کا منہ دکھا دیجئے۔ ہر چند آپ نے منع فرمایا مگر وہ عورت باز نہ آئی۔آپ نے حاضرین کو اجازت دے دی کہ قبر کھول کر اس کو اس کے لڑکے کا منہ دکھا دو۔انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔جوں ہی چہرہ اس کا کفن سے باہر آیا معلوم ہوا گویا آفتاب مشرق سے طلوع ہوگیا۔اس کی چمک سے حاضرین کی آنکھیں چندھیا گئیں۔حضرت علی نے لوگوں سے دریافت کیا: ایسا کون سا عمل مقبول یہ کرتا تھا جس کی برکت سے ایسا ہوا۔سب نے عرض کیا: ظاہراً سوائے فسق وفجور اور لہو ولعب اس کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔حضرت علی کو اس پر اور بھی زیادہ حیرت ہوئی۔رات کو آپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ نوجوان حضرت رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں دست بستہ حاضر ہے۔حضرت رسول اللہ ﷺ نے آپ سے مخاطب ہوکر فرمایا: ''اے علی تم نے اس شخص کے دونوں رخساروں کے نور

وروشنی کا معائنہ کیا کہ کس قدر درخشاں وتاباں ہیں۔حضرت علی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں نے دیکھا، یہ کس عمل حسنہ کی تابانی ہے؟ حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس پر ارشاد فرمایا: ''یہ آبِ چشم کا نور ہے، آنسوؤں کی برکت ہے۔جب اس سے گناہ سرزد ہوتا تو خوف، سزا اور شرم وندامت سے آنسو بہاتا تھا۔حق جل شانہ نے نہ صرف اس کو بخش دیا بلکہ یہ نور اور رتبہ بھی عطا فرمایا۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج بیت اللہ کو گیا اور بعد طواف حطیم کعبہ میں سو گیا۔خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عبداللہ جب تو بغداد جائے تو میرا اسلام بہرام مغ کو پہنچانا اور بشارت جنت میں داخل ہونے کی دینا۔میں خواب سے بیدار ہوا اور خواب کا خیال کر کے لاحول پڑھا کہ کہاں حضرت رسول اللہ ﷺ اور کہاں آپ کا سلام مجوسی بہرام مغ پر۔تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر پھر سو رہا۔حج سے فارغ ہوکر جب بغداد پہنچا تو خواب یاد آیا۔بہرام مغ سے ملا اور دریافت کیا کہ کہاں سے کھاتا ہے، کیا کرتا ہے، کس کو دیتا ہے، اس نے جواب دیا: سود کھاتا ہوں۔دس دیتا ہوں تو بارہ لیتا ہوں۔میری ایک حسینہ وجمیلہ لڑکی ہے جسے میں نے اپنی بیوی بنایا ہوا ہے، دوسری لڑکی اس کے حقیقی چار بھائیوں کو دیدی ہے کہ وہ باری باری اس سے زوجیت کا کام لیں۔یہ چاروں مل کر اس کو نان نفقہ دیتے ہیں۔یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن مبارک نے کہا تو نے اب تک جتنی باتیں کیں یہ سب حرام ہیں۔کوئی سخاوت یا کار خیر بھی تمام زندگی میں تیرے ہاتھ سے انجام پایا۔جواب دیا: غور کرلوں تو بتاؤں۔ پھر بعد تامل کہا: ایک مرتبہ ایام جشن مجوس میں ایک عورت میرے گھر آئی سراسیمہ

وپریشان میں نے اس سے دریافت کیا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔اس نے جواب دیا کہ میرے بچے کمسن بھوک سے سخت مجبور مرنے کے قریب ہیں۔ کھانے کی خوشبو سونگھ کر اندر گھس آئی ہوں۔ میں نے ترس کھا کر جو کھانا موجود تھا اس کو دے دیا اور کہا اے نیک بخت اپنے بچوں کے لئے روز نان ونمک بلا تکلف یہاں سے لے جایا کر۔ وہ لے جایا کرتی ہے۔ میں نے یہ سن کر کہا تیرا یہ فعل شاید مقبول بارگاہ رسالت ﷺ ہوا ہے۔اس لئے تجھ کو سلام حضرت رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور خوش خبری جنت کی دی ہے۔ وہ فوراً میرے قدموں پر گر پڑا اور کلمہ پڑھ کر تائب ہوا اور کہا کہ گواہ رہو میں نے سود خوری چھوڑی دی، بیٹیوں کا نکاح کردوں گا، اور لڑکوں کے لئے بہوئیں لاؤں گا۔ دوسرے روز اس نے ایسا ہی کیا اور ایک ہفتہ کے اندر گناہوں کی شرم کی وجہ سے روتے روتے مرگیا۔ میں نے جب سنا اس کو غسل دیا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ (صفحت:۴۴-۸۰ سیرت النبی ﷺ بعداز وصال النبی ﷺ حصہ دوم بحوالہ انیس الواعظین از شیخ ابوبکر واعظ سندھی اردو ترجمہ معین الناصحین، صفحات:۹۱-۴۸۴)

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

میں نے سنا ہے کہ امید اور نا امیدی کے دن (یعنی روز قیامت) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے طفیل برے لوگوں کو بخش دیں گے۔)

☆☆☆

علم تصوف 'قال' نہیں ہے 'حال' ہے

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ہم عصر مولانا رضی الدین صغانی صاحب مشارق الانوار بہت ممتاز محدث اور عالم تھے۔ ان کے ہم عصر علماء میں کوئی بھی علم حدیث اور فقہ میں ان کا ہم پایہ نہ تھا۔ وہ ان معدودے ہند علماء میں سے تھے جنہوں نے اس زمانے میں بغداد اور حجاز پہنچ کر حدیث کی سماعت کی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فوائد الفواد میں ان کی تعریف میں بہت کچھ فرمایا ہے۔ ان کی تالیف مشارق الانوار آج بھی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور حدیث کی مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ علامہ صغانی کی ایک اور تالیف مصباح الدجیٰ بھی تھی۔ چنانچہ جب مولانا ناگور پہنچے ہیں تو انہوں نے ایک محفل میں اور ایک ہی نشست میں پوری مصباح الدجیٰ کی قرات کی تھی اور سماعت کرنے والوں کا بڑا بھاری مجمع تھا۔ جس میں قاضی حمید الدین ناگوری اور قاضی کمال الدین جیسے فضلاء بھی استفادے کے لئے موجود تھے۔ مولانا صغانی خوب بڑی سی پگڑی باندھے تھے جس کی چھوڑ آگے کی طرف لٹکی ہوئی تھی، بہت لمبی چوڑی آستینوں کا کرتا پہنا تھا۔ یہ اس زمانے کے علماء کی ہیئت تھی۔ یہیں ناگور کے ایک صاحب نے مولانا صغانی سے بہت

اصرار کیا کہ میں آپ سے کچھ ''علم تصوف'' سیکھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے کہا کہ یہاں تو مجھے بالکل فرصت نہیں ہے لوگ حدیث کی سماعت کے لئے جمع ہوتے ہیں او راتنا وقت نہیں بچتا کہ تمہیں علم تصوف سکھاؤں، البتہ تمہیں ایسی ہی خواہش ہے تو میرے ساتھ چلو، جب ہم غیر مسلموں کے علاقے میں پہنچیں گے جہاں علم حدیث اور فقہ کے طلب گاروں کا اتنا ہجوم نہیں ہوگا تو میں تمہیں اطمینان سے علم تصوف سکھاؤں گا۔ چنانچہ مولانا اور یہ تصوف کے طالب علم نکلے اور ناگور سے جالور کی طرف راہی ہوئے۔ گجرات کی سرحد کے شروع ہوتے ہی مولانا نے اپنا لمبی آستینوں والا کرتا اور بڑی پگڑی لپیٹ کر ایک بقچے میں رکھی اور کوتاہ آستینوں کا درویشوں والا لباس زیب تن کیا۔ سر پر ٹوپی، پاؤں میں جوتے کی جگہ کھڑاویں آ گئیں۔ ایک مٹی کا آب خورہ پانی پینے کے لئے لے لیا اور نماز ونوافل پڑھتے ہوئے سفر کی منزل طے کرنے لگے۔ جب اسی طرح کئی دن گزر گئے تو اس طالب علم تصوف نے کہا کہ مولانا آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے کچھ علم تصوف سکھائیں گے اور اس امید پر میں گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ لگ گیا ہوں مگر آج اتنے دن ہو گئے آپ نے ایک بات بھی نہیں سکھائی۔ مولانا فرمانے لگے کہ میاں علم تصوف ''قال'' نہیں ہے ''حال'' ہے جیسے میں عبادت کر رہا ہوں اور عام لوگوں سے برتاؤ کر رہا ہوں بس ویسے ہی تم بھی کئے جاؤ۔ یہی علم تصوف کہلاتا ہے۔

مولانا صغانی اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور محدث ہوئے ہیں۔ اس دور کے جید علماء ان کی صحبت سے استفادہ کرتے تھے لیکن وہ بھی یہ نکتہ اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے کہ یہ معقولی اور منقولی بحثیں، یہ مناظرے اور مکابرے، یہ فلسفہ اور منطق، یہ مسئلے اور تاویلیں، صرف اسلام کے ظاہر کو پیش کر سکتی ہیں، اس کی روح کو اور بھی منفی اور بے اثر بنا دیتی ہیں۔ اسلام کی اصل تعلیم وہی ہے جسے صوفیاء اپنے عمل سے پیش

کر رہے ہیں اور اسی نے ہندوستان میں اسلام کو فروغ دیا اور دلوں کو جوڑنے کا کام کیا ہے چنانچہ مولانا صغانی بھی جب غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں جاتے ہیں تو صوفیاء کا لباس زیب تن کر لیتے ہیں اور اپنا چوغا تہہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔

(ماخوذ از نقد ملفوظات صفحات: ۱۲ تا ۱۳ مصنفہ پروفیسر نثار احمد فاروقی بحوالہ سرور الصدور نور البدور (قلمی) نسخہ حبیب گنج علی گڑھ)

''اے ابن آدم! یہی وہ نفس ہے کہ اگر اس نے نجات پائی تو تجھے بھی نجات مل گئی اور اگر یہ ہلاک ہو گیا تو تو بھی ہلاکت سے ہرگز نہ بچ سکے گا''۔

(خواجہ حسن بصری، خوالہ تصوف اسلام، ص: ۱۵۱، ماخوذ اقبال اور تصوف از محمد شریف بقا)

''اے نفس! تو اللہ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے حالانکہ تو اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے.... اگر تیری محبت صادق ہے پھر تو اپنے رب کی اطاعت کر کیوں کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کی اطاعت بھی ضرور کرتا ہے''۔

(حضرت رابعہ بصریؒ، حوالہ تصوف اسلام، ص: ۱۵۹، ماخوذ ایضاً کتاب)

''دنیا کے طلب گار کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں اور آخرت کے طلب گار کی اس کی طلب اور نیک اعمال کے مطابق قدر و قیمت ہے''۔

☆☆☆

ملفوظات حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

● میں تو اہل علم کو ہمیشہ یہی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہرگز لوگوں سے روپیہ کا سوال نہ کرو۔ خدا پر توکل کرو ان شاء اللہ یہ سب جھک مار کر تم کو خود لا لا کر دیں گے۔

● میں نے اس مدرسہ میں یہ بھی رائے دی ہے جو قبول کر لی گئی کہ ایک نصاب ایسا بنایا جائے جس سے اردو، فارسی میں لوگ دینیات حاصل کر سکیں اور میری رائے میں ہر مدرسہ کے اندر ایک ایسا نصاب ہونا چاہیے۔

● فقہ کا فن بہت دقیق ہے اسی لئے میں فقہ حنفی کے سوا کسی دوسرے مذہب کی فقہی کتاب طلباء کو پڑھانے کی جرأت نہیں کرتا۔

● الحمدللہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ کبھی نہیں ہوتا، ہاں دوستانہ شکایت کبھی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی قائم نہیں رہتی جلدی زائل ہو جاتی ہے۔

● آج کل طبیعتوں کو دیکھتے ہوئے یہ تجربہ ہے کہ شوق دلانیوالے مضامین سے زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت خوف دلانے والے مضامین کے، اسی واسطے میں ترہیب کے مضامین زیادہ نہیں بیان کرتا ہوں، ترغیب کے مضامین زیادہ بیان کرتا ہوں۔

● میں کھانے پر اصرار کرنے کو بہت برا سمجھتا ہوں کسی کو بے بھوک کھانا زہر دینا ہے لوگوں میں مرض ہے کہ اصرار کر کے کھلایا کرتے ہیں۔

● بدون تائید سلف کے میں قرآن کے ایک لفظ کی تفسیر بھی گوارہ نہیں کرتا کیوں کہ تفسیر بالرائے سے ڈر لگتا ہے ہاں نکات و لطائف بیان کرنے کا مضائقہ نہیں کیوں کہ وہ تفسیر میں داخل نہیں بلکہ امر زائد کی تفسیر سے ہیں۔

● جب ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسجد (پیر محمد والی) میں قیام کا ارادہ کیا اور پہلے سے یہ سہ دری یہاں بنی ہوئی نہ تھی، یہ حضرت میاں جی صاحب قدس سرہ کے حکم سے بنی ہے تو حاجی صاحب کے یہاں بیٹھنے سے پہلے اس مسجد میں ایک بزرگ حسن شاہ رہتے تھے وہ صاحب سماع تھے مگر سچے آدمی تھے دوکاندار نہ تھے جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب بستی میں شیخ کامل آ گیا ہے اسکے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی ضرورت نہیں وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کر دیئے واللہ میں تو اس ادا کا عاشق ہوں، افسوس ہمارے اندر یہ باتیں نہیں رہیں۔

● مجھے اس کی بہت مسرت ہوتی ہے کہ اپنے اقوال کی تائید سلف کے اقوال میں مل جائے، بعض لوگ تو سلف سے اپنا علم منقول دیکھ کر افسردہ ہو جاتے ہیں کہ ہائے ہمارا تفرد باطل ہو گیا اور میں خوش ہوتا ہوں کہ الحمدللہ وہیں ذہن گیا جہاں مقبولان الٰہی کا ذہن گیا تھا، اکابر کے علوم سے اپنے علوم کی موافقت بڑی دولت ہے جو نعمت صحت مذاق و سلامت فہم کی علامت ہے۔

● فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ایک خادم سے فرمایا کہ جب آیا کرو تنہا آیا کرو کسی کو ہمراہ لے کر نہ آیا کرو مجھے خیال ہوا کہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ اس وقت کوئی مصلحت سمجھ میں نہ آئی لیکن چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ارشاد نہایت مصلحت پر مبنی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شخص کی استعداد اور مطلوب جدا ہوتا ہے اور اس کے موافق اس شخص سے برتاؤ کرنا مناسب ہوتا ہے اگر کسی کے ساتھ ہو تو

بسا اوقات ایک کی رعایت سے دوسرے کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کرنا پڑتا ہے اور وہ نامناسب ہوتا ہے چنانچہ تجربہ کے بعد مجھے خود اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

● مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو بہ نسبت عقیدت کے محبت زیادہ پسند ہے کیوں کہ وہ عقیدت خیالی چیز ہے ذرا میں زائل ہو جاتی ہے اور محبت زائل نہیں ہوتی۔

● فرمایا میرا بھتیجا شبیر علی میرے پاس رہتا تھا ان کے والد خرچ بھیجتے تھے میں اس کا حساب ان کے پاس روانہ کر دیا کرتا تھا ایک مرتبہ انہوں نے شکایت کی کہ حساب لکھ کر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے میں نے جواب دیا کہ اس میں مصلحت ہے چنانچہ سمجھ میں بھی وہ مصلحت آ گئی، وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کا خرچ تخمین کے موافق نہیں ہوتا تو جب اپنے زعم کے خلاف پیش آئے اور اس کی وجہ معلوم ہو جائے تو کوئی خیال پیدا نہیں ہوتا، حکماء عرب کا قول ہے: تَعَاشِرُوْ کَالْاِخْوَانِ وَ تَعَامِلُوْا کَالْاَجَانِبِ.

● میرے پاس کانپور میں ایک پادری آیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مگر شرط یہ ہے کہ دو سو روپے مجھ کو جمع کر کے دیئے جائیں، میں نے اس سے کہا پادری صاحب آپ مسلمانوں ہوں یا نہ ہوں یہاں ایک پیسہ نہ ملے گا اگر اسلام کو آپ ذریعہ نجات سمجھتے ہیں تو پھر روپیہ کیسا؟ مسلمان ہو جایئے اگر نہیں سمجھتے تو پھر آپ کا اسلام ہی کیا ہے ایک مسلمان شخص نے یہ اعلان کیا تھا کہ میں آریہ ہوتا ہوں ورنہ میرے واسطے ایسی لڑکی اور اسی قدر روپیہ جمع کر دو، چنانچہ بعض بھولے لوگوں نے تجویز کیا مگر اس کے مادہ کی خباثت اور اسلام کی وقعت تو اسی سے معلوم ہو گئی کہ مذہب کو اس نے دنیوی تمتع کے برابر سمجھا، مجھے ایسے لوگوں کے بے دین ہو جانے کا بھی غم نہیں ہوتا بلکہ اس کی مسرت ہوتی ہے کہ اچھا ہوا نکل گیا ایسے خبیثوں کا اسلام میں رہنا خود اسلام کے لئے موجب ننگ ہے بلکہ اگر ایسے خبیث نہ ہوتے تو اسلام نہایت آب و تاب سے چمکتا۔

● ارشاد فرمایا کہ میں دیانات میں تو نہیں لیکن معاملات میں جس سے ابتلائے عام ہوتا ہے دوسرے امام کے قول پر بھی اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے تو اس پر فتویٰ رفع حرج کے لئے دیتا ہوں اگرچہ حنفیہ کے قول کے خلاف ہو اور اگرچہ اس گنجائش پر پہلے سے اطمینان تھا لیکن میں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسکے متعلق اجازت لی ہے، میں نے دریافت کیا تھا کہ: کیا معاملات میں محل ضرورت میں دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے؟ فرمایا کہ: جائز ہے۔

● فرمایا: میرے گھر میں کوئی چیز نہیں جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو کہ یہ میری ہے اور یہ میرے گھر والوں کی۔ اس میں بڑی مصلحت ہے اگر ایک مر جائے تو پیچھے شبہ تو نہ ہو کہ کس کی چیز تھی کیوں کہ میراث تقسیم کی جائے۔

حدیث میں آیا کہ تین پیسے کے عوض میں سات سو مقبول نمازیں صاحب حق کو دلائیں جائیں گی لوگوں کے حقوق زیادہ قابل اہتمام ہیں نماز روزہ سے کیوں کہ سات سو مقبول نمازوں کی تین پیسے قیمت تجویز کی گئی بعض لوگ نماز روزہ کا اہتمام بھی کرتے ہیں لیکن حقوق العباد کا وہ بھی نہیں کرتے۔

● فرمایا مجھے طالب علموں سے زیادہ محبت ہے مریدوں سے اتنی نہیں، مجھ میں طالب علمانہ شان غالب ہے میں اپنے عیوب طالب علموں سے نہیں چھپاتا لیکن یہ نہیں چاہتا کہ مریدوں پر میرے عیوب ظاہر ہوں کیوں کہ مریدی کا علاقہ ذرا سی بات سے قطع ہو جاتا ہے اور طالب علمی کا علاقہ محبت قطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ علم کی وجہ سے قائم ہے اور اطلاع عیوب کے بعد بھی علم تو اس شاگرد کا باقی ہے اور علم ہونے تک محبت باقی ہے۔

● فرمایا میں نے گھر میں عشاء کے بعد ایسی بات پوچھنے و کہنے کو منع کر رکھا ہے جس میں سوچنا پڑے کیوں کہ نیند جاتی رہتی ہے اس سے حدیث کا راز معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کے بعد سمر یعنی قصہ اور باتوں سے منع فرمایا ہے۔ (اشرف المعمولات) ☆☆

اصلاحی مکتوبات

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اصلاحی مکتوبات کے جوابات ارشاد فرمائے ان میں سے بعض بطور اصلاح وافادہ عام کے لئے درج ہیں:

سوال: کیا توبہ کے بعد بھی بداعمالیوں کے متعلق سوال ہوگا، مغفرت سے مراد بالکل معافی اور گناہوں پر لکیر مارنے سے مراد یہی ہے کہ سوال نہ ہوگا۔

جواب: ان شاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔

سوال: یہ خیال بھی آتا رہتا ہے کہ اگر موت کے وقت بھی میرے گناہ میرے ذہن میں رہے اور ان کا نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آیا تو میرا کیا بنے گا؟

جواب: رحمت کا معاملہ ہوگا انشاءاللہ یہ خطرہ ہی رحمت کا سبب بن جائے گا۔

سوال: ۔ بدنظری کیا ہے جب گھر سے نکلا جاوے تو سڑکوں پر عورتوں کے گروہ ہوتے ہیں اچانک اور بغیر قصد کے نظر پڑ جاتی ہے۔

جواب: بغیر قصد کے نظر معاف ہے قصداً نظر گناہ ہے۔

سوال: ۔ ان کے دل پر اثرات بھی ہوتے ہیں اور بعض دفعہ ایک نفرت بھی اور غصہ بھی۔

جواب: بس نظر کو نیچا کر کے خود کو بچا لینے کی کوشش کافی ہے۔

سوال: بوقت ضرورت بازار جانا ہی ہوتا ہے ان حالات سے بڑی پریشانی ہے۔

جواب: نہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے اپنی توجہ کو قابو میں رکھیں۔

سوال: کیا اچانک نظر پڑنے کے بعد خود بخود بشر ہونے کی صورت میں دل میں کوئی خیال آئے تو اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔

جواب: نہیں۔

سوال: بعض وقت فوری طور پر بڑے عجیب خیالات آتے ہیں جن سے دل ڈرتا بھی ہے اور وہ خیالات آناً فاناً بقصد دور ہو جاتے ہیں۔

جواب: بس پھر کچھ گناہ نہیں ہوتا۔

سوال: ۔ بغرض اپنی اصلاح کے اپنے حضرات میں سے کسی کے پاس رہنا نصیب نہیں ہوا۔

جواب: اللہ تعالیٰ ان حضرات کی برکات سے نوازیں ان کے بعد ان کی کتابوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور وہ ان کے قائم مقام ہوتی ہیں۔

سوال: اب جی چاہ رہا ہے کہ چند دنوں کے لئے آنجناب کی خدمت میں حاضری دوں۔

جواب: حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات بالالتزام دیکھتے رہیں ان سے بہ نسبت میرے پاس رہنے کے زیادہ فائدہ ہوگا اس پر عمل کرتے رہیں۔

سوال: بعض دفعہ میری بیوی کہنا نہیں مانتی جب کہ ہر طرح سے اس کو راحت پہنچا کر مجھے راحت ہوتی ہے اس کو میں نے قرآن پاک حفظ کروایا جب کہ اس کی عمر تقریباً پچاس برس سے زائد تھی سارے خاندان میں یہ واحد عورت ہے جو حافظہ ہے۔

جواب: بس آپ کو اس خوشی میں سب باتوں کو برداشت کرنا چاہیے اور صبر پر اجر کا خیال جمانا چاہیے۔

سوال: اس کے علاوہ احقر اپنی بیوی کو ماہانہ جیب خرچ دیتا ہے تا کہ اس کو اپنی مرضی سے خرچ کر لے۔

جواب: یہ حسن معاشرت بہت اچھی بات ہے۔

سوال: ان تمام حالات و معاملات کے باوجود پھر اس کے دل میں میری ذرا بھی قدر نہیں۔

جواب: دل میں قدر ہوتے ہوئے بھی بعض دفعہ طبیعت کی کمزوری سے ایسے افعال واقوال صادر ہو جاتے ہیں ان پر زیادہ خیال نہ کیا جائے اور زیادہ سوچا نہ جائے معاملہ کو جلدی سے رفع دفع کر دیا کریں۔

سوال: پھر ذہنی الجھن میں طرح طرح کے ذہن میں خیال آتے ہیں شیطان بھی اس وقت پوری طرح سے دماغ پر مسلط ہوتا ہے۔

جواب: اسکے کہنے پر عمل نہ کیا جائے بجبر اپنے کو کسی دوسرے کام میں لگایا جائے۔

سوال: مزید یوں کہتی ہے کہ آپ سے تو دوسرے لوگ ہی اپنی بیبیوں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

جواب: اس بحث میں نہ پڑیں جو بہتر سلوک ہو سکے وہ کرتے رہیں۔

سوال: حضرت اسے کچھ تو احساس ہونا چاہیے جب کہ اسکا پورا پورا خیال رکھا جاوے۔

جواب: نرمی سے ہی احساس ہو سکتا ہے مطالبہ کرنے یا دل کے تقاضہ کرنے سے اپنی طبیعت پر بوجھ ہوتا ہے یہ نہیں چاہیے۔

سوال: اگر اسے کسی قسم کی کوئی خواہش ہو تو صاف صاف کہے مجھے فلاں چیز کی خواہش ہے۔

جواب: یہ عورتوں کی کمزوری ہے اور جیسا کسی کو اللہ تعالیٰ نے بنا دیا ہے اس کے ساتھ اسی طرح نباہ کرنا چاہیے۔

سوال: خاوند پر بیوی کے فرائض اور واجبات کے درجہ میں کیا کیا حقوق ہیں۔

جواب: بہشتی زیور اور وعظ ''حقوق البیت'' غور سے پڑھیں۔

سوال: ذہن پر بہت بڑا بوجھ ہے کہ میں اتنی کوشش کے باوجود اسے خوش نہیں کر سکا۔

جواب: بوجھ نہیں ہونا چاہیے جو کوشش اختیار میں ہے اسے کرتے رہنا چاہیے

سوال: میری ساری محنت اور کوشش بے کار گئی۔

جواب: نہیں اس کا بہت اجر ملے گا ان شاء اللہ۔

سوال: خدا جانے میری نماز روزہ وغیرہ بھی عنداللہ مقبول ہیں یا نہیں؟

جواب: حسن ظن رکھنا چاہیے کہ قبول ہیں۔

سوال: ایک بندہ جس کو راضی کرنے میں میرا اپنا حظ ہے نہیں کر سکا تو اللہ کے ہاں کیا حال ہوگا۔

جواب: وہ بہت کریم ہیں اور قدر دان ہیں بہت جلد راضی ہو جاتے ہیں۔

سوال: بہت زبان دراز ہے کوئی بات نہیں ہوتی جس کا جواب نہ دے۔

جواب: صبر ہی اس کا علاج ہے۔

سوال: ان تمام مضامین میں میرے جو جو امراض ہیں ان کا علاج اور دعا فرمائیں۔

جواب: صبر اور تحمل ہی وہ کلّی علاج ہے جس کے سوا دوسرا علاج نہیں ہے باقی خود بھی دعا کرتے رہا کریں اور سوچا کریں کہ اس صورت میں میرے لیے اجر مقدر فرمایا گیا ہے بس یہی مراقبہ جاری رکھیں باقی دعا بھی کرتا ہوں۔

سوال: آج کل دنیا سے دل بالکل اچاٹ ہو گیا اور اپنے رشتہ داروں سے بھی ایک قسم کی مایوسی سی ہے اور دل یہی کہتا ہے کہ یہ سب مطلب کے ہیں اور کسی کو میرے ساتھ کوئی انس یا محبت نہیں ہے۔

جواب: پھر بھی سب کے حقوق کی ادائیگی کا خیال بہرحال ضروری ہے۔

سوال: اپنے آپ کو بالکل ذلیل اور گناہ گار بے عمل کمتر خیال کرتا ہوں نہ زندگی میں کوئی لطف ہے نہ کوئی آرزو وعجیب ایک بے ذوق سی حالت ہے یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں اللہ کی ناشکری نہ ہو۔

جواب: ایسی کیفیات ہمیشہ نہیں رہا کرتیں خود بخود اس میں اعتدال آجائیگا۔

سوال: بہت سوالات اور خیالات آتے ہیں مگر اللہ کی حکمت کہ جب لکھنے بیٹھتا ہوں تب سب سوالات اور خیالات غائب ہوجاتے ہیں۔

جواب: اس میں یہی حکمت ہے اس کی طرف سے فکرمند نہ ہوں۔

سوال: روضۂ اطہر کے دیوار والی مٹی کو اگر خوب پیس کر سرمہ کی شکل میں استعمال کیا جائے تو شرعاً ممانعت تو نہیں۔

جواب: نہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جالی مبارک کی مٹی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

سوال: روضہ شریف کی مٹی کے متعلق اگر یہ وصیت کی جائے کہ موت کے بعد غسل وکفن کے موقع پر میرے سینہ پر مل دی جائے تو یہ صحیح وصیت ہوگی۔

جواب: کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا مگر مقدار معمولی ہو بدن پر زیادہ نہ لگے۔

سوال: دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل اور رحمت سے میری بخشش فرمائیں جس کے متعلق مجھے ہر وقت فکر دامن گیر رہتا ہے۔

جواب: فکر والوں کی اللہ تعالیٰ امداد فرماتے ہیں دعا بھی کرتا ہوں۔

سوال: آج کل مکان کی سخت پریشانی ہے دوکان سے کافی دور ہے بس پر آنا جانا پڑتا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

جواب: ان شاء اللہ اجر بھی روزی حلال کمانے کا زیادہ ملنے کی امید ہے۔

سوال: محلّہ والوں نے تقاضا کیا کہ ہم خود مکان خرید لیتے ہیں تم اس میں کرایہ پر رہو مگر اس وجہ سے انکار کیا کہ اتنا بڑا احسان بھی ٹھیک نہیں دل میں یہ خیال آرہا تھا کہ اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ بات ہے جو کہ ہمارے لیے نعمت ہے اس بے قدری سے اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہو۔

جواب: احسان لینا جائز تو تھا مگر نہ لینا بہتر ہے۔ (اتباع سنت دیوبند)

☆☆☆

قطب الارشاد

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

راقم الحروف محمد ادریس حبان رحیمی کو بحمداللہ تعالیٰ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے سلسلہ سے بھی اجازت ہے۔ حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت مولانا حافظ عبدالستار صاحب بانکویؒ اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا حافظ جمیل احمد صاحب دامت برکاتہم ہیں آپ نے اس ناکارہ پر اعتماد کرتے ہوئے اجازت خلافت مرحمت فرمائی۔ حضرت رائے پوریؒ کے کچھ اجمالی حالات ذیل میں پیش خدمت ہیں:

حضرت اقدس مرشدنا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے آباء و اجداد علاقہ پھوٹوہار کے معروف گاؤں تھوہا محرم خان کے رہنے والے تھے جو تحصیل تلہ گنگ (ضلع چکوال) میں ہے آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی حافظ احمد تھا، قوم کے اعوان تھے، انہیں ان کی لاولد خالہ نے اپنے ہاں ڈھڈیاں (ضلع سرگودھا) بلایا تھا بیٹے کی طرح رکھا اور اپنی جائیداد کا وارث بنادیا، حضرت حافظ صاحب نے اپنے تینوں بڑے بھائیوں (مولانا محمد احسن، مولانا کلیم اللہ اور مولانا محمد یٰسین) کو بھی جائیداد میں شریک کرلیا اور یہ تینوں بھائی بھی ڈھڈیاں آگئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت

حافظ صاحب قرآن مجید سے خاص لگاؤ اور مناسبت اور اس کے حفظ میں مثالی پختگی عطا فرمائی تھی، ساری عمر قرآن مجید پڑھانے میں گزار دی، مقامی طلباء کے علاوہ ستر اسّی مسافر طالب علم بھی آپ کے پاس قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، حضرت حافظ صاحب کی پہلی بیوی سے ایک بچی ہوئی تھی، حضرت حافظ صاحب کی پہلی اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا اس کے بعد تقریباً ساٹھ سال کی عمر تک شادی نہیں کی آپ کے بڑے بھائی مولانا کلیم اللہ صاحب نے آپ کی پشت میں نور ولایت محسوس کیا اور کوشش کی کہ للہانی (تحصیل بھلوال) کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی شادی کرادی جس سے اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی، سب سے بڑے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب تھے، آپ کو بہت چھوٹی عمر میں مولانا کلیم اللہ صاحب اپنے پاس کھیوڑہ لے گئے، جب آپ پڑھنے کے قابل ہوئے تو خود ہی آپ کو قرآن مجید حفظ کرانا شروع کردیا ہمیشہ آپ پر اپنی اولاد سے زیادہ شفقت فرماتے تھے، مولانا کلیم اللہ صاحب عابد، زاہد اور باکمال بزرگ تھے، حضرت مولانا عبدالغفور اخوندسواتی رحمۃ اللہ علیہ (المعروف باب سیدوصاحب) سے خلافت واجازت تھی، ڈھڈیاں کے بالمقابل دریائے جہلم کے مغرب میں کھیوڑہ (ضلع جہلم) کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے۔

مولانا احمد رضا خان صاحبؒ کے مدرسہ میں مدرس

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب نے اپنے تایا صاحب سے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھرت شریف اور جھاوریاں میں حضرت مولانا خلیل صاحب اور ان کے فرزند مولانا محمد رفیق صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر ہندوستان تشریف لے آئے۔ رام پور، دہلی، سہارنپور، بریلی، اور گھلاؤٹھی وغیرہ مقامات پر علوم متداولہ کی تکمیل کی، بریلی میں حکیم مختار احمد مرحوم سے طب بھی پڑھی کچھ عرصہ

بریلی میں مولانا احمد رضا خان کے مدرسہ میں تدریس بھی کی، مولانا احمد رضا خان کے لڑکے بھی آپ کے پاس پڑھتے رہے ان دنوں مولانا احمد رضا خان کی سرگرمیاں علمائے دیوبند کے خلاف زوروں پر تھیں، آپ کو ان کے اس رویہ سے اذیت اور تکلیف ہوتی، وہاں سے جی، اچاٹ ہوگیا اور تدریس ترک کر کے افضل گڈھ ضلع بجنور میں مطب کرلیا۔ شروع سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طلب اور شوق دل میں جاگزیں تھا، عشق الٰہی کی چنگاری اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تحفۃ العشاق'' پڑھی، تو دل بے چین ہوگیا، قبرستان میں تشریف لے جاتے اور خوب رویا کرتے مشکل سے چھ مہینے افضل گڈھ میں گزارے اور دل کی بے قراری اور خدا طلبی کی تڑپ نے خانقاہ رائے پوری میں پہنچا دیا، خانقاہ کے مسند نشین عارف باللہ شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی اور گھر جانے کا ارادہ بھی بیان فرمایا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ایک نام مبارک کا ورد بتا دیا اور فرمایا کہ گھر ہو آؤ پھر بیعت کریں گے۔ حضرت اقدس گھر سے واپس آئے تو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے ذکر کی کیفیت دریافت فرمائی، گھر کے افراد پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ والدہ، بیوی، دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ ''یہ تو بڑا کنبہ ہے ہمارا تو جی چاہتا تھا کہ ہم آپ اکٹھے رہتے''۔

چودہ سال تک ایک ہی بستر

آپ نے عرض کیا کہ ''حضرت! سب کے ہوتے ہوئے بھی میرا کوئی نہیں، میں تو یہ نیت لے کر آیا ہوں کہ ساتھ ہی رہوں گا'' آپ نے خانقاہ میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا، خانقاہ سے ملحق حافظ یوسف علی خان مرحوم کا چھپر تھا جس کی چھت ٹین کی

تھی، آپ نے حافظ صاحب سے اجازت لیکر اسی چھپر میں ایک طرف بستر کے لئے جگہ صاف کرلی کوڑے کے ڈھیر پر ایک پھٹا پڑانا کمبل مل گیا تھا اس کو دھوکر بچھا لیا چودہ سال تک یہی بچھونا رہا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سردی کا موسم تھا آپ کے پاس رضائی یا کوئی گرم کپڑا نہیں تھا، مغرب سے عشاء تک پانی گرم کرنے کی جگہ بیٹھے وظیفہ پڑھتے رہتے، عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتے، سر اور پاؤں کی طرف سے سردی تنگ کردیتی تو اٹھ کر ذکر میں مشغول ہوجاتے، ذکر کی گرمی سے رات گزار لیتے، سردی کا سارا موسم اسی طرح گزرا لیکن آپ نے اس حال کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

اجازت وخلافت

خانقاہ میں خورد ونوش کے اسباب کی بھی فراوانی نہیں تھی قوت لایموت پر ہی گزر اوقات تھی، دس سال تو ایسے گزرے کہ خانقاہ کے تمام مقیم طالبین کو رات دن میں صرف ایک وقت مکئی کی ایک ایک روٹی ملتی تھی، وہ بھی صحیح پکی ہوئی نہ ہوتی تھی۔ سالن وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، گاؤں سے کبھی لسی آجاتی تو وہ دن اس لحاظ سے خوشی کا دن ہوتا تھا، ایسے صبر آزما حالات میں بھی آپ کے عزم واستقامت میں فرق نہ آیا، اپنے شیخ سے والہانہ محبت وعقیدت تھی، حضرت کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق اوراد ووظائف بھی پورے کرتے اور سفر وحضر میں حضرت کی خدمت کے لئے ہر وقت مستعد رہتے تھے، حضرت کو آپ پر خصوصی شفقت، توجہ اور کامل اعتماد تھا، امتحان اور آزمائش کی کٹھالیوں سے نکالا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فائز المرام فرمایا، طریق کی گھاٹیاں عبور ہوگئیں، اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا کہ آپ کے شیخ اور مربی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے بعد خانقاہ کی آبادی اور سلسلہ مبارک کے ترویج کے لئے آپ کے متعلق اپنی منشاء ظاہر فرمائی اپنے متوسل خصوصی شاہ زاہد حسن صاحب بہت اور چودھری صاحب کو آپ کے لئے مکان تعمیر کرانے کا بھی حکم فرمایا تھا حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کو فرمایا تھا کہ ''شاہ زاہد حسن صاحب نے میری بہت خدمت کی ہے ان کا ہمیشہ خیال رکھنا'' ان تینوں حضرات نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے فرمان کو خوب نبھایا ساری عمر اس ارشاد کو سامنے رکھا اور اس کی تعمیل میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم کا وصال

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا سے سفر فرمایا آپ نے اپنی رہائش کی کوٹھی مدرسہ کے نام وقف فرمادی تھی اور خود مدرسہ کو کرایہ ادا فرمادیتے تھے یہ کوٹھی آپ کے لئے حاجی سوندے خان صاحب خان پوری مرحوم نے آپ کے کسی طویل سفر کے دوران آپ کی اجازت اور اطاعت کے بغیر خانقاہ میں تعمیر کرائی تھی آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھانجے مولانا اشفاق احمد صاحب اس کوٹھی میں رہتے تھے وہی مدرسے کے متولی تھے، چونکہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب کے جانشین ہونے کا کوئی رسمی اعلان نہیں ہوا تھا اس لیے بعض لوگ مولانا اشفاق احمد صاحب کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے قرابت کی وجہ سے جانشین سمجھتے تھے، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب یہ خیال فرماتے تھے کہ ان حالات میں رائے پور رہنے سے اختلاف کی کوئی شکل سامنے نہ آجائے اس لیے کافی عرصہ باہر رہے، کبھی شاہد زاہد حسن صاحب کے

یہاں بھٹ میں رہتے کبھی کھیڑی یا مرزاپور کے مخلصین کے ہاں قیام فرماتے۔ اور کبھی ڈھڈیاں تشریف لے جاتے تھے، رائے پور تشریف لاتے تو بہت مختصر قیام فرماتے، اصلاح و ترتیب کے خواہش منداور ذکر الٰہی کا شوق اور تڑپ رکھنے والے لوگوں کی بڑی تیزی سے آپ کی طرف رجوع ہونے لگا اور بہت جلدی آپ کی شخصیت کو مرکزیت حاصل ہوگئی، سال سوا سال کے بعد ہی اختلاف کے امکانات معدوم ہوگئے اور آپ نے اہل رائے پور اور دوسرے اہل تعلق حضرات کی آرزو پوری فرمائی اور رائے پور میں مستقل قیام فرمالیا، چودھری محمد صدیق مرحوم نے آپ کے لئے مکان بنانا چاہا تو آپ نے منع فرمادیا انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس میرے لیے ایک چھپر بنادیجئے چودھری محمد صدیق صاحب نے بھی حاجی سوندے خاص مرحوم والا طریقہ اختیار کیا، موقع کی انتظار میں رہے، حضرت اقدس کہیں سفر میں تشریف لے گئے تو انہوں نے دالان اور چند کمرے تعمیر کرادیے، پھر ضرورت کے مطابق چھپر اور سائبان بنتے چلے گئے ہر طبقہ کے لوگ آنے لگے اور ہجوم بڑھتا چلا گیا، کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہوتا تھا، ذکر جہر سے فضاء گونجتی رہتی تھی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا جب وصال ہوا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن جزیرہ مالٹا میں قید تھے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے وصال کی خبر پہنچی تو حضرت شیخ الہند کو بہت صدمہ ہوا برجستہ ایک دردناک اور طویل مرثیہ لکھا مالٹا سے رہا ہوکر آئے تو رائے پور بھی تشریف لے گئے اور وہاں ایک مجلس میں یہ مرثیہ بھی خود ہی پڑھ کر سنایا تھا۔

۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جلسہ کے موقع پر احقر ناکارہ کو بھی دیوبند اور رائے پور حاضری کی سعادت نصیب ہوئی حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب کے خادم حاجی ظفرالدین صاحب مرحوم خانقاہ میں مقیم تھے انہوں نے کرم فرمایا حضرت اقدس کا حجرہ کھول دیا ہمیں اس میں کچھ دیر بیٹھنا نصیب ہوا، حاجی

صاحب مرحوم حجرے کی شمالی دیوار کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوئے اور کھڑکی کی دونوں طرف ہاتھ رکھ کر ہمیں بتایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے رہائی کے بعد تشریف لائے تو یہاں اسی طرح کھڑے باہر کو دیکھ رہے تھے اور کھڑکی کی دونوں طرف ہاتھ رکھ کر ہمیں بتایا کہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعاء فرمایئے، آپ نے فرمایا کچھ کمی ہے کہ دعا کروں''۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے عبدالقادر کی عقیدت

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند سے خلوت میں عرض کیا کہ حضرت (شاہ عبدالرحیم صاحب) رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں آپ کے متعلق حکم دیا تھا کہ آپ مالٹا سے تشریف لائیں تو ہم آپ کا ہر طرح ساتھ دیں، لہٰذا ہم غلام حاضر ہیں جو حکم ہو ارشاد فرمائیں، حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ میں ابھی آیا ہوں حالات کا جائزہ لے رہا ہوں، جب کام شروع کروں گا تو سب سے پہلے آپ کو ساتھ لوں گا، یہاں سیاست کے میدان میں جو کام ہو رہا ہے ہمارا کام اس سے بہت آگے ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نے وفا نہ کی مالٹا سے تشریف لانے کے بعد جلدی ہی دنیا سے سفر فرما گئے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہوئے، آپ کی تحریک کی کمان سنبھالی جس طرح حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت شیخ الہند صاحب کے درمیان گہرا تعلق اور اعتماد تھا بعینہٖ یہی تعلق اور اعتماد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت مدنیؒ کے مابین تھا حضرت اقدس اپنی مجالس میں حضرت مدنی کا بار بار تذکرہ فرماتے، ان کی عظمت، اخلاص اور دینی و ملی خدمات کی تحسین اور ان کے نصب العین کی بھرپور تائید فرمایا کرتے تھے، حضرت مدنی کی ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لے جایا کرتے تھا،

حضرت مدنی بھی حضرت اقدس کی ملاقات کے لئے رائے پور تشریف لایا کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مدنی کا کوئی دن سفر وغیرہ سے فارغ ہو جاتا تو سہارنپور تشریف لے جاتے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کو ساتھ لے کر رائے پور پہنچ جاتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی حیات مبارک کے آخری دنوں میں بیماری کی حالت میں رائے پور تشریف لے گئے تھے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اکرام

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت اکرام فرماتے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ برٹش کی ہر چیز ناپسند تھی کپڑے بھی آپ کھدّر کے پہنا کرتے تھے کہ یہ ہندوستانی کپڑا ہے، اس لئے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک کرتا گاڑھے (کھدّر) کا سلوا رکھا تھا، جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ رائے پور تشریف لاتے تو وہ کرتا زیب تن فرما لیتے تاکہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ خوش ہو جائیں۔

چنانچہ ایک دن حضرت مدنی رائے پور تشریف لائے جب واپس ہونے لگے تو مصاحبین اور عوام الناس کے سامنے ہی فرمایا، حضرت میں جب دیوبند سے چلا تو اسعد (فدائے ملت) کی والدہ نے کہا تھا کہ ہمارے لئے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تعویذ لے آنا، چنانچہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اندر حجرے میں گئے اور ایک تعویذ لا کر حضرت مدنی کو پیش کر دیا۔

ایسا تعلق تھا ان اکابر کا آپس میں، آج تو ایسے اخلاص اور ایسی بے نفسی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ (محمد ادریس جہان رحیمی)

☆☆☆

صوفیائے متقدمین میں ایک مقتدر شخصیت

حضرت مخدوم سید راستی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام منہاج الدین ہے، پٹنہ اور اس کے اطراف کے اولیائے متقدمین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ تفصیلی حالات نہیں ملتے ہیں، البتہ جزوی حال احوال اور معاصرین ومتاخرین کے بیانات، مشاہدات اور حکایات سے آپ کے مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی وہی صورت حال ہے، کتابوں میں سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر جوتھوڑے بہت حال احوال ملتے ہیں، ان کے ذریعے یا پھر اپنی فہم وبصیرت سے ہی کسی بات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

آپ مخدوم جہان شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے اصحاب کاملین میں سے تھے۔ آپ کی جائے ولادت اس زمانہ کا مردم خیز قصبہ جیلان بتایا جاتا ہے، ایک دن آپ کے والد محترم حضرت سید راستیؒ نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ تمہاری قسمت ملک ہندوستان میں ایک بزرگ سے وابستہ ہے جو شرف الدین کے نام

سے معروف ہیں اور شہر بہار میں مسند ہدایت وارشاد پر جلوہ افروز ہیں، وہاں حاضر ہوتا کہ کامیاب ہوجاؤ۔ آپ نے والد ماجد کے جواب میں عرض کیا کہ آپ کی عمر شریف بڑھاپے کو پہنچی ہے اور اس عمر میں ہر شخص کو خدمت کی ضرورت ہوتی ہے، والد صاحب نے فرمایا کہ تم اس کی فکر نہ کرو۔ حضرت منہاج الدین نے دریافت کیا: اگر میں اس دیار میں چلا جاؤں تو پھر آپ کی خیریت کیسے ملے گی، حضرت سید راستیؒ نے فرمایا کہ جس دن میری عمر پوری ہوجائے گی، اس دن سے مخلوق تمہیں میرے نام سے پکارے گی، چنانچہ والد محترم کی ہدایت کے مطابق آپ نے سفر کی مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے منزلیں طے کیں، اور حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد جبکہ حضرت منہاج الدین حجرہ میں بیٹھے ہوئے تھے، مخدوم جہاںؒ نے انہیں پکارا۔ اے راستی یہاں آؤ، آپ حضرت مخدوم جہاں کا یہ جملہ سن کر رونے لگے اور اسی طرح روتے ہوئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوسرے مریدوں کو جو اس وقت حاضر مجلس تھے، وہ چونکہ اس راز سے واقف نہ تھے، اس لئے انہیں تعجب ہوا کہ حضرت شیخ نے انہیں راستی کے خطاب سے مخاطب فرمایا ہے اور یہ دولت راستی سے سرفراز کئے گئے ہیں تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ اس پر تو خوش ہونا چاہیے۔ حضرت مخدوم جہاں حاضرین کے خیال پر مطلع ہوگئے اور آپ نے فرمایا کہ وہ شخص کہ جس کے والد بزرگوار کا انتقال ہوجائے تو کس طرح ممکن ہے کہ غمگین نہ ہو۔ اسی دن سے حضرت منہاج الدین سید راستی کے نام سے مشہور ہوئے۔

بعض فرمان شاہی کہ جو درویشوں کی خدمت کے سلسلے میں مقامی حکام کے نام صادر ہوئے اس میں حضرت مخدوم سید منہاج الدین راستی کو حضرت غوث الاعظم سید میر محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے لکھا گیا ہے۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے آپ کو اجازت و خلافت دیکر ارشاد فرمایا: قصبہ بستانِ نجات چلے جاؤ اور وہاں مخلوق خدا کی ہدایت کرو، حضرت سید راستی نے قصبہ مذکورہ کی تلاش میں صوبہ بنگال تک کا سفر کر ڈالا، لیکن انہیں اس نام کی کوئی جگہ نہیں ملی، چنانچہ حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں واپس آئے اور احوال عرض کئے۔ حضرت مخدوم عالی مقام نے فرمایا: کہاں چلے گئے تھے اور کیوں اتنا دور دراز کا سفر کیا، وہ جگہ یہاں سے بہت قریب ہے، اور شہر پٹنہ سے متصل پچھّم کی طرف چار پانچ کوس کے فاصلے پر قصبہ پھلواری کے نام سے مشہور ہے اور پھر رخصت کیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت مخدوم جہاں خود ان کو اپنے ہمراہ لے کر یہاں آئے اور مسند ہدایت پر بٹھایا۔ کچھ دنوں کے بعد مخدوم راستی نے حضرت مخدوم راستی نے حضرت مخدوم جہاں کی خدمت میں ایک خط اس مضمون کا بھیجا کہ مجھے اس جگہ معمور فرما دیا گیا ہے کہ جہاں کوئی طالب ہدایت ہی موجود نہیں ہے، ایسی صورت میں حکم کی بجا آوری کیوں کر ممکن ہوسکتی ہے، اس ویران علاقے میں کس کی تربیت کی جائے، اگر شہر ہوتا تو مجھے ہدایت کا اجر بھی ملتا۔ حضرت مخدوم جہاں نے مخدوم راستی کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ جگہ بہت مردم خیز ہے۔ بہت سے اولیاء وہاں پیدا ہوں گے اور اس پھلواری سے بہت خوبصورت اور خوشبو دار پھول اُگیں گے۔ واقعی اس جگہ کا نام بستان نجات ہے اور بہت سے لوگ وہاں ماموری کے خواہش مند تھے، لیکن جو شفقت و محبت مجھے تم سے ہے، اس کی بنا پر میں نے تمہیں وہاں بھیجا۔ مخدوم راستی اپنے عالی مرتبت شیخ کے مکتوب گرامی کو پا کر بہت خوش ہوئے، انہوں نے اپنے اسباب کھول لیے اور ساری عمر اس قصبہ میں بسر فرمائی۔ آپ کا مزار شریف اس قصبہ میں اتر طرف مرجع خلائق ہے اور مشہور و معروف ہے اور حاجت برآری کے لئے زیارت گاہ عالم ہے۔ مخدوم شاہ مجیب اللہ

صاحب قادریؒ کے ایک قول کے مطابق ''حاجات برآری مخدوم راستی قدس سرہ کے حال سے وابستہ ہے نہ کہ ان کے التفات پر موقوف ہے، جو شخص بھی کسی حاجت کے لئے ان کے مزار پر بیٹھا تو چاہے حضرت مخدوم توجہ فرمائیں یا نہ فرمائیں، اس جگہ کا اثر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حاجت پوری ہوجائے گی''۔

آپ کا وصال ماہ ذی الحجہ میں ہوا (تاریخ اور سن درج نہیں ہے، قرین قیاس ہے کہ یہ زمانہ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد سلطنت کا ہوگا، یا اس کے بعد کا ہوگا) مزار شریف کے احاطہ میں حضرت مخدوم کے سرہانے ان کے استاذ سید محمد اشرف قدس سرہ آرام فرما ہیں اور مشہور ہے کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ جو کوئی میری قبر پر آئے وہ میرے استاذ کی قبر پر فاتحہ پڑھے پھر میری قبر پر پڑھے، زائرین کا عمل عموماً اسی قول کے مطابق رہتا ہے۔

تلاش حق میں آپ نے بڑی سخت ریاضتیں کیں اور برسوں پہاڑ پر گوشہ نشین رہ کر ذکر حق میں مشغول رہے، معقول ہے کہ مخدوم پورے سے قریب واقع ناگ ارجنی پہاڑ سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک دوسرا پہاڑ ''کوہ برابر'' واقع ہے، جسے اہل ہند برابر کا پہاڑ کہتے ہیں، اس پہاڑ پر مکمل تین سال رہ کر ریاضت و مجاہدہ کیا۔ ایک دن ایک شیر نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اپنی کھڑاون سے اس کا دفاع کیا۔ آج بھی شیر کے خون کے دھبے ویسے ہی باقی ہیں۔

کوہ ناگ ارجنی کے قرب و جوار کے رہنے والے لوگ بتاتے ہیں کہ مخدوم سید راستی کے قول کی روشنی میں اس پہاڑ پر ہمیشہ سات ولی، سات جوگی، سات شیر اور سات چور مقیم رہیں گے حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادری پھلواری مولف بستان الکرام کے مطابق صدیاں گزر چکی ہیں، اب تک یہ صورت برقرار ہے۔ واللہ اعلم

(تذکرۃ الکریم ترجمہ بستان الکریم، تالیف حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیات قادری پھلواری، مترجم سید محمد اسد علی خورشید سے ماخوذ) ☆

اے نفس تجھے دنیا سے محبت ہے!

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اچھی طرح جان لو کہ آدمی کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے، جو اس کے اندر گھسا ہوا بیٹھا ہے، یہی نفس اسے برائی اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے، اسی نفس کے تزکیہ اور اسے راہ راست پر رکھنے کا کام آدمی کے سپرد ہوا ہے، پس اگر تم اپنے نفس کی خبر نہ لوگے تو وہ سرکش اور قابو سے باہر ہو جائے گا، اور پھر ہاتھ نہ آئے گا، لیکن اگر تم اسے ملامت کرتے رہو گے تو وہ نفس لوامہ بن جائے گا، بلکہ کیا عجب کہ رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ بن جائے، اور ان بندگانِ الٰہی میں شامل ہو جائے جو اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں۔

دیکھو کسی وقت بھی اس کو نصیحت اور ملامت کرنے سے غافل نہ رہو، بلکہ دوسروں کو نصیحت تب کرو جب پہلے اپنے نفس کو کرلو، تم ہمیشہ اس سے یوں کہتے رہا کرو:

اے نفس! ذرا انصاف کر! تو سمجھتا ہے کہ میں بڑا عقل مند ہوں، مگر تیرے برابر بے وقوف کوئی نہ ہوگا، کیا تو نہیں جانتا کہ جنت اور دوزخ تیرے سامنے ہیں، اور تو بہت جلد کسی ایک میں جانے والا ہے، پھر تجھے کیا ہوا ہے کہ ہر وقت ہنستا کھیلتا، دنیا میں مگن رہتا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ تیرے اوپر موت کا کٹھن وقت آنے والا ہے، آج ہو یا کل؟ جس موت کو تو دور سمجھتا ہے، اللہ کے نزدیک وہ بہت قریب ہے، پس تجھے کیا ہوا کہ موت اتنی نزدیک ہے مگر تو اس کی تیاری نہیں کرتا ہے، حالانکہ:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ، مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ، لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ. (آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس جو تازہ نصیحت بھی ان کے رب کی طرف سے آتی ہے اس کو بہ تکلف سنتے ہیں اور کھیل میں پڑے رہتے ہیں، دل ان کے (دوسری ہی فکروں میں) منہمک ہیں۔

ذرا سوچ! تجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت کیوں کر ہوتی ہے؟ اگر تیرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تجھے نہیں دیکھتا، تو پھر تو یقیناً کافر ہے، یا اگر یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، اور پھر اس کی نافرمانی کرتا ہے، تو پھر سخت بے حیا ہے، اگر تیرا بھائی یا نوکر کوئی ایسی بات کرے جو تجھے بری لگے، تو تو کتنا غصہ کرتا ہے، پھر تجھے یہ جرأت کیوں کر ہوتی ہے کہ اپنے رب کا غصہ مول لے اور اس کے عذاب سے نہ ڈرے۔

کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کر سکے گا؟ ہرگز نہیں! یہ بات دل سے نکال دے، ذرا ایک گھڑی تیز دھوپ میں کھڑا رہ، یا اپنی انگلی آگ کے قریب کر، تجھے خود اپنی طاقت اور حوصلہ معلوم ہو جائے گا۔

کیا تو اس مغالطہ میں پڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور غفور و رحیم ہے، اسے کسی کی اطاعت کی حاجت نہیں، وہ مجھے بخش دے گا، لیکن پھر اپنے دنیا کے کاموں کے لئے کیوں کوشش کرتا ہے، اور اس کے کرم پر نہیں چھوڑ دیتا؟ جب کوئی دشمن تیرے درپے ہوتا ہے تو کیوں اس سے بچنے کے لئے تدبیر کرتا ہے؟ تب کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے بچا دے گا؟ جب کوئی دنیاوی کام روپے پیسے کے بغیر نہیں ہوتا، تو اس وقت تیرا دم کیوں نکلتا ہے، اور کیوں اسے حاصل کرنے کے لئے ہزار بھاگ دوڑ کرتا ہے؟ اس وقت کرم الٰہی پر تیرا اعتماد کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ صرف آخرت میں کریم ہے، دنیا میں نہیں؟

کیا تو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ مرنے کے بعد تجھے بلا حساب لئے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ یا تو بچ کر کہیں بھاگ نکلے گا؟ ہرگز نہیں، اگر تو ایسا سمجھتا ہے تو تو تیرے برابر کوئی جاہل نہیں، اور تو پکا کافر ہے۔

اے نفس! ذرا انصاف کر! اگر ایک کافر ڈاکٹر تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں کھانا تیرے لئے مضر ہے تو تو جی کڑا کر کے اسے چھوڑ دیتا ہے، اور صبر کرتا ہے، اگرچہ وہ بڑا لذیذ کھانا ہو، کیا انبیاء کا کہنا، جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے اور کتاب الٰہی کا فرمان، تیرے لئے اتنا بھی وزن نہیں رکھتا جتنا ایک کافر ڈاکٹر کا قول، عقل اور علم کی کمی کے باوجود اس کی بات کا اثر تو ہوتا ہے، مگر اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کا نہیں ہوتا۔ اس سے عجیب تر بات یہ ہے کہ بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑوں میں بچھو ہے تو تو بغیر دلیل طلب کئے اور بغیر سوچے سمجھے، اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے، کیا انبیاء کی متفقہ بات تیرے نزدیک اس نادان بچے کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ یا جہنم کی آگ، اس کی بیڑیاں، اس کی گرز، اس کا عذاب، اس کا زقوم اور اس کے آنکڑے، اس کے سانپ، بچھو اور زہریلی چیزیں تیرے لئے ایک بچھو سے بھی کم تکلیف دہ ہیں؟ حالانکہ اس کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے؟ یہ عقل مندوں کا شیوہ نہیں، اگر کہیں جانور کو تیری حالت زار کا علم ہو جائے تو وہ تجھ پر ہنسیں اور تیری دانائی کا مذاق اڑائیں۔ پس اے نفس!!! اگر تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں، اور ان پر تیرا ایمان ہے، تو کیا بات ہے کہ تو عمل میں سستی اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ حالانکہ موت کمین گاہ میں منتظر ہے کہ وہ بغیر مہلت کے تجھے اچک لے جائیں؟ تو کس وجہ سے نڈر ہے کہ وہ جلد نہ آئے گی؟

کیا وجہ ہے کہ تجھے اپنی خواہشات نفس کی مخالفت مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اس میں محنت و مشقت ہے؟ کیا تو اس دن کا منتظر ہے جب خواہشات کی

مخالفت تیرے لئے آسان ہو جائے گی؟ ایسا دن تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا، اور نہ پیدا کرے گا، جنت جب ملے گی، ہمیشہ ناگوار کام کرنے ہی سے ملے گی، اور ناگوار کام کبھی نفس کے لئے آسان نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ خواہشات کی مثال ایک تناور درخت کی سی ہے، جس کو اکھاڑے بغیر چارہ نہیں، اگر سستی کے باعث اسے آج نہ اکھاڑا، اور کل پر رکھا تو اس کی مثال اس جوان کی سی ہے جس سے ایک درخت نہیں اکھاڑا گیا، تو اس نے اس کام کو دوسرے سال کے لئے ملتوی کر دیا، حالانکہ جتنا زمانہ گزرے گا درخت کی جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی۔ اور اکھاڑنے والے کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوگا، جس کو جوان ہو کر نہیں اکھاڑ سکا، اس کو بڑھاپے میں کیا اکھاڑ سکے گا؟ سرسبز شاخ لچک رکھتی ہے اور جھکائی جا سکتی ہے، جب سوکھ جائے گی تو اس کو موڑنا ناممکن ہو جائے گا۔

غالباً تو یہ کہے کہ میں استقامت سے عمل اس لئے نہیں کرتا کہ لذت خواہشات کا حریص ہوں، اور تکلیف و مشقت برداشت نہیں کر سکتا، اگر یہی بات ہے تو تو پرلے درجے کا احمق ہے، اور تیرا عذر لنگ ہے، اگر تو لذت کا حریص ہے، تو ایسی لذت کیوں نہیں تلاش کرتا جو تمام آلائشوں سے پاک ہو، اور ابدالآباد تک کے لئے ہو، یہ نعمت جو جنت ہی میں حاصل ہو سکتی ہے، اگر تجھے لذت اور خواہش ہی عزیز ہیں تو ان کی خاطر بھی تجھے نفس کی وقتی خواہشات کی مخالفت کرنی چاہیے، اس لئے کہ بسا اوقات ایک لقمہ کئی لقموں سے محروم کر دیتا ہے۔

اسی جہالت کی وجہ سے احمق کا لقب تجھے رسول اللہ ﷺ سے ملا ہے، فرمایا کہ، عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع کرے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے، اور احمق وہ ہے جس کا نفس اپنی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھے"۔

اے نفس! دنیا کی زندگی میں نہ کھوجا، اللہ تعالیٰ سے غلط امیدیں نہ باندھ، اپنی فکر کر، اپنا وقت ضائع مت کر، کہ گنتی کے چند سانس تیرے پاس ہیں، ایک سانس جاتا ہے، اتنا ہی وقت کا خزانہ کم ہوجاتا ہے۔ جتنی مدت آخرت میں رہنا ہے، اسی قدر دنیا میں اس کی تیاری کر، جتنی مدت جاڑے کی ہوتی ہے، اسی حساب سے تو دنیا میں کھانا، کپڑے اور لکڑیاں جمع کرتا ہے، ان میں سے کسی چیز میں تو اللہ کے کرم پر تکیہ نہیں کرتا کہ وہ محض اپنے فضل سے، کپڑوں اور آگ کے بغیر تجھے سردی سے بچالے گا، حالانکہ وہ اس پر قادر ہے، پھر تیرا کیا خیال ہے کہ دنیا کی سردی کے مقابلے میں جہنم میں سردی کم ہوگی، یا تھوڑے دن رہے گی، یا کچھ کئے بغیر اس سے بچ جائے گا، نہیں، جہنم کی سردی توحید اور اطاعت کے بغیر نہیں جائے گی، اللہ تعالیٰ کا یہ کرم کیا تھوڑا ہے کہ تجھ کو جہنم سے بچنے کا طریقہ بتادیا، اور اس کیلئے سارا سامان مہیا کردیا۔

اے نفس! میں دیکھتا ہوں کہ تجھے دنیا سے محبت ہے، اور اس کی جدائی تجھ پر شاق ہے، تو اللہ تعالیٰ کے عذاب وثواب اور قیامت کے ہول سے غافل ہے، حالانکہ تو دنیا میں مسافر ہے، اور یہاں کی چیزیں سفر کرنے والوں کے ساتھ نہیں جاتیں، کیا تو گزرے ہوئے لوگوں کا حال نہیں دیکھتا؟ جن مکانوں میں رہنا ہی نہیں، وہ کیسے عالی شان بنائے، پھر چھوڑ کر چلے گئے، رہنے کی جگہ زمین کے اندر قبر ہے، اس کی فکر ہی نہ کی، شاید لوگوں کے درمیان عزت ومرتبہ کی محبت سے تیری آنکھوں پر چربی چھاگئی ہے؟ زمین پر سارے لوگ اگر تیری عزت کریں۔ تیری تعریف کے گن گائیں، اور تیرا کہا مانیں، پھر کیا تو نہیں جانتا کہ چند برس کے بعد نہ تو رہے گا، نہ یہ سارے لوگ، پھر ایک زمانہ آئے گا جس میں نہ تیرا ذکر رہے گا، نہ ان شخصوں کا جو تیرا ذکر کرتے تھے۔ (ماخوذ: از منہاج العابدین)

☆☆☆

اہل ریاضت کے مخصوص خصائل

حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ محاسبہ اور مجاہدہ نفس کرنیوالے اہل طریقت کے لئے دس عمدہ خصلتیں ہیں جن پر وہ عمل پیرا رہے، جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارشاد نبویؐ کی متابعت میں ان خصائل پر قائم اور راسخ ہوجاتے ہیں تو معرفت اور روحانیت کے بلند مقامات پالیتے ہیں۔

پہلی خصلت: کوئی شخص قصداً یا سہواً (جان بوجھ کر یا بھول چوک سے) جھوٹی یا سچی قسم ہرگز نہ کھائے خواہ وہ قسم اللہ کے نام سے ہو، اس کی کتاب مقدس کے نام سے ہو یا نبی کریم ﷺ کے نام سے یا کسی بھی طرح سے ہو۔

دوسری خصلت:۔ کوئی شخص احتیاطاً یا ہنسی مذاق کے طور پر بھی جھوٹ بولنے سے احتراز کرے۔ اگر وہ اپنی زبان کو سچ کا عادی بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شرح صدر عطا فرمائے گا اور علوم ومعرفت کے لئے اس کا سینہ کھول دے گا۔

تیسری خصلت:۔ کوئی شخص جب کسی سے کوئی وعدہ کرے تو اپنے وعدوں کی خلاف ورزی ہرگز نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تم اپنے عہد وپیمان کی تعمیل کیا کرو کیوں کہ تم سے تمہارے وعدوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے عہد وپیمان کی پابندی نہیں کرتا اس میں ایمان ہی نہیں۔

چوتھی خصلت: کسی انسان یا کسی چیز پر لعنت ملامت نہ کرے، کہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے۔ عالم الغیب ہونے کی بنا پر کائنات میں اسی کی ذاتِ عالی ہے جو اس بات سے باخبر ہے کہ کون سا شخص یا کون سی چیز لعنت کے قابل ہے اور معتوب ومغضوب ہونے کی مستحق ہے۔ پس لعنت نہ کرنا اور مخلوقات کو ایذا اور ضرر نہ پہنچانا، اولیاء اللہ اور ابرارین وصدیقین کی صفت ہے اور اس ضمن میں ان کی متابعت کرنے والوں کے درجات دنیا اور عقبیٰ میں بلند کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی حفاظت فرماتا ہے، سبحان اللہ۔

پانچویں خصلت: مسلمان کو لازم ہے کہ کسی کے حق میں بددعا کرنے سے پرہیز کرے۔ اگر اس کی طرف سے زیادتی اور بے رحمی ہوئی ہے تو اس کے لئے بددعاء کرنے کی بجائے اس کے راہ راست پر آنے کی دعاء کرے۔

چنانچہ اب تک کی بیان کردہ پانچ پاکیزہ خصلتوں میں مجھے سب سے زیادہ بھاری اور سب سے زیادہ مشکل یہی بات نظر آئی کہ جو تم پر ظلم کرے تم اس کے لئے دعاء کرو۔ بے شک یہ کام اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ اس کی عادت اس طرح ڈالی جاسکتی ہے کہ جب بڑے دکھ، بڑے ہی اضطراری کیفیت میں ہمارا ہاتھ اپنے مولائے مہربان کی طرف اٹھا ہوا ہو، دل سے ہُوک اٹھ رہی ہو، تو یہ سوچ کر کہ شاید یہی وقت دعاء کی قبولیت کا ہو تو بجائے اس کے کہ ہم کسی کے لئے بددعاء کریں ہم اپنے لئے دعاء کیوں نہ کریں۔ یہ ایک ایسا آزمودہ نسخہ ہے جس کی تاثیر بیان نہیں کرسکتی۔ پھر آہستہ آہستہ ہماری ہماری زبان صرف دعاء کی عادی بن جائے گی ہمارا آزمایا ہوا ایک دوسرا نسخہ بھی ہے۔ جو اپنے آقا ومولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت کرنے والے ہیں ان کے لئے اس کو کرنا بالکل مشکل نہیں ہوتا۔ یہ مجھ پر اس وقت آسان ہوا جب مجھے ایک بزرگ کے احوال کی بابت معلوم ہوا جو فرماتے تھے کہ

اُس ضعیف حدیث پر بھی میری کوشش ضرور ہوتی ہے کہ کم از کم زندگی میں ایک بار اس پر ضرور عمل کرلوں تا کہ کل حشر کے دن آقائے دو جہان ﷺ یہ نہ کہیں کہ فلاں حدیث جب میرے حوالہ سے پہنچی تھی تو تو نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اس بات نے مجھے روشنی دکھائی کہ یہ بات تو میرے آقاؐ کی سنت رہی ہے۔ کہ جب جب آپ ﷺ پر ظلم ہوا آپ نے اس ظلم کا جواب دعاء سے دیا۔ سبحان اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ۔ آپ بھی اس نسبت پر عمل پیرا ہوکر دیکھیں، یہ مشکل کام بھی آسان ہوجائے گا انشاء اللہ یہ ایک ایسی خصلت ہے جو آپ کے حق میں موجب بلندی درجات ثابت ہوگی۔

چھٹی خصلت: مومنین اور اہل قبلہ میں سے کسی شخص پر وثوق کیساتھ کافر ومشرک یا منافق ہونے کا حکم نہ لگائے بلکہ اپنے ہی ایمان ویقین کی نگہداشت میں لگا رہے۔

ساتویں خصلت: انسان گناہ ومعصیت میں مبتلا کرنے والی یا حرام چیزوں کو دیکھنے یا ان کی طرف راغب ہونے سے پرہیز کرے اور اپنے اعضاء کو نواہی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممنوع قرار دی ہوئی چیزوں سے باز رکھے۔ یہ احکام الٰہی کا احترام ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا وآخرت میں عزت و سربلندی عطا فرماتا ہے۔

آٹھویں خصلت: مخلوقات میں سے کسی پر خواہ مخواہ بڑا ہو یا چھوٹا اپنا بوجھ ناروا طریقے پر نہ ڈالے اور انہیں ظلم وزیادتی سے مکلّف نہ کرے یہ خصلت دیندار اور ذاکر وعابد لوگوں کی عزت ہے اور اس کی تعمیل سے وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی قوت وتوفیق پاتے ہیں۔ یہ خصلت توحید واخلاص کا بلند رتبہ پانے کے لئے سب سے اہم ہے۔ (ماخوذ نجمہ باجی، سہ ماہی تزکیۂ نفوس منگرادہ اعظم گڈھ)

☆☆☆

یہ بڑا گہرا سمندر ہے

پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خالق کا شکوہ مخلوق سے مت کر بلکہ اس سے کر کہ وہی قادر ہے اور اس کے سوا دوسرے تو کچھ بھی نہیں۔ راز کا چھپانا، مصیبتوں، بیماریوں اور خیرات کا مخفی رکھنا خوب ہے، اپنے داہنے ہاتھ سے خیرات دے اور کوشش کرے کہ اس کی خبر تیرے بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہو۔

اس بحر دنیا سے ڈر کہ بُہتیری مخلوق اس میں ڈوب چکی ہے، مخلوق میں شاید باید کوئی اس سے نجات پاتا ہے۔ یہ بڑا گہرا سمندر ہے، سب کو غرق کرسکتا ہے۔ ہاں اللہ عزوجل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس سے نجات دے دیتا ہے جیسا کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو جہنم سے نجات دے گا کہ سبھی (پل صراط کے واسطہ سے) اس پر عبور کریں گے۔ اور اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا بچالے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو اس پر ہو کر نہ گذرے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اہل تقویٰ کو بچالیں گے۔

(حضرت پیران پیرؒ کی ایک مجلس وعظ بوقت صبح یوم جمعہ ۸/شوال المکرم ۵۴۵ھ ماخوذ وملخص از فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی)

☆☆☆

جب صوفیاء کرام
مخلوق خدا کی راحت رسانی کے مظہر تھے

صوفیاء کرام کے دم قدم کی برکت سے مخلوق خدا کی راحت رسانی کے واقعات گذشتہ ادوار میں ہوتے تھے اور آج بھی اللہ کے بندے اخلاص و بے نفسی کے ساتھ اپنی خاموش زبانوں سے سرگرم عمل ہیں، امت کے حق میں ضروری خدمات انجام دینے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ادوار کے لوگ خود بھی سادہ لوح اور نیک طبیعت ہوا کرتے تھے اور بزرگان دین پر اعتقاد و یقین بھی عموماً ہوا کرتا تھا جبکہ آج رجحان بدل چکا ہے۔ دنیا داروں اور اعتراض کے بندوں کے سامنے کھل کر خلاف عادت باتیں ظاہر ہونے لگیں تو مخلوق اور Media کے سامنے تماشہ بن جائے اور ایسے صاحب کمال لوگوں کا تو یقیناً جینا دوبھر ہوجائے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مخصوصین امت سے ناطہ توڑ کر ہم نے اپنی دنیا و آخرت دونوں کو مشکلات میں ڈال دیا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سیاسی وسماجی دونوں مسائل کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔ حالاں کہ سچ اور حق بات تو یہ ہے کہ ان مخلص اور بے نفس حضرات کا اپنی حیات مبارکہ میں بھی اور اس جہاں فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی خلق خدا کے خیر خواہ وغم گسار ہونا بے شمار واقعات سے ثابت ہے یہاں اس مختصر مضمون میں صرف دو واقعات بطور عبرت وموعظت درج کیے جاتے ہیں۔

خواجہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ ابو یوسف چشتی (متوفی ۴۵۹ھ بعہد خلیفہ عباسی ابوجعفر عبداللہ) کہیں جارہے تھے، راستے میں دیکھا کہ لوگ مسجد بنارہے ہیں لیکن ایک شہتیر ناپ سے کچھ کم تھا اس لئے سیدھے طور پر بیٹھ نہیں رہا تھا جس کے وجہ کر منتظمین اور کارگزار حضرات بہت پریشان تھے۔ (ان دنوں اتنے عمدہ وسائل اور آسانیاں نہیں تھیں اور ممکن ہے خرچ اخراجات کی تنگی بھی ہو کہ فوری طور پر مذکورہ شہتیر کا نعم البدل تلاش کیا جاسکے) خواجہ ابو یوسف چشتی یہ منظر دیکھ کر گھوڑے سے اترے اور مسجد کی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر شہتیر کا سرا پکڑا اور دیوار پر رکھ دیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ شہتیر ایک گز دیوار سے زیادہ لمبا تھا۔ (حوالہ مراۃ الاسرار، صفحہ: ۴۶۴)

میاں غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ کا شمار وقت کے صلحاء اور مشاہیر اولیائے گجرات میں ہوتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں تھے جن کی شان میں ''خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ'' (لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے) کہا گیا ہے۔ آپ لوگوں کی ضرورت کی ہر چیز اور ہر جنس اپنے پاس محفوظ رکھتے اور ضرورت مندوں کے درمیان تقسیم فرماتے۔ سونا، کپڑا، کھانے کی چیزیں، ادویہ، کتابیں اور جملہ قسم کا اسباب آپ کے مکان میں موجود رہتا (کہ کس وقت کس شخص کو کون سی چیز کی ضرورت پڑ جائے) اور آپ کے اعمال میں یہ سب سے افضل عمل تھا۔ (حقائق)

اہل بصیرت اس بات پر متفق ہیں کہ سید سالار مسعود غازی کی شہادت کے بعد ملک ہندوستان میں جو کوئی مرتبہ شہادت سے سرفراز ہوتا ہے آپ کی متابعت پر مامور ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

غذا تخم ہے اور افعال تخم کے پودے

انسان کے اعمال و افعال اور اقوال کی اچھائی برائی کا انحصار غذا پر ہے، اگر پیٹ میں حرام غذا جائے گی تو حرام کاموں کی صورت میں ہی برآمد ہوگی اور اگر فضول اور ضرورت سے زیادہ غذا پیٹ میں ہوگی تو وہ بھی فضولیات کے ارتکاب کی صورت میں ضائع ہو جائے گی، غذا گویا بیج ہے اور افعال و اقوال اس بیج سے نکلنے والے پودے ہیں جو بیج کی فطرت کے مطابق ہی اُگتے ہیں۔

کھانے پینے کے معاملے میں اہل اللہ کے کچھ تجربات اور مشاہدات ہیں جن کی روشنی میں انہوں نے خود بھی عمل کیا اور اپنے متعلقین اور متوسلین کو بھی تاکید کرتے رہے۔ علم و عمل کی ان نازک و نایاب کڑیوں سے استفادہ کرنا ہمارے لئے بھی ضروری ہے اور ہمارے جاننے والوں کے لئے بھی۔

ضرورت سے زیادہ کھانے سے علم و فہم میں کمی واقع ہوتی ہے کیوں کہ غیر محتاط طریقے پر پیٹ بھر کر کھانا فطری عقلمندی اور سمجھداری کو جو عقل سلیم اور قلب سلیم کے خزانوں سے حاصل ہوتی ہے، ختم کر دیتی ہے۔

حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تو دنیا اور آخرت کی حاجت و

ضرورت پورا کرنے کا خواہش مند ہے تو خالی پیٹ اسے پورا کرنے کی کوشش کر۔ پیٹ بھر کھا لینے کے بعد عقل اور فہم میں فتور پیدا ہو جائے گا۔ یہ بات صحت وسلامتی کے طلب گار ہر تجربہ کار پر ظاہر اور واضح ہے۔

پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت میں کمی واقع ہوتی ہے، کیوں کہ انسان جب خوب سیر ہو کر کھا لیتا ہے تو اس کا بدن بوجھل ہو جاتا ہے، آنکھوں میں نیند بھر جاتی ہے۔ اور اعضاء سست پڑ جاتے ہیں، کوشش کے باوجود وہ صحیح طریقے پر کوئی کام نہیں کر سکتا، مردار کی طرح پڑا رہتا ہے، یا پڑے رہنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک بار یحییٰ علیہ السلام نے ابلیس کو اس حال میں دیکھا کہ بہت سے جال اٹھائے ہوئے ہے، آپ نے ان جالوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا: یہ شہوات نفسانی کے جال ہیں جن سے میں بنی آدم کو شکار کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا: کیا مجھے پھانسنے کے لئے بھی ان میں سے کوئی جال ہے؟ کہا: نہیں، صرف ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو میں نے اس رات آپ پر نماز کو بھاری کر دیا، یحییٰ علیہ السلام نے اس بات کو سن کر فرمایا: خدا کی قسم! آئندہ میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاؤں گا۔ سمجھداری کی اس محتاط روش کو دیکھتے ہوئے ابلیس نے بھی کہا کہ میں بھی آئندہ کسی ایسی بات کو نہیں بتاؤں گا، یعنی پرہیز کرنے اور محتاط رہنے کا یہ راز نہیں بتاؤں گا۔

یہ اس نبی مکرم کا حال ہے جس نے ساری زندگی میں ایک بار سیر ہو کر کھا لیا تو اس کا یہ حال ہوا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس نے ساری عمر میں مشکل سے ایک آدھ بار اپنے پیٹ کو بھوکا رکھا یا شکم سیری سے بچائے رکھا، ایسا شخص عبادت کی خوبیوں اور کمالات کی حصولیابی کی امید کیسے کر سکتا ہے۔ (ماخوذ از منہاج العابدین۔ حضرت امام غزالیؒ)

☆☆☆

ارشادات حضرت بابا فرید الدین شکر گنجؒ

۱۔ حق تعالیٰ کے ساتھ بنا کر رکھنی چاہیے کیوں کہ وہ دینے والا ہے اور سب لیتے ہیں، جب وہ دینے والا ہے تو کوئی شخص از خود حق تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ نادان کو زندہ مت خیال کر اور دانا نما نادان سے پرہیز کر۔

۳۔ ہر شخص کی روٹی نہ کھا، لیکن ہر شخص کو روٹی دے۔

۴۔ اہل کو کبھی فراموش نہ کر۔

۵۔ قیاس سے بات نہ کر (بلکہ یقین سے بات کر)

۶۔ اپنے دل کو شیطان کا بازیچہ (کھیل کی جگہ) نہ بنا۔

۷۔ اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر جان اور ظاہری آرائش ترک کر۔

۸۔ حصول جاہ کیلئے اپنے آپ کو بے قدر نہ کر اور اپنے اسلاف کو یاد رکھ۔

۹۔ ہر روز نئی دولت کی طلب میں رہ، یعنی روحانی دولت۔

۱۰۔ جو چیز اچھی لگے، اسے فوراً ترک کر دے اور نفس سے صلح نہ کر۔

۱۱۔ کسی دشمن سے بے خوف نہ رہ، اگر چہ وہ تم سے کتنا خوش کیوں نہ ہو۔

۱۲۔ جو شخص تجھ سے ڈرتا ہے، تو اس سے ڈر۔

۱۳۔ اپنی طاقت وقوت پر بھروسہ نہ کر۔

۱۴۔ شہوت کے وقت اپنے نفس کو سب وقتوں سے زیادہ قبضہ میں رکھ۔

۱۵۔ جب تو اہل دولت کے ساتھ بیٹھے تو دین کو نہ بھول۔

۱۶۔ عزت وحشمت، عدالت اور انصاف میں ہے۔

۱۷۔ تونگری (مالداری) میں بلند ہمت ہوجا۔

۱۸۔ سخاوت کو صحیح بات کے عوض دے دے، یعنی خود کو درمیان میں نہ دیکھو۔

۱۹۔ جب حق تعالیٰ سے تجھے کوئی زحمت پیش آئے تو اس سے نہ بھاگ۔

۲۰۔ دشمن کو عقل مندی سے دور کر اور دوست کو تواضع سے غلام بنا۔

۲۱۔ اپنے سے اندھا نہ ہو۔

۲۲۔ دشمن کی تلخ بات سے پریشان نہ ہو۔

۲۳۔ اگر ساری خلقت کو اپنا دشمن بنانا چاہتا ہے تو متکبر (مغرور) بن جا۔

۲۴۔ اگر آسودگی چاہتا ہے تو حسد نہ کر۔

۲۵۔ ہمیشہ اس بات کی کوشش کر کہ موت میں زندہ ہوجائے۔

(مراۃ الاسرار، صفحات: ۷۰۰۔۷۷۱)

☆☆☆

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ۱۷یا۱۸؍ برس کا میرا سن تھا کہ مولانا شاہ کرامت علی قدس سرہ کی قدم بوسی مجھے نصیب ہوئی، یہ قادریہ سلسلہ کے کوئی بزرگ ہیں جو وسط ایشیا سے ہندوستان وارد ہوئے تھے اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مریدوں میں تھے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے ارادت مندی نصیب ہوئی، شاہ صاحب نے دو بار اپنے پاس بیٹھنے کو ارشاد فرمایا، میں پاس ادب سے اپنی جگہ بیٹھا رہا، اتفاقاً میری حرکت سے لاٹھی گری اور ایک شیشہ ٹوٹ گیا، حضرت نے فرمایا کہ بڑوں کا کہنا نہ ماننے سے ایسا ہی ہوتا ہے۔ اثر بیان سے میرے آنسو جاری ہوگئے۔ ایک بار حضرت مولانا شاہ کرامت علی قدس سرہ بنارس تشریف لے جارہے تھے اور حسب دستور کانپور میں ٹھہرے، مجھے اطلاع نہیں ہوئی، مگر ایک اضطراب پیدا ہوا، میں بے اختیار کھڑا ہوگیا، اور بے چینی سے ادھر ادھر پھرنے لگا، (غور طلب بات یہ ہے کہ ایک صاحب دل کی آمد کی اطلاع نہ ہونے کے باوجود قلبی بے چینی اور نفسیاتی چبھن محسوس ہورہی ہے) اتفاقاً راہ میں فلاں صاحب مل گئے، انہوں نے حضرت کی آمد کی اطلاع دی، میں اسی وقت حاضر خدمت ہوا، دوران ملاقات مجھ سے مخاطب ہوکر پوچھا: تم کیا پڑھتے ہو۔ میں نے عرض کیا: قاضی مبارک، ارشاد ہوا: استغفر

اللہ،نعوذ باللہ، قاضی مبارک پڑھتے ہو۔اس سے حاصل، ہم نے فرض کیا کہ تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے۔ پھر کہا: قاضی مبارک کی قبر پر جا کر دیکھو کہ کیا حال ہے۔ایک بے علم کی قبر پر جا کر دیکھو جس کو خدا کی نسبت تھی، اس پر کیسے انوار و برکات ہیں، فیضان صحبت سے مجھے اس وقت نیم خوابی سی تھی۔ اسی سفر میں شرف بیعت حاصل ہوا۔فرمایا کہ ہم نے بہت دور تک توجہ دیدی ہے۔

حافظ صاحب کہتے ہیں کہ میں برابر سامنے حاضر رہا، تمام رسالہ یعنی ارشادات رحمانی) ملاحظہ فرما کر سر مبارک اٹھا کر فرمایا، جو کچھ لکھا ہے حق ہے، اس کے بعد میں (مولانا محمد علی مونگیری) حاضر ہوا، اس رسالہ کو حجرے کے طاق میں رکھا ہوا دیکھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت نے اس رسالہ کو ملاحظہ فرمایا، اس میں کوئی بات غلط تو نہیں ہے؟ ارشاد فرمایا: ٹھہرو، کہیں گے۔ پھر اطمینان سے بیٹھے اور رسالہ طلب کیا اور اس کا پہلا صفحہ نکال کر فرمایا کہ تم نے جو ہماری تعریف لکھی ہے، غلط ہے اور کوئی بات غلط نہیں ہے۔ (اس رسالہ کی قبولیت کی یہ بڑی نشانی ہے کہ عرصہ تک حضرت کے سرہانے طاق پر رہا۔ مولوی حکیم لطف الرحمٰن عظیم آبادی حضرت کی خدمت میں مہینوں حاضر رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسالہ طاق میں رہتا تھا اور اکثر اتفاق ہوا ہے کہ مجھ سے رسالہ طاق پر سے منگوایا ہے اور دیر تک ملاحظہ فرما کر رکھ دیا ہے۔ اسی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ متعدد مرتبہ مختلف مقامات پر چھپ چکا ہے اور مسلمان اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ (ارشاد رحمانی صفحہ:۵تا۶)

۱۲۰۸ء میں آپ کی ولادت باسعادت (کاسن) ہے۔ حضرت (مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی) کی زبان فیض ترجمان سے میں نے یہ سنا ہے۔ (ارشاد رحمانی، حاشیہ صفحہ:۷) (مجالس عالیہ کے احوال و بیانات پر مشتمل ''ارشاد رحمانی وفضل یزدانی، مولفہ و مرتبہ حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری قدس اللہ سرہم، مطبوعہ خانقاہ رحمانی مونگیر، صوبہ بہار سے اقتباس) ☆☆☆

سید القوم خادمہم

سر راس مسعود، سر سید احمد خاں کے پوتے اور جسٹس محمود کے بیٹے تھے، ۱۹۳۵ء میں وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر مقرر ہوئے، ایک دن یونیورسٹی کے تمام اداروں کا جائزہ لینے کے لئے روانہ ہوئے، یونیورسٹی کا سارا عملہ ان کے ساتھ تھا، وہ ظہور وارڈ میں پہنچے، جہاں چھوٹے بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، وہاں ایک نابینا حافظ جی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے راس مسعود کو بچپن میں قرآن مجید پڑھایا تھا۔

راس مسعود نے آگے بڑھ کر حافظ جی کو سلام کیا، اور اپنا تعارف کرایا، حافظ جی نے پہنچان لیا اور کہا: آہا! میرا بیٹا مسعود ہے، مسعود اب کیا بن گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اب یہ وائس چانسلر بن گئے ہیں۔ حافظ جی نے پوچھا: وائس چانسلر کیا ہوتا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ وہ استادوں کے بھی استاد ہیں۔ حافظ جی نے کہا: اہا! میرا بیٹا مسعود سب سے بڑا استاد بن گیا ہے۔ راس مسعود نے دریافت کیا حافظ جی کوئی حاجت ہے؟ حافظ جی نے سابقہ بے تکلفی میں کہا: بیٹا میں کئی ہفتوں سے نہایا نہیں ہوں، تو مجھے نہلا دے۔

(حالت یہ ہے کہ) حافظ جی کو کچھ خبر نہیں کہ اب وہ وائس چانسلر ہیں، اور کتنے ہی چیرمین اور پروفیسران کے ساتھ کھڑے ہیں، لائق شاگرد نے اسی وقت کوٹ اتار دیا اور نہلانے کے انتظامات شروع کردئے، پانی گرم کیا گیا اور ساتھ ہی ایک نیا جوڑا تیار کرانے کیلئے درزی کو دیا گیا، دوسرے لوگوں نے کہا بھی کہ ہم نہلاتے ہیں، مگر راس مسعود نہ مانے، انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے مل مل کر اپنے نابینا استاد کو نہلایا، کئی گھنٹے تیاری میں صرف ہوگئے، وہ وہیں بیٹھے رہے، سارا عملہ بھی وہیں کھڑا رہا، نہلا کر کپڑے پہنا کر، خوشبو لگا کر استاد سے رخصت ہوئے۔ حافظ جی نے جی بھر کر ان کو دعائیں دیں۔ (مثالی اساتذہ:۱۰۱)

فائدہ: یہ خدمت کا ثمرہ تھا جو وہ وائس چانسلر بنے۔

☆☆☆

عارفین الٰہی کے حال واقوال

مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مواعظ میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی جب کلیر شریف زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو بہت دور پہلے سے اپنے جوتے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے۔ (ماخوذ از فیضان ذکیؒ، ماہنامہ نقوش عالم بنگلور، مئی ۲۰۱۳ء، صفحہ:۱۵)

علامہ طحطاویؒ نے نقل کیا ہے کہ قاضی ابوعاصم ایک حنفی عالم تھے، ایک مرتبہ وہ مشہور شافعی عالم علامہ قفال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے گئے، شافعی مسلک میں اذان کہتے وقت ''**اشھد ان لا الہ الا اللہ**'' اور **اشھد ان محمد رسول اللہ** '' اور ''**حی علی الصلاۃ**'' اور ''**حی علی الفلاح**'' صرف ایک ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں، جبکہ فقہ حنفی کے مطابق دوبار۔

علامہ قفال نے قاضی ابوعاصم کو مسجد میں دیکھا تو ان کے احترام میں مؤذن کو حکم دیا کہ آج تم تکبیر کے کلمات دو مرتبہ کہنا، اس کے بعد انہوں نے قاضی ابوعاصم سے نماز پڑھانے کو کہا تو قاضی صاحب نے نماز پڑھاتے وقت سورہ فاتحہ سے قبل بسم اللہ جہراً پڑھی اور نماز کے کئی دوسرے افعال (زور سے آمین، رفع یدین وغیرہ) بھی شافعی مسلک کے مطابق ادا کئے۔

ایک مرتبہ ایک لومڑی کا گزر ایک درخت پر ہوا، اس نے درخت پر ایک مرغ کو دیکھا اور مرغ سے کہا: ارے بھائی نیچے اتر آؤ تا کہ ہم جماعت سے نماز پڑھ لیں، مرغ نے جواب دیا: میں بھی یہی سوچ رہا ہوں، لیکن امام صاحب ادھر درخت کے پیچھے سو رہے ہیں، انہیں ذرا بیدار کرلو، لومڑی نے پلٹ کر درخت کے پیچھے دیکھا تو اس کی نظر ایک موٹے تازے کتے پر پڑی جس کو دیکھ کر لومڑی بدحواس ہوگئی اور بے تحاشہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑی ہوئی، مرغ نے چلا کر کہا: اے بھاگتی کیوں ہو، کیا جماعت سے نماز نہیں پڑھو گے؟ لومڑی بھاگتے ہوئے کہے جا رہی تھی کہ میرا وضو ٹوٹ گیا ہے، تازہ وضو کر کے آنے تک میرا انتظار کرنا۔ (مجانی الأدب، ج:۲)

ایک دفعہ لوگوں نے مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ مرگئی، مجنوں نے کہا: میں غمگین نہیں ہوں، بلکہ مجھے ندامت و شرمندگی اس بات کی ہے کہ ایک ایسی ہستی سے محبت ہی کیوں کی جو فانی ہو۔ (فوائد الفوائد، صفحہ:۲۲)

اللہ تبارک وتعالیٰ کبھی کبھی مجاہدہ غیر اختیاریہ بھی کروا دیتے ہیں (جو اس کے درجات کی بلندی اور مقامات عالیہ کی حصولیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے) ایک دولت مند آدمی نے ایک عزیز باندی کو ایک نامور بزرگ کی خدمت میں ہدیہ کرنا چاہا۔ باندی نے عرض کیا کہ جن بزرگ کے گھر آپ مجھے بھیجنا چاہتے ہیں، ان کی تو کوئی برائی کرتا ہی نہیں، نہ ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ حالانکہ انبیا اور اولیا کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ کوئی نہ کوئی ان کی برائی کرنے والا، اعتراض کرنے والا ہوتا ہے۔ بہر حال تین دن کے لئے مجھے ان کے گھر بھیج دیجئے، پھر جیسا ہوگا میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گی۔ باندی مذکورہ بزرگ کے گھر میں آگئی، تو محلّہ کی ایک عورت آگ لینے ان کی اہلیہ کے پاس آئی تو انہوں نے شکایتاً کہا کہ یہاں کئی دن سے چولہا نہیں جلا ہے، ان کو ہماری اور ہماری ضروریات کی کوئی فکر نہیں ہے۔ کچھ دیر

بعد مذکورہ بزرگ نے کسی خادم کو اپنے گھر بھیجا کہ اگر کوئی ضرورت ہے تو بتا دیجئے، اس خادم کو بھی اہلیہ نے پھٹکار سنا دی، یہ حالات دیکھ کر باندی جان گئی کہ ان کی برائی کرنے والے تو ان کے گھر کے اندر ہی ہیں، باہر والوں کی کیا ضرورت۔ ہر وقت، ہر آن برائی کرنے والا موجود ہے، الغرض بزرگان دین کو کبھی کبھی ایسے ناپسندیدہ حالات اور واقعات پیش آجاتے ہیں کہ بظاہر تکلیف و رسوائی کا سامان ہے، لیکن اندرونی طور پر بڑے بڑے انعام اور راحت و سکون کا سامان بن جاتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصری متوفی 135ھ کو ایک دن خواجہ حسن بصری کے گھر جانے کا اتفاق ہوا، وہ اپنے عبادت خانہ کی چھت پر بیٹھے اس قدر رو رہے تھے کہ آپ کے آنسو پرنالے سے نیچے بہہ رہے تھے۔ (رونے کی رغبت اور آنسوؤں کا خزانہ جتنا سلف وصالحین کو نصیب ہوا، آج کے دور میں اس کے دسویں حصہ کا تصور بھی ممکن نہیں۔ بشرطیکہ ایمانداری اور حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا جائے) حضرت رابعہ بصری نے دریافت کیا: یہ کیسا پانی ہے؟ جب حقیقت معلوم ہوئی تو آپنے فرمایا: اے حسن! اگر یہ گریہ رعونت نفس کی وجہ سے نہیں ہے تو اس پانی کی حفاظت کرتا کہ تیرے اندر دریا ہو جائے۔

جس وقت حضرت حبیب عجمیؒ کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تھا آپ زار زار روتے تھے، ایک دفعہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ قرآن مجید کے معنی تو سمجھتے نہیں، گریہ کس وجہ سے کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ میری زبان عجمی ہے، لیکن دل عربی ہے۔ (مراۃ الاسرار صفحہ:۲۵۳)

ایک دن حضرت شقیق بلخیؒ امام ابو یوسف شاگرد رشید امام ابوحنیفہؒ کی مجلس قضا میں گئے، فرماتے ہیں: (امام صاحب سے رجوع کرنے والوں کا حال یہ تھا کہ) لوگ تہہ در تہہ آپ کے گرد جمع ہو رہے تھے (یعنی ہجوم کثیر تھا، جو تھمتا نظر نہیں آرہا

تھا) امام ابو یوسف نے میری طرف (از راہ عنایت) دیکھ کر پوچھا کہ یا شیخ کیا ہوا کہ آپ نے سیاہ لباس پہن رکھا ہے، میں نے کہا: جو کچھ تم نے طلب کیا پالیا اور جو کچھ میں طلب کرتا ہوں (ابھی تک) مجھے نہیں مل سکا۔ یعنی ماتمی لباس نہ پہنوں تو کیا کروں۔ (میری اس بات کو سن کر) امام ابو یوسف بہت روئے اور کہنے لگے کہ میں کردہ گناہوں کی بہ نسبت ناکردہ گناہوں سے زیادہ ڈرتا ہوں، کیوں کہ جو کچھ کیا ہے، اس کا مجھے علم ہے، لیکن معلوم نہیں آگے جا کر کیا کروں گا۔ (مراۃ الاسرار، صفحہ ۲۹۶)

☆☆☆

عشق کی چوٹ جب دل پر پڑتی ہے

اپنے عہد خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، دوران طواف انہوں نے سنا، ایک اعرابی اپنے رب کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے اور بار بار کہہ رہا ہے، یا اللہ! مجھے اپنے قلیل بندوں میں سے بنادے، یہ سنکر حضرت عمر کو تعجب ہوا اور فرمایا کہ اس آدمی کو میرے پاس لاؤ، جب وہ سامنے آ گیا تو حضرت عمر نے فرمایا: اے اعرابی! میں نے ایسی نرالی دعا آج تک نہیں سنی۔ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ اعرابی نے جواب دیا: آپ کو معلوم نہیں یا امیر المومنین؟ اب تو آپ کا تعجب اور بڑھا۔ اعرابی نے کہا: کیا آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت نہیں پڑھی: قَلِيْلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ، یعنی میرے بندوں میں بہت کم شکر گزار ہیں۔ لہٰذا دعا کرتا ہوں کہ اللہ مجھے شکر گزار بندوں میں شامل کر دے اور چونکہ شکر گزار بندے کم ہیں، اس لئے انہیں کم یعنی قلیل بندوں میں سے ایک فرد مجھے بھی بنادے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ تو نے سچ کہا۔

یہ تھی ایک سادہ لوح لیکن مدبر اعرابی کے دل کی چبھن اور یہ تھا امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کا اعتراف۔

حضرت لبینہ کا شمار ابتدائے عہد رسالت کی ان بے بس اور مظلوم کنیزوں میں ہوتا ہے، جو اپنے دفاع پر قدرت نہیں پاتی تھیں اور نہ ان لاچار کنیزوں کا کوئی پرسان حال تھا، لیکن سچی بات اپنی زبان سے کہنے میں تعرض نہیں کرتی تھیں۔ وہ حضرت عمر کی کنیز تھیں۔ حضرت عمر جیسے طاقت ور آدمی انہیں اتنا مارتے کہ خود تھک کر بیٹھ جاتے لیکن یہ اللہ کی بندی یہی کہتیں ''عمر اگر تم اسلام نہیں لاؤ گے تو خدا تم سے اس کا بدلہ لے گا۔ ایسی تکلیف اور کسمپرسی کی حالت میں بھی کیسی مدبرانہ اور دلبرانہ فہم وفراست کی بات تھی جو ان کے منہ سے نکلتی تھی اور جس میں اپنے مالک مجازی کے حق میں پرخلوص تمنا کا اظہار مستقبل کے احوال کی بابت کیا جاتا تھا اور جس کی کیفیت کو دردمند دل رکھنے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ کفار مکہ میں کیسے کیسے سنگ دل لوگ تھے، کسی نہ کسی کے دل پر کسی نہ کسی وقت چوٹ تو لگ ہی جاتی تھی اور یہی چوٹ لگتے لگتے کسی کے حق میں نتیجہ خیز ثابت ہو جاتی تھی۔

''اگر چاہتے ہو کہ تمہارا کام تمہاری مراد کے مطابق ہو اور دین بھی سلامت ہے، یہ دونوں کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتے اور نہ آسمان تمہارا بندہ ہو سکتا ہے''۔

(صفحہ: ۲۸، از رسالہ عینیہ یا تازیانہ سلوک)

(مکتوب حضرت امام احمد عزالیؒ بنام حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ) مکتبۂ شرف خانقاہ معظم، بہار شریف، نالندہ (بہار)

☆☆☆

مدینۃ المنورہ کی مٹی اور پھل

عشاق کیلئے مانندِ مشک وعنبر

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے اس کی مٹی اور اس کے درودیوار سے ایسی عمدہ خوشبو پاتے ہیں جس کی مثال میں دنیا کی کوئی خوشبو پیش نہیں کر سکتے۔ یہاں کے ساکنان کے سوا اور صادقان ومحبان مشتاق کے شامۂ ذوق میں بھی تھوڑی خوشبو پہنچتی ہے۔ چنانچہ ابی عبداللہ عطار نے کہا ہے:

بِطِیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ طَابَ نَسِیْمُھَا فَمَا الْمِسْکُ وَ الْکَافُوْرُ وَ الصَّنْدَلُ الرَّطَبُ ''اس شہر کی ہوا رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکت کی خوشبو سے خوشبو دار ہوگئی ہے پس ایسی خوشبو مشک اور کافور اور صندل رطب (پسی ہوئی صندل) میں بھی نہیں ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ مدینہ کے غبار میں شفا ہے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جذام اور برص کو آرام ہو جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق صعیب اور

بطحان کی وادیوں کی مٹی ان امراض کی شفایابی کے لئے خصوصیت رکھتی ہے۔حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے بعض اصحاب سے حکماً فرمایا تھا کہ بخار کے مرض کا علاج اس پاک مٹی سے کرو۔اکثر علماء اس علاج کو مجرب کہتے ہیں۔شیخ مجدالدین فیروز آبادی فرماتے ہیں کہ میں نے خود تجربہ کیا ہے۔میرا ایک غلام ایک سال متواتر بخار کے مرض میں گرفتار رہا۔میں نے اس جگہ کی تھوڑی سی مٹی لی اور پانی میں ڈال کر غلام کو دے دی وہ ایک ہی دن میں صحت یاب ہوگیا۔راقم الحروف بھی اس علاج کے تجربہ اور مشاہدہ سے مشرف ہوا ہے۔جس زمانہ میں مدینہ طیبہ کا قیام میرے لئے باعث شرف ہوا تھا میرے پیروں پر ایسا ورم ہوا کہ اطباء نے اس کو بالاتفاق ہلاکت اور فنا کی علامت تجویز کیا۔میں نے اس پاک مٹی سے اپنا علاج کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں سہولت اور آسانی کے ساتھ آرام ہوگیا۔

مدینہ طیبہ کے پھلوں سے شفا کا حاصل ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مثلاً جو شخص سات عدد عجوہ کھجوریں نہار منہ کھائے اس پر زہر اور جادو اثر نہ کرے، عجوہ کی اصلیت اس درخت سے ہے جس کو حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگایا، تمر کی قسمیں مدینہ میں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا دشوار ہے، تاریخ کبیر نے ۱۳۹ شمار کی ہیں۔کھجور کی ایک اور مشہور قسم کا نام صیحانی ہے۔صیحہ لغت میں بہ معنی آواز کے ہیں۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک روز حضرت رسالت پناہ ﷺ حضرت علی مرتضی سلام اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے مدینہ کے بعض باغوں میں تشریف لے گئے یکا یک درخت میں سے آواز آئی۔ ہذا محمد سیدۃ الانبیاء وہذاہ علی سید الاولیاء ابوالائمۃ الطاہرین (یہ محمد ﷺ میں سردار نبیوں کے اور یہ علی سردار اولیاء کے باپ ائمہ طاہرین کے) اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس گزر ہوا۔آواز آئی ہذا محمد رسول اللہ وہذا علی سیف اللہ (یہ محمد ﷺ کے رسول

اور یہ علی اللہ کی تلوار) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرمایا کہ تمر کی تمام قسموں میں محبوب ترین رسول ﷺ کے نزدیک عجوہ ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام اقسام کھجور میں عجوہ کو خصوصیت دینا اور خاص سات عدد کو مخصوص کر دینا منجملہ اسرار کے ہے کہ شارع علیہ السلام کے سوا اس کی حکمت کوئی نہیں جان سکتا ہم کو اسی پر ایمان لانا چاہیے اور یہی اعتقاد رکھنا چاہیے۔

زنسیم جاں فزایت تن مردہ زندہ گردد
زکدام باغے اے گل کے چنیں خوش است بویت
تیری جاں فزا خوشبو سے مردہ زندہ ہوجاتا ہے
اے گلاب کے پھول وہ کون سا باغ ہے جہاں سے تو چنا گیا ہے۔

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی کتاب ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' (جو فارسی زبان میں ہے) کے اردو ترجمہ دیار المحبوب تاریخ مدینہ ترجمہ حمی سید عرفان علی سے ماخوذ)

☆☆☆

روئے اقدس ﷺ کی زیارت سے

درجۂ احسان حاصل ہوجاتا ہے

حضور اقدس ﷺ کی حیات مبارکہ میں روئے انور کی زیارت ہی درجۂ احسان تک پہنچانے کے لئے کافی تھی، مشائخ متقدمین اور متأخرین کی کتابوں میں کثرت سے اس حقیقت کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اور نورانیت سے بُعد ہوتا گیا، ظلمات کا اثر قلوب میں آتا رہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول مشکوۃ: ۵۴۷ میں بروایت ترمذی نقل کیا ہے کہ:

''جس دن حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی اور جس دن حضور ﷺ نے وصال فرمایا ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا اور ہم لوگ قبر اطہر پر مٹی ڈال کر ہاتھ بھی نہیں جھاڑ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب کی نورانیت میں فرق پایا، یعنی ہمارے قلوب میں وہ صفائی اور نورانیت نہ رہی، جو حضور اقدس ﷺ کے مشاہدے کے وقت محسوس ہوتی تھی۔''

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں گھر سے نکلا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے پوچھا: حنظلہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حنظلہ منافق ہوگیا، کہنے لگے سبحان اللہ! کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا کہ جب حضور اقدس ﷺ جنت وجہنم کا ذکر کرتے ہیں تو دونوں چیزیں گویا ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں، لیکن جب حضور اقدس ﷺ کی مجلس سے نکلتے ہیں اور بیوی بچوں کے کاروبار میں گھل مل جاتے ہیں تو حال بدل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ حالت تو میری بھی ہوتی ہے تو میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! حنظلہ تو منافق ہوگیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا کہا تو میں نے اوپر والی ساری بات دہرائی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر تم ہر وقت اس حال میں رہو، جس حال میں میرے پاس ہوتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہو تو ملائکہ تم سے تمہارے بستروں پر، تمہارے راستوں میں مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ (تین دفعہ ارشاد فرمایا) آدمی ہمیشہ ایک ہی حالت میں نہیں رہتا۔ حضوری کی کیفیت کبھی کبھی حاصل ہوتی ہے۔

یہی حال مشائخ کا ہے کہ ان کی موجودگی میں جو کیفیات وحالات ان کے مریدین ومتوسلین کے ہوتے ہیں وہ غیبت (ان کی غیر حاضری) میں نہیں رہا کرتے۔

حضور اقدس ﷺ کے ارشاد میں لفظ ذکر سے تعمیم ہوگئی کہ مجالس ذکر اور ذکر کی کثرت میں بھی حضوری یعنی مرتبہ احسان حاصل رہتا ہے اور شیخ کی مجلس میں حاضر ہونے کا بھی بدل ہے۔

میرے (راقم الحروف محمد ادریس حبان رحیمی) پیرومرشد قلندر زماں حضرت مولانا الحاج محمد مصطفیٰ کامل رشیدی اعرابی نبیرۂ حضرت گنگوہی ارشاد فرمایا کرتے کہ مقام احسان حاصل کرنے کے لئے سالہا سال درکار ہوتے ہیں، ریاضات اور تزکیہ نفس کے آخری درجہ تک پہونچنا پڑتا ہے۔تب مقام احسان کا عشرِ عشیر حاصل ہوتا ہے۔لیکن سرورکونین تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے روئے انور کی برکت کہ جیسے ہی کوئی حالت ایمان میں آپ کے رُخ انور کی زیارت کرتا تو اس کی برکت سے مقام احسان حاصل ہوجاتا پھر بتدریج اس میں صحبت پاکؐ کے طفیل اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ (محمد ادریس حبان رحیمی)

☆☆☆

صوفیائے کرام کی توبہ اور دلوں کی تونگری

حضرت شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا اصل

اسم گرامی احمد بن حسین اور کنیت ابونصر ہے، کتب صوفیاء میں آپ کا نام نامی شیخ احمد نامقی الجامی اور لقب زندہ فیل (زندہ ہاتھی) لکھا گیا ہے، ملک ہندوستان میں زیادہ تر علمی حلقوں میں آپ شیخ احمد جام یا مولانا احمد جام کے نام سے مشہور ہیں۔صاحب نفحات الانس فرماتے ہیں کہ آپ صحابی رسول ﷺ حضرت جریر بن عبداللہ النحلی کے خاندان سے ہیں جو حضور سرور کائنات ﷺ کے سال وفات میں ایمان لائے۔آپ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ ہمیشہ مجھے دیکھ کر تبسم فرماتے تھے۔آپ بہت بلند قد اور خوبصورت تھے۔اس حسن و جمال کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کو اس امت کا یوسف کہا کرتے تھے۔آپ کا وصال ۵۱ھ میں حضرت امیر معاویہ کے عہد حکومت میں ہوا۔

آپ ''مقامات'' میں فرماتے ہیں کہ میرے پیر طریقت امام علی رضا رضی اللہ عنہ کی روحانیت ہے جن کی روحانیت سے میں نے تربیت ارشاد حاصل کی ہے اور میرے پیر صحبت شیخ ابوطاہر کرد رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور پیر خرقہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔شیخ

احمد جام اپنے وقت میں بے نظیر تھے۔ احوالوخوارق عادات جس قدر آپ سے ظاہر ہوئے اس زمانہ میں کسی اور سے ظاہر نہ ہوئے۔ آپ کے مفصل حالات شروع سے آخر تک ''مقامات'' میں درج ہیں۔ صاحب نفحات الانس نے بھی آپ کے اکثر کمالات کا ذکر کیا ہے۔

آپ اُمی (نصابی طرز پر درس وتدریس کے ذریعے علوم ومعارف کو حاصل نہ کرنے والے) اور شراب خور تھے۔ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اور بلا سبب وعلت آپ کی ہدایت فرمائی اور اپنا مقرب بنایا۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ۲۲ سال کی عمر میں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ اپنے دوستوں سے علیحدہ ہوئے اور شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ اپنے اہل وعیال اور دیگر اہل حقوق کو اللہ کے سپرد کیا اور تمام ظاہری وباطنی مطالب سے آزاد ہوکر موضع نامق سے جو جام کے قرب وجوار میں ہے رخصت ہوکر پہاڑ میں گوشہ نشیں ہوگئے۔ ۱۸ سال کے عرصہ میں آپ کا کام پورا ہوگیا اور آپ کو توحید میں فنائیت حاصل ہوگئی۔ ۴۰ سال کی عمر میں آپ کو خلق کے پاس واپس بھیج دیا گیا اور حق تعالیٰ نے علم لدنی کے خزانے آپ پر کشادہ فرمادیئے۔ آپ نے تین ہزار ورق سے زائد علم توحید ومعرفت اور علم سر وحکمت اور روشِ طریقت و اسرار حقیقت پر اس طرح تصنیف کئے کہ کسی عالم اور حکیم کو ان پر اعتراض کی مجال نہ تھی۔ آپ کی یہ تصانیف سراسر قرآن اور احادیث نبوی پر مشتمل ہیں۔ آپ نے اپنی کتاب ''سراج السائرین'' میں لکھا ہے کہ مجھے حق تعالیٰ نے ۲۲ برس کی عمر میں اپنے لطف وکرم سے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور ۴۰ سال کی عمر میں مجھے لوگوں کی ہدایت پر مامور فرمایا اور اب ۶۲ سال کی عمر میں ہی یہ کتاب لکھنے کا حکم ملا ہے۔ اس وقت تک ایک لاکھ اسی ہزار نفوس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی ہے (اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک آپ زندہ رہے) شیخ ظہر الدین عیسیٰ جو آپ کے فرزندوں میں سے ہیں اپنی

کتاب ''رموز الحقائق'' میں لکھتے ہیں کہ آخر عمر میرے والد محترم کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی اور معصیت کا راستہ چھوڑ کر طاعت حق کی طرف رجوع کیا۔

جو خرقہ خلافت آپ کو شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے ملا تھا آپ وہی پہن کر عبادت کرتے تھے۔ ''خلاصۃ المقامات'' میں آپ لکھتے ہیں کہ وہ خرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ۱۴ مشائخ کی وساطت سے شیخ ابوسعید ابوالخیر تک پہونچا۔ آپ کو حکم ہوا کہ یہ خرقہ احمد جام کو دینا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے اپنے بیٹے ابوطاہر کو وصیت کی کہ میری وفات کے اتنے سال بعد ایک جواں سال نوعمر 'بلند قد' شہلا چشم بنام احمد تیری خانقاہ میں اس وقت داخل ہوگا جب تو اپنے احباب کے درمیان بیٹھا ہوگا، یہ خرقہ اس کو دے دینا۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیخ ابوطاہر کی یہ خواہش تھی کہ حضرت والد ماجد اپنی ولایت وامانت میرے سپرد کردیں۔ آپ نے آنکھ کھولی اور فرمایا کہ جس ولایت وسعادت کی تجھے خواہش ہے کسی دوسرے کے سپرد ہوچکی ہے اور ہمارے شیخ کامل کا جھنڈا ایک خراباتی (شرابی) کے در پر نصب کردیا گیا ہے اور ہمارا کام ان کے سپرد کردیا گیا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ کیا راز ہے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر کی وفات کے بعد چند سال بعد شیخ ابوطاہر نے خواب میں دیکھا کہ والد ماجد اپنے احباب کے ساتھ جلدی سے کسی جگہ جارہے ہیں۔ ابوطاہر نے پوچھا: کیا جلدی ہے۔ آپ نے فرمایا: تم بھی چلو کہ قطب الاقطاب آتے ہیں۔ ابوطاہر چلنے والے تھے کہ بیدار ہوگئے۔ دوسرے دن شیخ ابوطاہر خانقاہ میں اپنے احباب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی صفت کے ایک نوجوان خانقاہ میں داخل ہوئے۔ آپ ان سے عزت وتکریم سے پیش آئے لیکن بشری تقاضے کی وجہ سے تشویش میں پڑ گئے کہ اپنے والد ماجد کا خرقہ کس طرح دوسرے کے حوالہ کریں گے۔

نو وارد نے ان سے کہا: اے جوان امانت میں خیانت جائز نہیں، یہ دیکھ کر شیخ ابو طاہر خوشی سے خرقہ اپنے والد بزرگوار کے صندوق سے لائے اور انہیں پہنا دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ خرقہ ۲۲ مشائخ پہن چکے تھے۔ شیخ احمد جام کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ یہ خرقہ کہاں گیا۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس بزرگوں نے شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا جن میں ۲ مشہور بزرگوں کے نام شیخ احمد جام اور خواجہ بو علی فارمیدی ہیں۔ خواجہ بو علی فارمیدی کو حق تعالیٰ نے دلوں کا راز دار فرمایا تھا بلکہ آپ دلوں کا حال معلوم کر کے اس کے اظہار پر مامور تھے۔

شیخ احمد جام سے کسی نے کہا کہ میں نے مشائخ کے حالات پڑھے ہیں اور ان کی کتابیں دیکھیں ہیں۔ لیکن کسی بزرگ سے کرامات کا اس قدر ظہور نہیں ہوا جیسا کہ آپ سے ہوا ہے، فرمایا: ہم نے اپنے مجاہدے کے زمانے میں وہ تمام مجاہدات و ریاضات کئے جو میں نے سنا کہ فلاں فلاں بزرگ نے کئے بلکہ اس پر زائد کیا۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ فرداً فرداً ان مشائخ کو عطا فرمایا مجھے ان تمام نعمتوں سے نوازا۔ چنانچہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء نے اس مقام کے متعلق یوں فرمایا ہے:

چند گوئی نکتۂ توحید را
بے ریاضت نیست لذت بارہا

(توحید کے متعلق جس قدر نکات بیان کرو جب تک مجاہدہ و ریاضت نہ ہو کوئی لطف و لذت حاصل نہیں ہوتا۔

شیخ احمد جام کی ولادت ۴۴۱ھ میں ہوئی اور سن وفات ۵۳۶ھ ہے۔ یہ سلطان معز الدین سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کا زمانہ تھا۔ اس حساب سے آپ کی عمر ۹۶ سال ہوتی ہے۔

☆☆☆

فرزند حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ (متوفی ۲۹ھ بعہد ابو محمد علی ابن معتقد یعنی خلیفہ مکتفر) کا ایک بیٹا تھا جس کے سینہ پر سبز رنگ کے حرف میں ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ جب اس پر جوانی غالب آئی کھیل تماشہ میں مشغول ہو گیا۔ وہ رباب بہت اچھا بجاتا تھا اور اپنے ساز کے آہنگ کے ساتھ روتا بھی جاتا تھا۔ (گویا پورے ذوق و شوق اور درد و کیفیت کے ساتھ ساز بجاتا تھا اور رقیق القلب تھا) ایک رات کا واقعہ ہے کہ رباب بجانے والے اور سرور گانے والے گویے اور سازندے محلے میں وارد ہوئے۔ اس نوجوان صاحب ساز و آہنگ کی دلہن اپنے شوہر کے پہلو سے اٹھ کر تماشہ دیکھنے لگی۔ جب وہ بیدار ہوا تو بیوی کو نہ دیکھ کر سراسیمہ ہوا۔ صاحب کمال باپ حضرت شاہ شجاع کرمانی نے آواز دی کہ اے بیٹے: کیا اب بھی توبہ کا وقت نہیں آیا۔ اس بات نے اس کے دل میں گھر کر لیا۔ اس نے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ رباب توڑ دیا اور غسل کر کے گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اور چالیس دن تک کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد وہ اپنے گوشہ تنہائی سے باہر نکلا اور اپنے والد محترم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ شجاع نے فرمایا: جو کچھ اللہ نے مجھے چالیس سال میں دیا تجھے چالیس دن میں دیدیا ہے۔

(۱) اسم گرامی شاہ شجاع اور کنیت ابوالفارس ہے۔ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور بادشاہوں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کو خواجہ یحییٰ معاذ رازی وغیرہ کی صحبت ملی ہے۔ آپ اپنے عہد کے بزرگ اور محتشم روزگار تھے۔ شہسوار ان طریقت اور سالکان حقیقت کے زمرہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ عبادت و ریاضت میں بے نظیر تھے۔ آپ صاحب کرامت وتصنیف ہیں۔ آپ نے ایک کتاب لکھی ہے جو خواجہ یحییٰ معاذ رازی کی اس کتاب کے جواب میں ہے جس میں انہوں نے غنی کو فقیر سے افضل قرار دیا ہے۔ اپنی کتاب میں شاہ شجاع نے فقیر کو غنی سے افضل ثابت کیا ہے۔

شاہ شجاع فرماتے ہیں: عاشق (اگر اپنے عشق میں صادق ہے تو) مردہ ہو کر آئے (مردہ بدست غسال کی صورت اختیار کرے) تبھی وصال کو پہونچے۔ (یہ سبھی جانتے ہیں کہ وصال حقیقی مرنے کے بعد ہی نصیب ہوگا۔ گویا وصال محبوب کی حصولیابی کے لئے مردہ ہونا شرط ہے نہ کہ زندہ۔ اب جس کو اپنی حیات مستعار میں وصول حق کی تمنا ہے اس کے لئے ضروری ہے اپنی تمام خواہشات اور مرادات سے دست بردار ہو کر شاہراہ عشق پر قدم رکھے اور اس راہ کا راہی بنے بغیر اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹے اس سعادت و نیک بختی کی حصولیابی کے امکانات مسدود نظر آتے ہیں۔)

(۲) اس واقعہ میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ باوجود لاابالی زندگی گزرانے کے لڑکا سعادت منداور والدین کا فرماں بردار ہے اپنے والد محترم کی ایک تنبیہ پر اپنی تفریحات اور مرغوبات سے یکسر کنارہ کش ہوجاتا ہے۔ پہلو میں بیٹھی ہوئی جوان بیوی نے اس کے قرب پر تماشہ بینی کو ترجیح دی اس بات نے بھی اسے عبرت دلائی کہ جسمانی اور مادی حدود میں سچی محبت کی تلاش لاحاصل ہے اس نے سچی توبہ

کی اور ہمہ تن یاد الٰہی میں مشغول ہوگیا اور نہایت قلیل مدت میں وہ دولت عظمیٰ حاصل کی جو بڑے بڑے بزرگان دین کو طول طویل ریاضت ومجاہدات کے بعد حاصل ہوتے ہیں الحمدللہ لائق باپ کے بیٹے کو لائق فرزند ہونے کا شرف حاصل ہوا اور اپنے نامور والد محترم کی سرپرستی میں دولت عرفان نصیب ہوئی۔

شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامیؒ کی خدمت میں کسی نے عرض کیا: اس کو چھمیں (حصول معرفت کے کوچہ میں) کیا بہتر ہے؟ (اس نعمت عظمیٰ کی حصولیابی کی سب سے بہتر صورت کون سی ہے؟) فرمایا: دولت مادرزاد (یعنی ماں کے پیٹ سے جو دولت ملے یعنی مادرزاد ولی ہونا نصیب ہو) من سعد سعد فی بطن امه (جو سعید ہوا وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی سے سعید ہوا۔)

سائل نے پوچھا: اگر وہ نہ ہو تو؟

فرمایا: دل دانا (دل کی تونگری)

سائل نے کہا: اگر وہ بھی نہ ہو تو؟

فرمایا: چشم بینا (دیکھنے والی آنکھ یعنی بصیرت)

سائل نے کہا: اگر وہ بھی نہ ہو تو؟

فرمایا: گوش شنوا (سننے والے کان، عبرت موعظت اور تجربات ومشاہدات کے مثبت نتائج کی روداد کو قبول کرنے والے کان)

سائل نے کہا: اگر وہ بھی نہ ہو تو؟

فرمایا: تن توانا (مضبوط جسم یعنی محنت مجاہدہ کی مشقت اور تکلیف کو برداشت کرنے والا بدن)

سائل نے کہا: اگر وہ بھی نہ ہو تو؟

فرمایا: مرگ مفاجات، جائکہ کس است حرفے بس است

(ایسی موت جس سے بچنے کی کوئی راہ نہیں اس ضمن میں عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے)

گویا جب زندگی اور عمل میں جان ڈالنے والا اور حرکت پیدا کرنے والا کوئی طاقتور محرک اس کے پاس نہیں ہے تو اس کے لئے موت ہی ایک ایسا راستہ اور وسیلہ ہے جو اس کے نقائص اور عیوب پر پردہ ڈال سکتی ہے۔

خواجہ ابونصر ابی جعفر ہروی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ ابونصر محمد بن احمد بن ابی جعفر علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اور اپنے زمانہ کے فقیہہ تھے۔ آپ کا اصل وطن کرمان ہے۔ صاحب نفحات الانس نے آپ کی توبہ کا قصہ یوں لکھا ہے کہ ایک شخص نے آکر آپ سے فتویٰ دریافت کیا کہ ایک جوان نے ایک دن ایک گدھے کو ڈنڈا مارا۔ گدھے نے پیچھے دیکھ کر کہا کہ جناب آپ نے جو مجھ غریب پر یہ ظلم کیا ہے اس کا بدلہ کب دیں گے۔ یہ سنتے ہی اس جوان پر گریہ طاری ہوگیا اور بیس سال سے وہ اسی گریہ میں مبتلا ہے اور اب اس کی آنکھوں سے پانی کے بجائے خون نکل رہا ہے۔ اس کے وضو اور نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ خواجہ ابونصر اس دردناک واقعہ کو سن کر ضبط نہ کر سکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو اس جوان کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ جب اس کے گھر پہونچے تو معلوم ہوا کہ وہ اس غم کی وجہ سے جاں بحق ہو چکا ہے۔ وہاں آپ نے ایک بزرگ کو دیکھا جن کی داڑھی سفید اور چہرہ نورانی تھا اور آنکھوں سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر خشک ہو چکا تھا لیکن ان کو دیکھ کر اس بزرگ نے ہنس دیا۔ خواجہ ابونصر کو ان کے ہنسنے پر تعجب ہوا۔

خیر اس جوان کی تجہیز و تکفین کے بعد نماز جنازہ پڑھی گئی۔ خواجہ ابونصر وہاں سے روتے ہوئے واپس آنے لگے تو اس بزرگ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو۔

شاید تم نے کلام پاک کی کوئی ایسی آیت سنی ہے جس پر تم نے عمل نہیں کیا لیکن تمہارا رونا دامن سوختگان کے رونے کی طرح ہے۔ دل سوختگان کے رونے کی طرح نہیں۔ اس بزرگ کی یہ بات سن کر خواجہ ابونصر کے دل میں درد بر درد اور سوز بر سوز بھر گیا۔ پس آپ نے سب کچھ ترک کر دیا اور سفر و سیاحت اختیار کیا۔

کہتے ہیں کہ آپ نے تین سو مشائخ کی خدمت کی اور ان سے فیض حاصل کیا۔ آپ حضرت خضر کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے اور کافی عرصہ مکہ، مدینہ اور بیت المقدس میں رہ کر ریاضت و عبادت میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آپ واپس ہرات چلے گئے اور اس کے ایک محلّہ خانچہ آباد میں مقیم ہو گئے۔ آپ نے ۱۲۴ برس عمر پائی اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار ہرات کے محلّہ خانچہ آباد میں زیارت گاہ خلق ہے۔ (از: مراۃ الاسرار صفحات ۳۳۸ تا ۳۴۲ تلخیص اور وضاحتی اضافہ کے ساتھ از سہ ماہی تزکیہ نفوس منگرا واہ اعظم گڈھ)

☆☆☆

ارشادات خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

پوچھا گیا کہ کیا آدمی روحانی طبیب کی حیثیت سے کسی دوسرے کا علاج کرسکتا ہے؟

جواب دیا آدمی روحانی طبیب کی حیثیت سے کسی دوسرے کا علاج اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک کہ خود اپنا علاج نہ کرلے، کیونکہ جو خود ہی گم کردہ راہ ہو وہ دوسرے کی رہبری کیسے کرسکتا ہے۔

پوچھا گیا کہ ہمارے قلوب تو سوئے ہوئے ہیں ان پر آپ کا وعظ کس طرح اثر انداز ہوگا؟

فرمایا: سوئے ہوئے دل کو تو جگایا جاسکتا ہے البتہ مردہ دلوں کی بیداری ممکن نہیں۔

آپ کے ارادت مندوں کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ آیات قرآنی سن کر بے ہوش ہوجاتے تھے۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ رونے دھونے کے فعل میں اس بات کو ملحوظ رکھو کہ آواز نہ نکلنے پائے۔ کیونکہ آواز نکلنے سے ریاکاری کا اظہار ہوتا ہے جو آدمی کے لئے ہلاکت کا باعث ہے۔ اگر کسی پر حال طاری نہ ہو بلکہ وہ قصداً طاری

کرے اور کوئی نصیحت بھی اس پر کارگر نہ ہو تو وہ گنہگار ہے۔ جو شخص اس طرح دکھاوے کا رونا روتا ہے اس کا رونا شیطان کا رونا ہے۔

بچپن میں آپ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا جس کی پاداش میں آپ جب کبھی نیا لباس سلواتے اسکے گریبان پر اس گناہ کو درج کروادیتے۔ اس تحریر کو دیکھ دیکھ کر اس قدر گریہ وزاری کرتے کہ بیہوشی طاری ہوجاتی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے آپ کو مکتوب ارسال کرتے ہوئے تحریر کیا کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے کہ جو میرے تمام کاموں میں معاون ہوسکے۔ جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا معاون نہیں ہے تو پھر کسی سے ہرگز معاونت نہ رکھو۔

پوچھا گیا کہ کیا مجلس وعظ میں کثیر لوگوں کے اجتماع سے آپ کو خوشی ہوتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ بلکہ خوشی تو اس وقت ہوتی ہے جب عشق الٰہی میں جلا ہوا کوئی شخص شریک مجلس ہوتا ہے۔

جب آپ سے دین کی اساس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ تقویٰ دین کی اساس ہے اور لالچ تقویٰ کو بیکار کردیتا ہے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ ایک برائی کو دوسری برائی سے کبھی ہرگز دور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کتا کسی انسان کو کاٹ لے تو کیا انسان بھی جواب میں کتے کو کاٹے گا؟

(ماخذ تذکرۃ الاولیاء)

☆☆☆

محبت کے انداز

خواجہ شمس الدین حضرت امیر خسرو کے بھانجے اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے آپ اپنے شیخ عالی مرتبت کی محبت میں مشہور تھے۔نماز کے وقت جب تک آپ سلطان المشائخ کے چہرے مبارک پر نظر نہ ڈال لیتے تھے تکبیر تحریمہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں تک اپنے آخری وقت میں جب اس عاشقِ صادق اور سوختہ عشق پر بیماریٔ عشق غالب آ گئی تو سلطان المشائخ خود اُن کی مزاج پرسی کے لئے روانہ ہوئے۔راستے میں جب اُن کی وفات کی خبر سنی تو فرمایا: الحمدللہ دوست بدوست رسید'' (الحمدللہ دوست دوست سے جاملا)

حضرت میر سید مکی '' بحر المعانی'' میں تحریر فرماتے ہیں'' بیس سال تک مشاہدان حضرت لایزال کے آستانہ پر جبیں سائی کی ہے۔چار سال تین ماہ اور بارہ دن اپنے پیر فرد حقیقت حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کی خدمت میں رہا۔ مرید ہونے کے بعد تین کاموں میں مشغول ہوگیا۔اول یہ کہ نماز پنجگانہ کے لئے حضرت کو وضو کرانا اس فقیر کے ذمہ تھا دوم آپ کے چراغ کیلئے تیل بہم پہنچانا سوم یہ کہ آپ کے استنجا کے ڈھیلوں کو اپنے چہرہ پر رگڑ کر ہموار کرتا تھا۔ یہ خدمت میں نے سلطان محمد تغلق کے عہد میں کی یعنی جب میرے والد بزرگوار ایک ہزار سوار لے کر کہنائچ پر حملہ آور ہوئے تھے'' سبحان اللہ امیر اا لامراء کے ناز آفریں بیٹے کی یہ سمجھداری اور سعادت مندی کے شیخ کی خدمت ومحبت کے جذبہ سے لبریز مٹی کے کھردرے ڈھیلوں کو اپنے نرم ونازک گالوں پر رگڑ کر ہموار کرتے تھے۔

(بحوالہ تزکیہ نفوس سہ ماہی ہنگروہ اعظم گڈھ)

مرید صادق کی زندگی کے آٹھ مراحل

(۱) پہلا مرتبہ غفلت سے بیدار ہونا ہے۔جیسا کہ پہلے جو جی میں آتا تھا کرتا تھا۔ جب غفلت سے چونک جاتا ہے تو یہ جان لیتا ہے کہ یہ کام کرنا اچھا نہیں ہے۔

(۲) دوسری چیز توبہ ہے،توبہ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ سے منہ موڑ کر اطاعت میں لگ جائے توبہ کا سبب اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا ہے۔

(۳) اس کے بعد انابت کا درجہ ہے۔رحمت خداوندی اور دیدار خداوندی کی طرف راغب ہونے کا نام ''انابت'' ہے۔

(۴) جب انابت پا جاتی ہے تو ورع رونما ہوتا ہے۔یعنی جس چیز میں حلال وحرام یا مکروہ ہونے کا اندیشہ ہو اس کے ترک کرنے کو صوفیاء ورع کہتے ہیں۔

(۵) اس کے بعد محاسبہ ہے۔یعنی اپنے نفس سے حساب لیتے رہے اور اعمال وافعال کو گنتے رہے کہ کتنے اچھے کام کئے اور کتنے برے کام کئے۔اگر بُرے کام سرزد ہوگئے ہوں تو اس سے توبہ واستغفار کرے اور نفس پر سختی اور مجاہدہ کرے تاکہ نفس دوبارہ اس طرف رخ نہ کرے اور اچھے کاموں پر خدا کا شکر بجالائے۔

(۶) اس کے بعد ارادت کا درجہ ہے۔ ارادت یہ ہے کہ طلبِ حق کا سودا سر میں پیدا ہو جائے اور اس کا دل خدا کے سوا کسی کو نہ چاہیے۔

(۷) جب ارادت میں استقامت پائی جاتی ہے تو زہد رونما ہوتا ہے۔ اور زہد یہ ہے کہ حلال میں بھی جو شہوت ولذت کا حامل ہو، اس کو ترک کر دے اور نفس کو لذتوں سے باز رکھے۔

(۸) جب سب کچھ ترک کر دے گا تو اس کے بعد فقر کے سوا کیا پیش آئے گا اور فقر عبارت ہے نیستی سے اور نیستی کہاں تک ہو سکتی ہے اور کہاں تک لے جا سکتی ہے (اس کا علم اللہ ہی کو ہے)

(ماخوذ از ''آداب المریدین'' مولفہ شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ مترجمہ حضرت گیسو دراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ)

☆☆☆

نفس کی حقیقت، ایک مثال

خواجہ عبداللہ روغدی رحمۃ اللہ علیہ مشائخ طوس سے ہیں۔ آپ نے ابو عثمان حیری کی صحبت پائی ہے اور اکثر مشائخ وقت کو دیکھا ہے۔ سن وفات کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن اندازہ ہے کہ آپ کا شمار طبقہ چہارم کے صوفیاء کرام میں ہوتا ہے۔

خواجہ عبداللہ روغدی اپنے وقت کے صاحب ریاضات وکرامات عظیم بزرگ تھے آپ نے کے ابتدائے حال میں قحط عظیم رونما ہوا، یہاں تک کہ آدمی کو آدمی کھانے لگا۔ ایک دن اپنے گھر آئے۔ دو من) اس وقت کے دس سیر کے قریب) گیہوں گھر میں پڑا ہوا تھا۔ آپ کے دل میں آگ لگ گئی کہ لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور میرے گھر میں اناج پڑا ہوا ہے۔ پس آپ نے گیہوں محتاجوں میں تقسیم کر دیا اور خود صحرا کی طرف چل پڑے اور ریاضات ومجاہدات میں مشغول ہو گئے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید کی صفت کیا ہے؟ فرمایا: تکلیف میں ہے لیکن اس کی تکلیف طلب کی وجہ سے ہے۔ آپ سے کسی نے صوفی اور زاہد کے فرق کی نشاندہی طلب کی۔ فرمایا: صوفی بحق ہوتا ہے اور زاہد بہ نفس۔ یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ہر شخص کو معرفت اس کی ہمت اور عمل کے مطابق بخشی ہے۔ فرمایا: دنیا کو دنیا

کی خاطر ترک کرنا حد درجہ کی دنیاداری ہے۔فرمایا: حق تعالیٰ تک رسائی کے لئے حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

ایک دن آپ اپنے اصحاب کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے تھے کہ حسین بن منصور حلاّج سیاہ قبا (لباس امراء) پہنے اور دو کتے ہاتھ میں لئے کشمیر سے آرہے تھے۔خواجہ عبداللہ روغدی نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس صفت کا جوان آرہا ہے، استقبال کرو کہ وہ بڑے بزرگ ہیں۔ وہ لوگ گئے اور ان کو لے آئے۔آپ نے جب خواجہ منصور کو دیکھا اپنی جگہ پر انہیں بٹھایا، وہ بیٹھ گے اور کتوں کو بھی اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھایا۔ وہ کھانا کھا رہے تھے اور کتوں کو کھلا رہے تھے۔خواجہ عبد اللہ تماشہ دیکھ رہے تھے اور آپ کے اصحاب سخت نفرت کی حالت میں حیران تھے۔جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے اور جانے لگے تو خواجہ عبداللہ نے کھڑے ہوکر آپ کو الوداع کہا۔آپ ان کو رخصت کر کے واپس آئے تو آپ کے اصحاب نے پوچھا کہ اے خواجہ یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے انہیں کتوں سمیت اپنی مسند پر جگہ دی اور ہمیں ایسے شخص کے استقبال کے لئے بھیجا کہ نجاست کے اثر سے ہم نماز پڑھنے کے لائق نہ رہے۔آپ نے فرمایا: ہاں! اُس کا کتا (نفس) اس کا غلام بن گیا اور جہاں جاتا ہے کتا اس کے پیچھے دوڑتا ہے۔اور ہمارا کتا ہمارے اندر رہ گیا ہے اور ہم اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔پس جو شخص کتے کا مطیع ہے اس کے اور اُس شخص کے درمیان جس کا کتا مطیع ہے کافی فرق ہے''۔ واقعی نفس کی حقیقت اور اس کے عالم ظاہر میں متشکل ہونے کی یہ ایک عجیب وغریب اور نہایت مؤثر تمثیل ہے، خدا کرے ہمیں فہم وبصیرت حاصل ہو۔ (مراۃ الاسرار صفحہ ۴۱۲)

☆☆☆

تزکیہ کی کوشش!

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اب تک کی اپنی عبادتوں کو دیکھا ان میں ملاوٹ پائی، میں نے نفس کو دیکھا اس کو گرفتار بلا وریاء پایا۔ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ریاء اور شرک کو پسند نہیں فرماتے۔ میں نے نفس کو خطاب کیا کہ اسے شرارتوں کی جڑ اللہ نے تجھے توحید کی دعوت دی ہے مگر تو متوجہ نہیں ہے۔اپنے نفس کی ریاء اور شرک کو سوچ سوچ کر غم میں ڈوب گیا۔ میں نے سوچا کہ اس کا علاج کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے ایک معنوی سانحہ تیار کیا۔اس میں حق کی آگ لگائی، اس کو ''جرأت'' کی بھٹی میں ڈال دیا۔''وحدانیت'' کا سندان نصب کیا، امر ونواہی کے ہتھوڑے سے اس کو پیٹا، جب تک تھک نہ گیا اس عمل کو جاری رکھا۔ پھر میں نے نفس کو دیکھا کہ اب اس کا کیا حشر ہوا ہے۔ کیا دیکھتا ہوں وہ اب بھی مشرک وریاء کار ہے میں نے انا للہ پڑھی۔ میں نے سوچا کہ نفس سخت مجاہدوں اور ریاضتوں سے پاک ہونے والا نہیں ہے شاید نرمی سے مروت سے سُدھر جائے۔ چنانچہ میں اس کو نیکیوں کے گلستان میں لے گیا اور احترام واعزاز کے باغیچوں میں اس کو پھرایا، احسان اور لطف ورحم کے پنکھوں سے اس کو ہوا دی، اس کی ناز برداری میں اتنا لگا کہ

تھک گیا۔ میں نے سوچا کہ اب دیکھوں نفس کا یا حال ہے۔ میں نے اس کو پھر بھی مشرک و ریاء کار ہی پایا۔ میں نے اس کو ملامت کی کہ اے شرارتوں کی جڑ! اے فتنوں کی اصل! تو نہ تو سختی سے سُدھرتا ہے اور نہ نرمی سے درست ہوتا ہے۔ میں اس کورب کی احدیت کے گھاٹ پر لے گیا تا کہ فردانیت کے پتھر پر اس کو اٹھا کر پٹکوں اور پچھاڑوں۔ یہ مشقت بھی اتنی اٹھائی کہ میں تھک گیا۔ میں نے نفس کو دیکھا کہ اس اٹھا پٹک سے اس میں کیا پاکی وصفائی آئی ہے لیکن ابھی تک اس کو مشرک و ریاء کار پایا۔ میں نے کہا انا للہ۔ میں نے سوچا کہ اس کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کرنا چاہیے، چنانچہ میں نے اس سے وہ برتاؤ کیا جو مرد اپنی حائضہ عورت کے ساتھ کرتا ہے میں دور دور سے اس کو دیکھتا، اس کی رغبت کے باوجود اس سے اجتناب کرتا۔ اس برتاؤ پر بھی ایک عرصہ گزرا مگر باوجود اس احتراز کے وہ سُدھرا نہیں۔ آخر کار میں نے نفس کو تین طلاق دے دیں اور اس سے ایک دم بے گانہ بن گیا اور رب کے لئے مجرد ہو گیا۔ میں نے رب سے التجا کی کہ اے عزت والے! میں تیرے حضور گڑگڑاتا ہوں اس غلام کی طرح جس کی گردن میں صرف تیرا ہی طوق ہے۔ جب اللہ بزرگ وبرتر نے دیکھ لیا کہ التجا سچی ہے تو اس نے دعاء کو شرف قبولیت عطا فرما دی۔

ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اگر سب مخلوق مل کر مجھے اس درجہ ذلیل کرنا چاہیں جتنا کہ میں خود اپنے نفس کو سمجھتا ہوں وہ کم پڑ جائیں گے''۔ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو خدائے پاک نفس کے شر سے اس کی اصلیت سے، اس کی بیماریوں سے، اس کی پسندیدہ و ناپسندیدہ چیزوں سے، اس کے نرم و گرم پہلوؤں سے واقف فرما دیتا ہے۔

(ماخوذ از ''اللہ کے ساتھ اولیاء اللہ کا حال'' ترجمہ ''حالۃ اھل الحقیقۃ'' مع اللہ مولفہ سید احمد کبیر رفاعیؒ مترجمہ شاہ قادری مصطفیٰ رفاعی ناشر فرید بک ڈپو نئی دہلی)

☆☆☆

خشوع اور خضوع کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کو کوئی پہچانتا نہ تھا اس کے کپڑے نہایت سفید اور صاف شفاف تھے، وہ آ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھٹنے سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گیا۔ صحابہ کو تعجب ہوا کیونکہ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو کپڑے اس کے میلے ہوتے، گرد و غبار سے اس کے بال بکھرے ہوتے، کپڑوں میں میل کچیل ہوتا، اس نے پوچھا حضور! ایمان کس کو کہتے ہیں؟ آپ نے ایمان کی تعریف بتائی: ''اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ'' (ایمان یہ ہے کہ تصدیق کرے اللہ کی، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی اور قیامت کے دن کی اور اچھی بری تقدیر کی)۔

اس کے بعد اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام کس چیز کا نام ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کر۔

اس کے بعد اس نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ احسان کس چیز کا نام ہے، آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ (تو خدا کی عبادت اس طرح کر اور خشوع وخضوع اس طرح انجام دے کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو)

غلام اپنے آقا کو دیکھتا ہے تو اس کی اطاعت وفرمانبرداری یں کس قسم کی کوتاہی نہیں کرتا اور جب کوئی کام کرتا ہے اور آقا سامنے نہیں ہوتا ہے تو کام بے توجہی سے کرتا ہے، آقائے نامدار ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں تم اس طرح تصور کرو اور اس طرح خشوع وخضوع کا لحاظ کرو جیسا کہ تم اپنے آقا و مالک کے دیکھنے کی حالت میں کرتے ہو، یہ احسان ہے، اگر تم یہ تصور نہیں کر سکتے تو فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ 'یعنی اللہ تو ہر حال میں تم کو دیکھ ہی رہا ہے، کسی بھی وقت تم اللہ کی نظر سے اوجھل نہیں ہو سکتے، بہر حال یہ احسان کا بڑا اعلیٰ درجہ ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے ''اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ''(اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے بہت قریب ہے)

'' اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَ الَّذِيْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ ''(اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کہ پرہیز کرتے ہیں اور احسان کو عمل میں لاتے ہیں)۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى ''(جن لوگوں نے احسان کیا اللہ تعالیٰ ان کو بھلا بدلہ دے گا)۔ اس طرح اور بہت سی آیتوں میں احسان کے سلسلے میں بڑے بڑے وعدے آئے ہیں، اسی کو تیسرے سوال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت فرمایا، اسی احسان کو حاصل کرنا تصوف کا مدار ہے۔

آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں یہ احسان آپ کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہونے سے حاصل ہو جاتا تھا، حضور کی روحانی طاقت اس قدر

قوی تھی کہ جو شخص آپ کے سامنے اخلاص کے ساتھ اور اسلام کے ساتھ حاضر ہوا اس کے قلب کے اوپر ایسا اثر پڑتا تھا کہ اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاتا تھا اور خلوص دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کئی روز جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے، جناب رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ اپنے لوگوں کو خاص طور پر یاد رکھتے تھے ایک وقت نہ آئے دو وقت نہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا: ''مَا فَعَلَ حَنْظَلَهُ ''حنظلہ کا کیا حال ہے؟ لوگوں کو کچھ نہیں معلوم تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ابھی خبر لاتا ہوں۔ ان کے گھر گئے پوچھا حنظلہ کا کیا حال ہے؟ ان کی بیوی نے جواب دیا کوٹھری میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اجازت لے کر گھر میں اندر گئے دیکھا کہ سر جھکائے رو رہے ہیں۔ ان سے حال پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کا حنظلہ تو منافق ہو گیا، کہا کیسے؟ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، آخرت کا، جنت کا، دوزخ کا قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے جنت، دوزخ اور آخرت کی چیزیں موجود ہیں۔ ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے وہاں سے گھر آئے اور بیوی بچوں سے میل جول ہوا، تو وہ حالت جاتی رہتی ہے یہی تو نفاق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ حالت تو میری بھی ہے، وہ بھی رونے لگے، تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے لیے تمام باتوں کا حل کرنے والے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ہیں چلو وہاں اپنی حالت عرض کریں گے۔ دونوں نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حالت عرض کی۔ آقائے نامدار علیہ السلام فرماتے ہیں تم جیسے میری حضوری اور میری مجلس میں ہوتے ہو اگر ہر وقت اسی حالت میں رہو تو تمہارے بستروں پر فرشتے آ کر تم سے مصافحہ کیا کریں جیسے سورج کے سامنے کوئی چیز آئے گی تو

چمکدار اور روشن ہوجائے گی۔ حضور کی مجلس میں جو بھی سچائی کے ساتھ آنیوالے تھے ان کے دلوں کا میل کچیل غفلت، دنیا پرستی، نفس پرستی جاتی رہی تھی اور جہاں مجلس سے علیحدہ ہوئے اس میں کمی ہوجاتی تھی مگر آقائے نامدار ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَيَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ'' حضور ﷺ چار بڑے بڑے کام انجام دیتے تھے اس بات کو قرآن شریف میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے ایک یہ کہ قرآن کی آیتیں سناتے ہیں اور دوسرے اللہ کی کتاب کو سکھاتے ہیں اور تیسری حکمت کی باتیں بتلاتے ہیں کہ کس حکم میں کیا نتیجے پیدا ہوں گے چوتھا کام یہ تھا کہ تزکیہ فرماتے تھے، پاک وصاف کرتے تھے، جناب رسول اللہ ﷺ کی روحانی وقلبی طاقت کا ان لوگوں کے دلوں پر ایسا اثر پڑتا تھا کہ دلوں سے غیر اللہ کی محبت اور ہر قسم کی برائی جاتی رہتی ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ مگر اثر ضرور ہوتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''مَا نَفَضْنَا اَيْدِيْنَا عَنِ التُّرَابِ بِاللّٰهِ وَ قَدْ اَنْكَرْ نَا قُلُوْبَنَا'' جناب رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے کے بعد ہم نے ابھی مٹی اپنے ہاتھوں سے جھاڑی بھی نہیں تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو اترا ہوا دیکھا۔ اسی وجہ سے تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ صحابی چاہے آپ کی خدمت میں چند منٹ ہی رہا ہو وہ بڑے ولی ومتقی سے افضل واعلیٰ ہے۔

چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کی روحانی طاقت بجلی سے بھی زیادہ قوت رکھنے والی تھی، دل و دماغ کو روشن کرنے والی تھی، اس واسطے اس وقت بڑی بڑی ریاضتوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، صرف اس بات کی ضرورت تھی کہ آقائے نامدار کی مجلس میں اخلاص کے ساتھ حاضر ہوجایا کریں، مگر جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی جدائی کے بعد وہ طاقت باقی نہ رہی۔ اسی طرح جتنا زمانہ دور ہوتا گیا اسی قدر روحانی اور قلبی روشنی کے اندر کمی ہوتی گئی، تو جس طرح سے برتن

کے صاف کرنے اور مانجھنے میں اگر اس کے اوپر میل کچیل اور زنگ کچھ کم ہو تو معمولی طور پر مانجھنے سے وہ زنگ دور ہوجاتا ہے اور زیادہ ہو تو ریتے یا مختلف طریقوں سے مانجھا جاتا ہے، تو وہی احسان حاصل کرنا مقصد ہے، جس چیز کو حضرت جبرئیل کی حدیث میں ذکر کیا گیا وہی مقصد ہے مگر زمانہ دور ہونے اور دنیاوی لگاؤ کی طرف طبیعتوں کے مائل ہونے کی وجہ سے مانجھنے کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

جو حضرات تصوف میں بڑے تجربہ کار تھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ یہ حضرات تصوف کے امام ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے تجربہ سے ذکر کرنے، ریاضت کرنے اور مجاہدے کرنے میں جو چیزیں بتلائیں اس کو بعض لوگ اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تو اس طرح کے اذکار واوراد اور مراقبے تعلیم نہیں کیے جاتے تھے، کسی حدیث میں ان کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا یہ بدعت ہے اور غلط ہے، تو غور کرنے کی بات ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جہاد کے لئے تلواروں اور تیر کمان کا تذکرہ ملتا ہے، اس زمانہ میں توپوں، بندوقوں، مشین گنوں، جہازوں، ٹرینوں، منجنیقوں اور ایٹم بم کا کوئی تذکرہ نہیں تھا، آج اگر شرعی جہاد کی نوبت آئے تو مقابلہ تلوار اور تیر کمان سے نہیں ہوگا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ 'جو تم سے ہوسکے دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے تیاری کرو۔ آگے ارشاد ہے: ''تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ'' جس قسم کی ضرورت پڑے تیاری کرو مگر مقصود اصلی تو اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن شریف پر زیر وزبر نہیں تھے، آپ نے علیحدہ علیحدہ لکھوایا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کردیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

نے سب کو ترتیب دے دی۔ مگر ترتیب دیتے وقت زیر وزبر نہیں رکھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان عربی تھی۔ بغیر زیر وزبر کے صحیح قرآن پاک پڑھتے تھے جیسے آج ہم اردو کی عبارت بغیر زیر وزبر کے صحیح پڑھ لیتے ہیں۔ مگر تھوڑے ہی زمانہ بعد جب لوگوں کا میل جول باہر والوں سے ہوا تو زیر وزبر لگانے کی ضرورت سمجھی گئی۔ اب کوئی یوں کہے کہ زیر وزبر اور پیش نقطے لگانا تو بدعت ہے تو اس کو کیا کہا جائے؟

زمانہ کے بدلنے سے احوال بدلتے رہتے ہیں مگر ایسے احوال جو مقصود بدلنے والے نہ ہوں، قرآن میں کئی جگہ ذکر کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔

''فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ ''حکم دیا گیا نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کھڑے کھڑے، بیٹھے بیٹھے اور کروٹوں پر، کوئی حد نہیں کوئی قید نہیں لگائی، ذکر کرو لفظ ''اللہ'' کا یا ''لا الہ الا اللہ'' کا یا ''سبحان اللہ'' کا ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا ''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ''اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو، کوی قید نہیں لگای کہ ذکر کس طرح سے کرنا ہے مطلقاً ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب اگر ہمارے بڑوں نے تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ ذکر کرو روح کا، سر کا، خفی کا تو یہ کوئی نئی بدعت نہ ہوگی۔

ایسے ہی حج کا حکم دیا گیا ہے، پہلے زمانہ میں اونٹوں پر حج کو جاتے تھے، آج جہازوں، موٹروں، اور بسوں سے سفر کرنا پڑتا ہے، مقصد بیت اللہ کی حاضری ہے۔ چاہے جس طرح جائیں، زمانہ کی ضرورتوں کی حیثیتوں سے تھوڑا وسیلوں میں فرق پڑتا گیا، لیکن مقصد میں فرق نہیں ہے، تو خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بیعت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ ''شریعت کے خلاف ہے'' بالکل غلط ہے۔

☆☆☆

وصول الی اللہ کا طریقہ

میرے دادا پیر حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے بہت دفعہ طلبہ سے اور عام طور سے لوگوں سے کہا ہے کہ دو باتوں پر پکے ہو جاؤ۔ میں ذمہ لیتا ہوں وصول الی اللہ کا، ایک گناہوں سے بچنا، دوسرے کم بولنا اور تھوڑی خلوت۔

زبان اور نظر کی حفاظت

فرمایا کہ زبان اور نظر کی حفاظت غایت درجہ اہم ہے، ایسا بہت واقع ہوا ہے کہ ایک شیخ عابد زاہد، ذاکر، شاغل اہل قلب ہے، سب حالات اس کے اچھے ہیں، صرف ایک نظر میں اس کا قلب تباہ ہو گیا، اس کو لوگوں نے ایسا خفیف سمجھا ہے کہ کسی شمار ہی میں نہیں رکھتے، بہت سے لوگ مقتدا ہو کر اس میں احتیاط نہیں کرتے بلکہ لوگ ان بے احتیاطیوں کو ان کے لیے کمال سمجھتے ہیں، کوئی فرشتہ صفت کہتا ہے، کوئی ان کو نظر پڑ جانے کو باعث مغفرت جانتا ہے، ایک صالح شخص سے صرف اتنی بات

پر مرنے کے بعد باز پرس ہوئی کہ ان کے دروازے پر ایک اجنبی مرد عورت رہتے تھے، اور دونوں میں آپس میں مزاح ہوا کرتا تھا، ان پر عتاب ہوا کہ تم ان کو روکتے اور اپنے دروازہ پر نہ رہنے دیتے، تو کیوں ایسا ہوتا، فرمایا میں نے بہت دفعہ وعظ میں بیان کیا کہ بعض صغیرہ ایسے ہیں کہ فی حد ذاتہا ہیں تو صغیرہ، مگر بعض وجوہ سے کبائر سے زیادہ سخت ہیں، وجہ یہ کہ بعض ایسے مفاسد کو مستلزم ہیں، جن کو کبیرہ مستلزم نہیں، چنانچہ نظر بد میں وہ مفسدہ ہے، جو بعض کبیرہ میں بھی نہیں۔ وہ یہ کہ ہر گناہ کا قاعدہ ہے کہ کرنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، کسی نے قتل کیا یا چوری کی، جب اسے فارغ ہوا وہ کام ختم ہوا، ایک گناہ ہو گیا، اور نظر میں یہ خاصیت ہے کہ جب کیا جاوے، تو اور ایک نظر کو دل چاہتا ہے، پھر ایک اور کو دل چاہتا ہے، پھر ایک اور کو دل چاہتا ہے، اور یہ سلسلہ ختم ہی نہیں ہوتا، تو نظر ایک گناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہ ہیں۔ انہیں مفاسد کی وجہ سے میں نے مدرسہ میں لڑکوں کے لئے قانون سخت رکھے ہیں۔ غور کر کے دیکھ لیجئے۔ بچوں کا جو بھی قانون ہے اس میں اس کی رعایت ضرور ہے۔ مجھے چھوٹے اور بڑے پر بھی اطمینان نہیں بلکہ اپنے نفس پر بھی نہیں۔

فرمایا: مجھے ہر کام میں یہ اہتمام رہتا ہے کہ مسلمانوں کے اس معاملہ کی بھی اصلاح ہو جو فِیۡمَا بَیۡنَھُمۡ وَ بَیۡنَ اللّٰہِ ہے اور اس معاملہ کی بھی جو فیما بینہم ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ میری نیت ہی میری مغفرت کے لئے کافی ہو جائے۔ ۲۰ر شوال ۱۳۳۲ھ روز شنبہ

فوائد و نتائج

مصلحان قوم کا یہی طرز عمل ہونا چاہیے، اگر ان دونوں میں سے ایک کی اصلاح نہ ہوئی تو وہ جسد بلا روح یا روح بلا جسد ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ”اے مسلمانو! حق تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے باہمی معاملہ کو درست کرو۔“ اول حقوق اللہ ہیں اور ثانی حقوق العباد۔ اگر دین کو غارت کر کے ہمدردی قوم کی تعلیم ہوئی تو کس شمار میں ہے اور اگر حقوق اللہ کی اصلاح کے ساتھ حقوق العباد غارت ہوئے تو کیا اصلاح ہوئی۔ آج کل اکثر مصلحان قوم اس مرض میں مبتلا ہیں کہ حقوق اللہ کی مطلق پرواہ نہیں حتی کہ نعوذ باللہ بعضوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ترقی قومی بلا آزادی مذہب کے نہیں ہو سکتی، (یہ صریح کفر ہے) اور جو حقوق اللہ کی پرواہ رکھتے بھی ہیں وہ مذہب میں تراش خراش ایسی کرتے ہیں کہ تحریف تک نوبت آجاتی ہے، تو یہ دین کی پرواہ نہیں اتباع نفس ہے جس کی نسبت نص ہے۔ وَلَا تَتَّبِعِ الۡھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۔ اور حقوق العباد ادا کرنے میں بھی ان کے پاس لفظ ہی لفظ ہیں اپنے مطلب کے لئے کسی کی توہین و تحقیر اور حقِ غیر کا وبالینا کچھ بات ہی نہیں (دن رات کا تجربہ اس کا شاہد ہے) اس کے لئے نصوص بکثرت ہیں (وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ وَلَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ) وغیرہ وغیرہ۔ بڑے بڑے ہمدردان قوم کو وقت پر غلطی ہی میں مبتلا دیکھا وَالسَّوَابِقُ تَمۡتَحِنُ بِالرِّھَانِ جانچ کے وقت سچ اور جھوٹ کھلتا ہے۔

☆☆☆

کیا موحّدین میں سے کوئی جہنم میں رہے گا؟

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بدولت مختلف افراد کی شفاعت اور دیگر وجوہ سے مخلوق کی بخشش فرماتے رہیں گے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کلمہ گو نہیں رہے گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا موحدین میں سے کوئی شخص جہنم میں باقی بھی رہے گا فرمایا، ہاں ایک آدمی ہوگا جو جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں اللہ کو اس کے دو ناموں یا حنان یا منان سے پکار رہا ہوگا وہاں سے حضرت جبریل کا گزر ہوگا اور وہ اس کی آواز سن لیں گے انہیں اس آواز پر تعجب ہوگا اور وہ کہیں گے کہ تعجب ہے جہنم سے ایسی آواز آرہی ہے پھر ان سے رہا نہ جائے گا اور وہ عرش الٰہی کے سامنے حاضر ہو کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل سر اٹھا! تو جبریل سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ باوجودیکہ ہر چیز سے واقف ہیں ان سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا عجیب چیز دیکھی ہے وہ عرض کریں گے کہ پروردگار میں نے جہنم کی سب سے نچلی تہہ میں ایک شخص کی آواز سنی ہے جو آپ کو یا حنان یا منان کہہ کر پکار رہا ہے مجھے اس آواز پر تعجب ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جبریل مالک (داروغہ جہنم) کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ میرے بندے کو جہنم سے نکال کر لائے چنانچہ حضرت جبریل جہنم کے ایک دروازے پر پہنچ کر دستک دیں گے مالک نکلے گا وہ اس سے کہیں گے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میرے اس بندے کو جہنم سے نکالو جو یا حنان یا منان پکار رہا ہے مالک یہ سن کر جہنم میں داخل ہوگا لیکن تلاش کے باوجود بندہ اسے نہیں ملے گا حالانکہ مالک جہنم کو اس سے بھی زیادہ یقین کے ساتھ پہچانتا ہے جتنا ماں اپنی اولاد کو پہچانتی ہے چنانچہ مالک حضرت جبریل سے کہے گا کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ میں پتھر اور لوہے اور آدمی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا۔

جبریل یہ سن کر لوٹ جائیں گے اور عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل سر اٹھاؤ میرے بندے کو کیوں نہیں لائے وہ عرض کریں گے کہ پروردگار مالک کہہ رہا ہے کہ جہنم کی آگ بہت بھڑک رہی ہے جس کی وجہ سے مجھے پتھر اور لوہے اور آدمی کے درمیان امتیاز نہیں ہو پا رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ مالک سے جا کر کہہ دو کہ میرا وہ بندہ جہنم کی فلاں تہہ، فلاں پردے کے اور فلاں کونے میں پڑا ہوا ہے۔

جبریل وہاں پہونچ کر مالک کو یہ سب کچھ بتائیں گے، مالک جب مقررہ جگہ پر پہنچے گا تو اس شخص کو پھٹکار زدہ، دھتکارا ہوا، پیشانی کو پاؤں سے جکڑا ہوا اور ہاتھوں کو گردن سے بندھا ہوا پائے گا اور اسے سانپ اور بچھو چمٹے ہوئے ہوں گے، مالک اسے ایک مرتبہ اپنی طرف کھینچے گا تو وہ سانپ اور بچھو جھڑ کر گر پڑیں گے اور دوبارہ کھینچنے پر اس کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ٹوٹ کر گر پڑیں گی، اور پھر مالک اسے جہنم سے نکال لائے گا اور اسے نہر حیات میں غوطہ دلا کر جبریل کے حوالے کر دیگا۔

جبریل اسے پیشانی سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوں گے، راستہ میں فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوگا وہ یہی کہے گی کہ افسوس ہے اس بندے پر، جہاں تک کہ جبریل عرش الٰہی کے سامنے پہنچ کر سجدہ ریز ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جبریل! سر اٹھاؤ، پھر اس بندے کی طرف متوجہ ہوکر فرمائیں گے، اے میرے بندے! کیا میں نے تجھے بہترین صورت میں پیدا نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے تیرے پاس اپنے پیغمبر نہیں بھیجا تھا؟ کیا اس پیغمبر نے تیرے سامنے میری کتاب کی تلاوت نہیں کی تھی؟ کیا اس نے تجھے اچھے کاموں کا حکم اور بری باتوں سے منع نہیں کیا تھا؟ بندہ ان سب چیزوں کا اقرار کرے گا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کہ پھر تو نے فلاں فلاں کام کیوں کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا جس کیوجہ سے مجھے اتنی دیر جہنم میں رہنا پڑا لیکن اس دوران میں نے تجھ سے امید کا ناطہ نہ توڑا اور میں تجھے ''یا حنان یا منان'' کہہ کر پکارتا ہی رہا، اب تو نے اپنے فضل سے مجھے جہنم سے نکال ہی دیا یہ تو اب مجھ پر رحم فرمادے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اس پر رحم کردیا۔

حدیث شفاعت کی تشریح میں حضرت گنگوہیؒ کا عجیب ملفوظ

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی تذکرۃ الرشید، پر رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ آپؒ دولت خانہ سے تشریف لائے، حجرہ میں داخل ہوکر دریافت فرمایا، کون کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ خاص خاص لوگ موجود ہیں تو آپؒ بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا کہ سب سمجھ دار آدمی ہیں ایک بات کہوں؟ اس کے بعد آپؒ نے ایک حدیث کا مطلب بیان فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''حق تعالیٰ قیامت کے دن جب دوزخیوں کو دوزخ

میں بھیج دیں گے تو حضرت رسول اللہ ﷺ شفاعت فرمائیں گے، حکم ہوگا، اچھا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو، چنانچہ حضور ﷺ بہت سے دوزخیوں کو باہر نکال لیں گے، اس کے بعد حکم ہوگا ذرہ کے برابر بھی جس کے دل میں ایمان ہو اس کو بھی نکال لو چنانچہ حضور ﷺ بہت سے دوزخیوں کو باہر نکال لیں گے، پھر حکم ہوگا، اچھا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا ایمان جس کے دل میں ہو اس کو بھی نکال لو، حضور ﷺ بہت سے دوزخیوں کو نکال لیں گے، پھر جناب باری تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ جس کے دل میں کچھ بھی ایمان کا حصہ ہو اس کو نکال لو، حضرت رسول اللہ ﷺ عرض کریں گے اے اللہ! اب دوزخ میں کوئی بندہ ایمان والا باقی نہیں رہا، اس وقت حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ اچھا! سب شفاعت کرنے والے سفارشیں کرچکے، اب ہم باقی ہیں۔

چنانچہ تین لپیں بھر کر (کما یلیق بشانہ) دوزخیوں کو دوزخ سے باہر نکالیں گے اور جنت میں داخل کردیں گے۔

اب غور طلب یہ مضمون ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کے لپوں میں جہنم سے باہر نکالے گئے، ظاہر ہے کہ کافر تو نہیں ہوسکتے کیوں کہ کافر کیلئے خلود فی النار (ہمیشہ جہنم میں رہنے) کا حکم تو خود فرما چکے ہیں من اصدق من اللہ قیلا (اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے) پس ضرور یہ لوگ بھی ایمان والے ہیں مگر ان کا ایمان اس درجہ مخفی (پوشیدہ) ہوگا کہ خلاصۂ موجودات حضرت رسول اللہ ﷺ جیسے مبصر (دیکھنے والے) اور دقیق النظر (گہری نظر رکھنے والے) پیغمبر بھی اس کا ادراک (جاننا) نہ فرماسکیں گے، آپ ﷺ بھی ان کو کافر سمجھ کر جہنم میں چھوڑ دیں گے مگر اللہ علام الغیوب ہے جو ہر پوشیدہ سے پوشیدہ چیز کی خبر رکھتا ہے، ان کے انتہائی پوشیدہ اور چھپے ہوئے ایمان کی بناء پر ان کو جہنم سے نکال لے گا۔

آخری بات

قیامت کے دن کوتاہیوں کے باوجود اہل شفاعت کی سفارش سے جہنم سے بچ جانا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضور ﷺ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے اس سے گناہوں پر جری نہیں ہونا چاہیے، احادیث شفاعت کے مضامین پڑھ کر یہ سوچنا کہ ''ہر کلمہ گو مسلمان پر جہنم سے خلاصی یقینی ہے'' اس لئے دنیا جیسی چاہو، احکام خداوندی سے آزاد ہوکر من چاہی زندگی گزارو اور آخرت میں حضور ﷺ کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے چھٹکارا پالو، نری حماقت کے سوا کچھ نہیں، اس لئے کہ:

اول تو یہ کہ: دعویٰ کوئی شخص بھی نہیں کرسکتا کہ یقیناً اس کا خاتمہ ایمان ہی پر ہوگا اللہ کریم کی شان استغناء سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ کیا خبر کسی گناہ کی نحوسی کے سبب (اللہ نہ کرے) ایمان جیسی نعمت ہی چن جائے''۔

دوم یہ کہ: ایمان پر خاتمہ ہوجائے تو قبر کی سختیاں کون جھیل سکتا ہے؟

سوم یہ کہ: دنیا کی آگ (جو انسان کے نفع کے لئے پیدا کی گئی) کو کوئی انسان برداشت نہیں کرسکتا تو جہنم کی آگ جو جلانے میں اس سے ستر گنا بڑھ کر ہے اور ہولنا کی و ہیبت میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور اس کی تخلیق بھی انسان کو نقصان پہنچانے کے لئے ہوتی ہے، کون اسے برداشت کرسکتا ہے؟

چہارم یہ کہ: قیامت کے دن شفاعت کا کوئی وقت تو مقرر نہیں، نہ جانے شفاعت کب ہو تو برسہا برس تک جہنم کا عذاب کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ جہنم کی سختی کا یہ عالم ہے کہ:

قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو کہ جس کی ساری زندگی عیش و آرام اور راحت وخوشی میں گزری ہوگی، جہنم کے قریب لاکر محض اسکا دھواں دیا جائے گا اور

پوچھا جائے گا کہ دنیا میں زندگی کیسی گزری؟ وہ سارا عیش و آرام بھول جائے گا اور چیخ اٹھے گا کہ میں نے تو زندگی میں کبھی راحت پائی ہی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث شفاعت سے اللہ کی رحمت کا امیدوار بننا چاہیے، نہ یہ کہ گناہوں پر جری ہوجائے۔ اے اللہ! ہم سب کو شفاعت محمدی نصیب فرما۔ آمین!

بحمداللہ تعالیٰ

''کنزالعارفین'' تمام ہوئی۔

محمد عثمان حبان دلدار قاسمی

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ .

نعت پاک

یہ ہے شہر طیبہ یہ طیبہ کی گلیاں
بڑی خوبصورت ہیں رشکِ گلستاں
بتا تجھ سے کیا کم ہیں قسمت میں رضواں
مرے کملی والے کی چوکھٹ کے درباں
یہ شانِ ریاضِ رسول اللہ اللہ
ہے جنت بھی سو جان سے جس پہ قرباں
یہی تو وہ ارضِ مقدس ہے لوگو
جہاں کا ہے ہر ذرہ لعلِ درخشاں
میسر ہے اس کو متاعِ دوعالم
ہوا مصطفیٰ کا جو قسمت سے میہماں
مقامِ ادب ہے وبے پاؤں چلئے
یہاں سو رہا ہے دوعالم کا سلطاں
نہ ہوگی جسے ارض طیبہ سے نسبت
مکمل نہ ہوگا کبھی اس کا ایماں
ترے رحم و رافت پہ اے میرے آقا
تصدق میں اور میرے ماں باپ قرباں
جب افسرؔ غلام شہ دوسرا ہے
نہ کیوں ہو مقدر پہ پھر اپنے نازاں

☆☆☆

مصنف کی دیگر کتب

۱	انوارالسالکین	
۲	سفرنامہ جنوبی ہندتا جنوبی افریقہ	
۳	خوابوں کی تعبیراوران کی حقیقت	(اول، دوم)اردو
۴	خوابوں کی تعبیراوران کی حقیقت	(اول، دوم)ہندی
۵	خوابوں کی تعبیراوران کی حقیقت	(اول، دوم)انگلش
۶	خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام	(اول، دوم، سوم)
۷	خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام	(چہارم تادہم زیرطبع)
۸	خطباتِ رحیمی	(اول تاششم)
۹	خطباتِ رحیمی	(ہفتم تادہم زیرطبع)
۱۰	سوانح حضرت حاذق الامتؒ	
۱۱	انجمن دیندار مسلمان نہیں؟	
۱۲	پیارے نبی کی پیاری دعائیں	
۱۳	تصوف کی حقیقت	
۱۴	مفتاح الصلوٰۃ	
۱۵	طالبات تقریر کیسے کریں؟	
۱۶	اسرارِ طریقت	(زیرطبع)
۱۷	تفسیری خطباتِ بنگلور	(زیرطبع)
۱۸	مجالسِ رحیمی	(زیرطبع)

☆☆☆